

۱

ملفوظات حکیم الامت^{رح}

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی صاحب نور اللہ مرقدہ

منتخب ملفوظات

جلد 1 تا 20

فہرست

۲۵	(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱)
۲۵	اپنی فکر کرنی چاہیے
۲۵	ادب تعظیم کا نہیں راحت رسائی کا نام ہے
۲۵	تصوّف کی پہلی شرط اسلام ہے
۲۷	اتباع اور انتظام کا فقدان
۲۸	سلطنت کو ظلم سے زوال ہونا
۲۸	رمضان المبارک کے فضائل و حقوق
۲۹	رمضان المبارک میں معاصی سے بچنے کا خاص اہتمام
۲۹	کامل کی صحبت سے ہمت پیدا ہوتی ہے
۳۰	معاصی سے نحوست اور ظلمت کی دلیل نفی
۳۰	موت کے وقت سب سے خطرہ کی چیز
۳۱	نفس کی خباثت اور اتباع سنت کا کید
۳۲	اپنی تعریف سن کر خوش ہونے کا علاج
۳۲	دُعا سے زیادہ کوئی وظیفہ مؤثر نہیں
۳۳	ذکرِ قلبی افضل ہے یا ذکرِ لسانی
۳۳	نسبت اور پیر پر اعتراض
۳۴	کرامت کی حقیقت
۳۵	عاشق ہمیشہ نامراد ہی رہتا ہے
۳۶	کیفیات کا نہ ہونا بھی موجبِ رحمت ہے
۳۶	اکثر مشائخ کے مقربین کا حال

۳۷	”بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا“ کا مطلب
۳۸	بزرگوں کی زندہ دلی اور آج کل کا وقار
۳۹	نماز بلا حضور بھی بڑی دولت ہے
۳۹	شیخ کی طرف دیکھنے کا طریقہ
۴۰	اپنے شیخ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھے؟
۴۰	طاہری تعظیم سے کیا ہوتا ہے
۴۰	عبادت میں جی نہ لگنا
۴۱	تمام مجاہدات و اشغال کا مقصود
۴۲	مسلمانوں کو اپنی دولت کی خبر نہیں
۴۲	ہر عمل پر آمادہ ہو جانا شرطِ اوّل ہے
۴۳	شیخ کی خدمت میں ایک خاص مدت تک رہنا
۴۳	علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شیخ کے صفات
۴۴	مسلمانوں کے دوزخ میں جانے کی صورت
۴۵	سلف کی عظمت سے دین قائم ہے
۴۵	حصولِ تواضع کا طریقہ
۴۶	امراض کے علاج کا طریقہ
۴۶	صحیح اللہ کی یاد وہ ہے جو فکرِ اصلاح کے ساتھ ہو
۴۷	والدین اور بچوں کی تربیت
۴۸	ماہو اللہ سے قلب کو خالی کرنے کا مطلب اور طریقہ
۴۸	وسوس کو دفع کرنے کی طرف متوجہ ہونا مضر ہے
۴۹	اپنی خواہش کے مطابق اپنی حالت کی طلبِ عبدیت کے خلاف ہے
۵۰	کیفیات لذیذ ہیں مگر مقصود نہیں

۵۰	تفویض کی حقیقت اور دعا کا وجوب
۵۱	مصائب کے وقت بڑے گناہ کو سوچنا
۵۲	امراضِ باطنی سے بچنے کی بڑی تدبیر
۵۲	کون سا مزاح ممنوع ہے
۵۳	ایک مصیبت پر تین شکر
۵۳	سب مسلمان ولی ہیں
۵۳	ہر مسلمان میں نورِ ایمان ہے
۵۳	عقلی محبت کی زیادہ ضرورت ہے
۵۴	راہِ سلوک میں دو چیزیں نعمت اور دو چیزیں راہزن ہیں
۵۴	دعا سے بڑھ کر کوئی وظیفہ نہیں
۵۵	شبِ قدر میں تین چیزوں کا اہتمام
۵۶	(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۲)
۵۶	ذکر میں پہلا سا مزہ نہ ہونا
۵۶	جھوٹ بولنے کا علاج
۵۷	وساوس کا بہترین علاج
۵۷	محبت کے نہ ہونے پر افسوس ہونا خود محبت ہے
۵۷	حق تعالیٰ کی وسعتِ رحمت
۵۸	مسلمانوں کی صاف گوئی
۵۸	مصائب کے اصل سبب معصیت کا بیان
۶۰	بندہ کی ہمت اور حق تعالیٰ کا جذب
۶۲	کون سے امراء کو مرید کرے
۶۲	انشہاک فی الدنیا کا علاج

۶۳	فراغت کا انتظار شیطان کا دھوکہ ہے
۶۴	مسلمان خود خرابیوں کے ذمہ دار ہیں
۶۴	خلوت کا خیال اور حضرت گنگوہی کی رائے
۶۵	ہر غصہ تکبر کی وجہ سے نہیں ہوتا
۶۵	اجزائے دین کی حفاظت کا اہتمام
۶۷	(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۳)
۶۷	نقلی عبادات میں کمی زیادتی شیخ کے مشورہ سے ہونی چاہیے
۶۸	صحت کا اثر تابع پر ہوتا ہے متبوع پر نہیں
۶۸	سماع سے متعلق ایک جاہل صوفی کا سوال اور اس کا جواب
۶۸	دعا میں جی نہ لگنا
۶۹	معاصی سے نفرت
۶۹	عند اللہ محبوب ہونے کا مراقبہ
۷۰	اعمال مقصودہ کی کیفیات بہت پختہ ہوتی ہیں
۷۱	خوش لباسی کی حدود
۷۱	سیاست اور اسلام
۷۲	آمدنی اختیار میں نہیں مگر خرچ اختیار میں ہے
۷۲	تصوف کا عطر خوف، رجاء اور محبت ہیں
۷۳	ذلت اور تواضع کے درمیان فرق
۷۳	توسل کی حقیقت کا انکشاف
۷۳	بے تکلفی اور بے ادبی میں حفظِ حدود
۷۴	انسان کا کام صرف طلب ہے
۷۴	ازالہ شبہات کا طریقہ

۷۴	اہل اللہ کی صحبت حاصل کرنے کا طریقہ
۷۴	حقیقی ادب کیا ہے
۷۵	محبت اور عشق کے ساتھ صحبتِ کامل ضروری ہوتی ہے
۷۵	دوستوں کے ساتھ صبر و تحمل نہ کرنا
۷۶	اسلام تلوار سے نہیں پھیلا
۷۶	کفار کے لئے دائمی سزا کی وجہ
۷۸	(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۴)
۷۸	تارک الدنیا کون ہیں
۷۸	سوئے ظن کے لئے دلیل کی ضرورت ہے
۷۸	انسان کو کبھی ناز نہیں کرنا چاہئے
۷۹	فطری باتیں دل کو اچھی لگتی ہیں
۷۹	متاخرین نے مجاہدات میں دو چیزیں حذف کر دیں
۸۱	قلب کا ستیاناس کرنے والی دو چیزیں
۸۲	انسان دنیا میں عبد بننے کے لئے آیا ہے
۸۲	طریق میں نفع کا دار و مدار
۸۳	طریق اصلاح جنم روگ ہے
۸۴	خدا سے محبت پیدا کرنا تمام تصوف کی جڑ ہے
۸۴	معصیت کی ظلمت
۸۴	حق تعالیٰ کا اپنے کام میں لگانا بڑی نعمت ہے
۸۵	آداب معاشرت کو عوام نے دین نہیں سمجھا
۸۶	عوام الناس اور اہل اللہ کا مصائب کے وقت فرق
۸۷	فضل کسی کمال پر موقوف نہیں

۸۷	ہمت سے زائد اپنے ذمہ کام رکھنا خلافِ عقل ہے
۸۸	فضولیات میں وہ لوگ مبتلا ہیں جن کو عاقبت کی فکر نہیں
۸۸	امربالمعروف کے وجوب کی شرائط
۸۹	نخل لغوی
۸۹	بلا ضرورت شدیدہ شرعی ذریعہ معاش چھوڑنا مناسب نہیں
۸۹	تقویٰ کب کامل ہوگا
۹۰	اتباعِ سنت اور حبِّ شیخ کی برکات
۹۱	(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلدہ)
۹۱	طریق میں غیر مقصود چیزوں کی تفصیل
۹۲	طریق میں جذب کی ضرورت
۹۳	اہلِ دین میں بہت عقل ہوتی ہے
۹۴	غصہ کے موقع ہر غصہ نہ آنا
۹۵	محبت خداوندی کی سخت ضرورت ہے
۹۵	آج کل دنیا بد فہموں سے پُر ہے
۹۶	شیخِ کامل کی اشد ضرورت
۹۷	سلف صالحین کی کوئی امتیازی شان نہ تھی
۹۷	خاصانِ حق کی صحبت کے فرض عین ہونے کا فتویٰ
۹۷	سب سے بدتر حرکت
۹۸	عشقِ طبیعت کے تناسب پر موقوف ہے
۱۰۰	عقلِ سلیم رکھنے والے کو شیخ کی مختصر تعلیم بھی کافی ہے
۱۰۰	مکرو فریب سے طبعی نفرت
۱۰۰	طریق میں سم قاتل

۱۰۰	اہل اللہ کی محبت ضرور رنگ لاتی ہے
۱۰۱	لڑکوں کو مکتب سے وحشت کا سبب
۱۰۱	اہل اللہ کا شعار عدل اور اعتدال ہوتا ہے
۱۰۲	دنیا کی عجیب مثال
۱۰۲	بیماری اور مصیبت میں حکمتِ خداوندی
۱۰۲	عطاء حق کو استحقاق سمجھنا زوال کا سبب ہے
۱۰۲	ہر حال میں تفویض بہتر ہے
۱۰۳	اصولِ صحیحہ میں راحت
۱۰۴	حضراتِ اہل اللہ حکیم ہوتے ہیں
۱۰۵	عمر کی حالت مانند برف ہے
۱۰۶	(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۶)
۱۰۶	خلفاء راشدین کی حکومت میں قوتِ اخلاص
۱۰۶	سفارش کے احکام
۱۰۶	اصلاح کا باب بہت نازک ہے
۱۰۷	طلبِ صادق کے بغیر اصلاح ممکن نہیں
۱۰۷	سلامتی کا دار و مدار مصروفیت میں ہے
۱۰۷	توکل کی حقیقت
۱۰۸	فضولیات سے اعراض
۱۰۸	نفس کا شر شیطان سے زیادہ ہے
۱۰۹	قرآن پاک ایک طبِ روحانی ہے
۱۱۰	انتظام میں ہیبت کو خاص دخل ہے
۱۱۰	عدم احتمالِ مواخذہ منافی ایمان ہے

۱۱۰	ذکر اللہ سے باطن کی تعمیر ہوتی ہے
۱۱۱	طریق کی حقیقت سے بے خبری
۱۱۱	طریق میں نفع کی شرط اعظم مناسبت ہے
۱۱۲	زہد و تقویٰ پر ناز مذموم ہے
۱۱۲	شیخ کامل کا اپنے فن سے واقف ہونا ضروری ہے
۱۱۳	مسلمان سلاطین کو شریعت کی طرف توجہ کی ضرورت
۱۱۳	معصیت ایک بری اور مہلک چیز ہے
۱۱۴	کثرتِ مباحات کا نتیجہ
۱۱۴	بغیر اصلاح انسانیت پیدا نہیں ہوتی
۱۱۵	مرید کو روک ٹوک نہ کرنا خیانت ہے
۱۱۶	بوڑھا پے کی طبعی خاصیت
۱۱۶	انسانیت کا پیدا ہونا مشکل ہے
۱۱۶	صورت اور سیرت دونوں ٹھیک ہونے کی ضرورت
۱۱۶	دینی امور دنیا میں مخل نہیں
۱۱۷	اصل مذہب تعلق مع الحق ہے
۱۱۸	نفع کے لئے مناسبت شرط ہے
۱۱۸	مشائخ کو اخلاق و عادات کی تعلیم دینے کی ضرورت
۱۱۹	جملہ مہتمم مدرسہ کو مشورہ
۱۲۰	نجدیوں کے بارے میں ارشاد
۱۲۰	لوگوں کو ترغیب دلا کر بیعت کے لئے لانے سے نفرت
۱۲۱	معاملات میں سوء ظن رکھنے کا مفہوم
۱۲۲	(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۷)

۱۲۲	تہجد کے وقت آنکھ کھلنے کی تدابیر
۱۲۲	طریق کی اصل حقیقت
۱۲۳	ہر چیز کو زوال ہے
۱۲۳	دعا تمام عبادت کا مغز ہے
۱۲۳	اہل عطا میں تفاوت کے لئے حساب ہوگا
۱۲۴	برا کہنے والوں نے کسی کو نہیں بخشا
۱۲۴	غیر اختیاری عوارض سے ثواب میں کمی نہیں ہوتی
۱۲۴	خودکشی کے حرام ہونے کا سبب
۱۲۵	ایک بڑے کام کی بات
۱۲۵	شریعت میں کفران کی اجازت نہیں
۱۲۶	نسبتِ حقیقی کے حصول کا طریق
۱۲۶	خرافات سے بچنے کی ضرورت
۱۲۷	سب میں سہل اور پیارا نام
۱۲۷	بغیر اخلاص کے عمل کی مثال
۱۲۷	ادائیگی حقوق العباد کی ترتیب
۱۲۸	(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۸)
۱۲۸	غیر محقق شیخ کی صحبت کا اثر
۱۲۸	حق تعالیٰ شانہ کی قدرت
۱۲۹	نفس سے ہمیشہ ہوشیار رہنے کی ضرورت
۱۳۰	راہِ طریق میں خود بینی رہن ہے
۱۳۰	حب جاہ تکبر سے ناشی ہے
۱۳۱	کامل کی علامت

۱۳۱	حالتِ فراغ میں بھی دعا اور الحاح و زاری کی ضرورت
۱۳۲	قبولِ حق سے استنکاف بڑی مہلک چیز ہے
۱۳۲	قلبِ مسافر خانہ نہیں
۱۳۲	اصل دولت اعمال کی پابندی سے نصیب ہوتی ہے
۱۳۳	مصنوعی تواضع اور تکبر میں صورتِ اعتدال
۱۳۳	مسلم اور غیر مسلم کے اخلاق میں فرق
۱۳۳	نعمتِ ادب پر اظہارِ تشکر
۱۳۴	اشاعتِ حق کے لئے ضرورتِ جہاد
۱۳۴	رضا ہمیشہ دائمی رہتی ہے
۱۳۴	انسان بننا فرض ہے
۱۳۴	گنہگار میں بڑی عافیت ہے
۱۳۵	بیکار وقت کھونا بہت برا ہے
۱۳۵	انتظام بڑی برکت کی چیز ہے
۱۳۶	بسا اوقات صورت کا بھی اثر ہوتا ہے
۱۳۶	دوستی اور دشمنی میں ضرورتِ اعتدال
۱۳۷	تبلیغ کا ایک ادب
۱۳۷	ضرر سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے
۱۳۷	غم و کلفت اور پریشانی دور کرنے کا مراقبہ
۱۳۸	اخلاص سے قتال مع الکفار جہادِ اکبر ہی ہے
۱۳۹	(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۹)
۱۳۹	بزرگوں کی صحبت میں نفع ہی نفع ہے
۱۳۹	اپنی فکر مقدم ہے

۱۳۹	ایک کام کی بات
۱۴۰	مخلوق کی ہر محبت مذموم نہیں
۱۴۰	جذب بڑی نعمت ہے
۱۴۱	چھوٹے بچوں کو بزرگوں کی صحبت سے نفع
۱۴۲	فن سلوک میں اصل مجاہدہ ترکِ معاصی ہے
۱۴۲	نیک لوگوں کی دو قسمیں
۱۴۳	معیت حق تعالیٰ شانہ رونق بڑھانے کے لئے کافی ہے
۱۴۴	جذبات پر مواخذہ نہ ہوگا
۱۴۴	بزرگوں سے عقیدت کا مفہوم
۱۴۵	بعض تو اضع بھی تکبر ہے
۱۴۶	(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۱۰)
۱۴۶	شہرت کے متعلق مذاق
۱۴۶	سب سے زیادہ قابلِ نفرت چیز تکبر ہے
۱۴۷	واردات و کیفیاتِ اضیافِ غیبی ہیں
۱۴۷	شیخ کے تعلیم کی اتباع کی ضرورت
۱۴۸	گناہوں سے حفاظت کے اہتمام کی ضرورت
۱۴۹	سب مسلمانوں کے لئے ایک جامع دعائے خیر
۱۵۰	مشائخ میں شمار ہونے سے زیادہ ملا ہونا پسند ہے
۱۵۰	شرعی رخصتوں کے اختیار کرنے میں طریقِ اعتدال
۱۵۱	گفتگو میں ضرورتِ اعتدال
۱۵۱	شیخ کو بھی ذکر و شغل کی ضرورت ہے
۱۵۱	فیضِ مشائخ سے اکثر چار اشخاص محروم رہتے ہیں

۱۵۲	ایک اہم بات
۱۵۳	بیماری میں اجر و ثواب
۱۵۴	زوالِ سلطنت کی وجہ
۱۵۵	عبادات میں اجر عمل و اخلاص پر موقوف ہے
۱۵۵	جملہ تکالیف کے خاتمہ کی تدبیر
۱۵۵	حج اکبر کا مفہوم
۱۵۶	غیر محرم کی طرف نظر بد کسی صورت میں جائز نہیں
۱۵۶	صرف الفاظ کافی نہیں
۱۵۷	لوگوں میں اپنی اصلاح کا اہتمام نہیں
۱۵۷	اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ حسن ظن کی ضرورت
۱۵۸	مغفرت کے لئے حق تعالیٰ بہانہ ڈھونڈتے ہیں
۱۵۹	(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۱۱)
۱۵۹	غصہ کا ایک علاج
۱۵۹	آج کل لوگوں میں قناعت نہیں ہے
۱۵۹	مواقعِ مشتبہ میں حق و باطل کا معیار
۱۶۰	ریاء کی حقیقت
۱۶۱	(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۱۲)
۱۶۱	شیخ کے پاس ہدیہ لے جانا ضروری نہیں
۱۶۱	کسی غرض کے لئے ہدیہ دینا مناسب نہیں
۱۶۱	شیخ پر اعتقاد و اعتماد ضروری ہیں
۱۶۲	تکثیرِ نوافل کی بجائے معاصی سے رکنا اہم ہے
۱۶۲	اصل مطلوب رضا ہے

۱۶۳	مکمل گوشہ نشینی اختیار کرنا مناسب نہیں
۱۶۳	مراقبہ احساناتِ الہیہ
۱۶۴	مزاروں پر پھول چڑھانا عبث ہے
۱۶۴	ابدی جہنم بغاوت اور کمالاتِ خداوندی کے انکار کی سزا ہے
۱۶۵	دنیا کے مفاخر بے حقیقت ہیں
۱۶۵	اخلاقِ رذیلیہ کا امالہ مقصود ہے ازالہ نہیں
۱۶۶	فقراء بھی فی الجملہ ہمارے محسن ہیں
۱۶۶	تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کو سناتا ہے
۱۶۷	بزرگوں کے پاس جاتے ہوئے ہدیہ کا التزام درست نہیں
۱۶۷	مصلح کے پاس جاتے ہوئے کسی کو ساتھ لے جانا مناسب نہیں
۱۶۸	کفار کو دنیوی نعمتیں صورتاً ملتی ہیں
۱۶۸	علماء کا نفقہ قوم پر واجب ہے
۱۶۹	علماء لوگوں کو عقائدِ کفریہ سے آگاہ کرتے ہیں
۱۶۹	کفار کی تمام ریاضتیں بے کار ہیں
۱۷۰	اللہ کے نام کی تاثیر ہر حال میں ظاہر ہوتی ہے
۱۷۰	نماز کا پابند ہونے کے لئے تعویذ نہیں تدبیر کی ضرورت ہے
۱۷۱	مصلحت کی وجہ سے بعض محارم شرعی سے بھی پردہ کرنا چاہئے
۱۷۱	توجہ کا تعلق قوتِ خیالیہ سے ہے
۱۷۲	اعزہ سے ملنا ترک نہ کرے
۱۷۲	سفر حج سفرِ عشق ہے
۱۷۲	مراقبہ موت پر دوام نہ کرے
۱۷۴	(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۳)

۱۷۴	غریب آدمی کو اپنے پاس کسی کی امانت نہ رکھنی چاہئے
۱۷۴	روحانی مرض کے زائل ہونے پر فخر نہ کرے
۱۷۵	مال و جاہ ضرورت سے زائد ہوں تو باعثِ ضرر ہیں
۱۷۶	تین باتوں کا التزام کرنے والا محروم نہ ہوگا
۱۷۶	ہر صالح لمصلح نہیں ہوتا
۱۷۶	اصلاحِ عملی زیادہ نافع ہوتی ہے
۱۷۷	صرف نسبت مع اللہ کی طلب ہونی چاہئے
۱۷۷	نفس بھروسہ کے قابل نہیں
۱۷۷	برا آدمی نیک کے پاس آئے تو اسے نفع ہوگا
۱۷۸	کثرتِ عبادت نہیں قلتِ عبادت سے منع کیا گیا ہے
۱۷۸	کسی کو گھیر گھا کر کرنا پسندیدہ نہیں
۱۷۸	نسبت مع اللہ کا القاء ایک دم نہیں ہوتا
۱۷۹	معصیت کے تقاضے پر ہرگز عمل نہ کرے
۱۷۹	وساوس کا علاج ذکر میں مشغولی ہے
۱۸۰	دل پر جبر کر کے گناہ سے بچنے میں زیادہ مجاہدہ ہے
۱۸۰	بوڑھوں سے پردہ کرنے کی زیادہ ضرورت ہے
۱۸۱	اپنی طرف سے کسی دن کو یوم العید یا یوم الحزن بنانا جائز نہیں
۱۸۱	نسبت مع اللہ سلب نہیں ہوتی
۱۸۲	مفاسد کی اصلاح ضروری ہے
۱۸۲	وسوسہ معصیت، معصیت نہیں
۱۸۳	قرب کرامت سے نہیں طاعت سے بڑھتا ہے
۱۸۳	ڈاڑھی کے انکار سے ایمان چلے جانے کا اندیشہ ہے

۱۸۳	مجذوب کی صحبت سے فائدہ نہیں ہوتا
۱۸۴	بضرورت و مصلحت احسان بیان کرنا جائز ہے
۱۸۴	ہربات میں دلیل کا مطالبہ کرنا غلط ہے
۱۸۵	منتہی کو بھی میلان الی المعصیہ ہوتا ہے
۱۸۵	محرمات شرعیہ کی مثال شاہی اشیاء کی ہے
۱۸۵	کھانا رغبت سے کھانا چاہئے
۱۸۶	دعا کا دیر سے قبول ہونا مبنی بر حکمت ہے
۱۸۶	عاشق نامراد ہوتا ہے
۱۸۷	تعلق مع اللہ کے تین درجے ہیں
۱۸۷	اطلاع دے کر نہ آنا موجب تکلیف ہے
۱۸۷	تعلیم کی بجائے تہذیب زیادہ قابل توجہ ہے
۱۸۸	ذاتی مطالعہ سے علم حاصل کرنے والا خود درخت کی مانند ہے
۱۸۸	بعض کے لئے ذکر و شغل کی پابندی نہ ہونے میں مصلحت ہوتی ہے
۱۸۹	ذکر آہستہ آہستہ اخلاق ذمہ کو ختم کر دیتا ہے
۱۹۰	(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۴)
۱۹۰	نسبت کا مفہوم
۱۹۰	اصلاح معاشرت کا خلاصہ
۱۹۰	ادب کی حقیقت و برکت
۱۹۰	اہل اللہ کے ادب کی برکات
۱۹۱	اپنے اندر دو چیزوں کے پیدا کرنے کی ضرورت
۱۹۱	سامعین کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے
۱۹۱	اتفاق کی جڑ

۱۹۱	اتفاق کی تدبیر
۱۹۲	تمام شبہات و وسوس کا علاج
۱۹۲	ایک شعبہ تکبیر
۱۹۲	بیمار اور تندرست کے لئے وصول و قرب کا الگ الگ طریقہ
۱۹۳	ذکر ربائی کی مثال
۱۹۳	اللہ تعالیٰ سے ریاء
۱۹۳	بلا وجہ شبہ ریا کا نتیجہ
۱۹۴	خلوت میں کیا نیت کرے
۱۹۴	نعماء اور مصائب کب علامتِ خیر ہیں
۱۹۴	مرید کس شخص کو کرنا چاہئے
۱۹۴	برکتِ علم کی شرائط
۱۹۴	موت بھی نعمت ہے
۱۹۵	غصہ میں کسی کو مارنا مناسب نہیں
۱۹۵	کبر کا علاج
۱۹۶	سوئے خاتمہ کا موجب
۱۹۶	حسنِ ظن اور سوئے ظن
۱۹۷	دین کے واسطے دو اَمَّا بَغْضِ فی اللہ جائز ہے
۱۹۷	قلندر کسے کہتے ہیں
۱۹۷	رضاء بالقضاء میں نفع
۱۹۸	خاتمہ ایمان پہ ہونے پر دار و مدار ہے
۱۹۸	رفع پریشانی کی تدبیر
۱۹۹	(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۵)

۱۹۹	کسی کو اپنے قول و فعل سے اذیت نہ پہنچے
۱۹۹	عنوان کا بڑا اثر ہوتا ہے
۱۹۹	دو جامع باتیں
۲۰۰	اعمالِ شریعت کی مثال
۲۰۰	طریق میں اول روز نفع ہونے کی مثال
۲۰۰	حدیث الاعمال بالنیات معاصی سے متعلق نہیں
۲۰۱	آئینہ جمال
۲۰۱	مسائل دریافت کرنے میں اجر ملتا ہے
۲۰۱	خلافِ شرع امور کی اصلاح شیخ پر فرض ہے
۲۰۲	غیر اللہ کی عبادت کرنے کی مثال
۲۰۲	اپنے آپ کو دوسروں سے افضل و احسن سمجھنا حرام ہے
۲۰۳	واصل الی المقصود بنے کا طریق
۲۰۳	پابندیِ دین کی ضرورت
۲۰۳	تکبر شعبہٴ شرک ہے
۲۰۴	میرے یہاں صرف انسانیت سکھائی جاتی ہے
۲۰۴	فضول تحقیقات میں کیا رکھا ہے
۲۰۴	مہمانوں اور ملاقاتیوں سے مروت میں اپنا دینی ضرر نہ کیا جائے
۲۰۵	رضا و عبدیت کے قصد کی ضرورت
۲۰۵	دو چیزیں طالب کے لئے راہزن ہیں
۲۰۶	وضع قطع میں ضرورتِ اعتدال
۲۰۶	ترکِ تعلقاتِ غیر ضروریہ میں راحت ہے
۲۰۶	اعتقاد میں سب کے ساتھ نیک گمان رکھے

۲۰۷	اہل اللہ کی صحبت فرض عین ہے
۲۰۸	(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۶)
۲۰۸	اللہ تعالیٰ کے خطاب کے لئے القاب و آداب نہ ہونے کی حکمت
۲۰۸	جبر و اختیار کے بارے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعلیم
۲۰۹	جاہل صوفی ارکان اسلام کو کچھ نہیں سمجھتے
۲۰۹	یک زمانے صحبت با اولیاء کا عجیب حکیمانہ مطلب
۲۱۰	نماز کی پابندی نہ ہو سکنے کے دو علاج
۲۱۰	حسین صورت دیکھ کر برا خیال آئے تو اس کا علاج
۲۱۱	بزرگوں سے تعلق محض دین کے لئے ہونا چاہئے
۲۱۱	ذکر کا اثر رفتہ رفتہ ہوتا ہے
۲۱۳	ذکر و نماز میں سرسری استحضار کافی ہے
۲۱۳	مختلف اذکار سے نفع کم ہوتا ہے
۲۱۳	مبتدی متوسط اور مہتمی کی نماز کی حالت
۲۱۴	دفع و ساوس کا طریق
۲۱۴	قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنے کی مصلحت
۲۱۵	اسراف کی حد
۲۱۵	چشتیہ کے جلال کا راز
۲۱۶	اطلاع و اتباع
۲۱۶	ذکر کے وقت ثمرات کا منتظر نہ رہے
۲۱۷	عاقل شخص کو کیفیات بہت کم ہوتی ہیں
۲۱۷	وعظ میں مسائل نہ بیان کرنے کی حکمت
۲۱۸	زہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ تقلیل لذات کافی ہے

۲۱۸	آج کل سلامتی یکسوئی میں ہے
۲۱۹	بڑائی کا وسوسہ نہ آنے کی وجوہ
۲۱۹	قبض و بسلط کی حکمت
۲۱۹	آسان اصلاح
۲۲۰	عجیب دستور العمل
۲۲۰	آج کل کا خبط
۲۲۱	امراء سے از خود تعلق نہیں پیدا کرنا چاہئے
۲۲۱	ایک ہی جلسہ میں خدا تک رسائی
۲۲۲	بیعت فوری نہ کرنا چاہئے
۲۲۲	مولوی پست ہمت نہیں ہے
۲۲۳	قبر سے اخذ فیض کا طریقہ
۲۲۳	اخبار بنی کی بلا
۲۲۳	جان داد کے بارے میں احادیث میں اصول
۲۲۴	ہدیہ میں بدرجہ کمال احتیاط
۲۲۶	(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۷)
۲۲۶	دنیوی ہنر پر تعریف قرب قیامت کی نشانی ہے
۲۲۶	اپنی مصلحت کی رعایت
۲۲۷	ہم لوگ عبد احسانی ہیں
۲۲۷	انضباط اوقات کی برکت
۲۲۷	فہم و عقل میں نورانیت پیدا کرنے کی ترکیب
۲۲۷	مشروع شہوت کے افراط سے باطن کا بھی نقصان ہے
۲۲۸	نگاہ بد اختیار ہے

۲۲۹	گھر کے انتظام کے بارے میں قیمتی مشورہ
۲۲۹	اسلام پر ایک اعتراض کا لطیف جواب
۲۲۹	علماء حضور اکرم ﷺ کے لئے وقایہ ہیں
۲۳۰	آداب مجلس
۲۳۱	روافض کے ختم نہ ہونے کی وجہ
۲۳۱	اپنوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نقصان ہوتا ہے
۲۳۱	اکابر کا مقام تواضع
۲۳۲	عسرت سنت انبیاء ہے
۲۳۲	لڑکیوں کے رشتہ نہ ملنے کی وجہ
۲۳۲	تعداد و وظائف کے بارے میں اصول
۲۳۳	کثرت کلام کا قلب پر اثر
۲۳۳	رمضان المبارک میں نیند کا غلبہ ہو تو کس نیت سے سوئے
۲۳۴	رقم کے گننے میں کیا نیت کرنی چاہئے
۲۳۴	کوئی نہ کوئی راز دار ہونا چاہئے
۲۳۶	(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۸)
۲۳۶	حضرت رابعہ بصریہؒ کا ارشاد
۲۳۶	آج کل عورتوں کی اصلاح کا طرز
۲۳۶	مطالعہ کی اہمیت
۲۳۶	مذہب کسی ترکیب سے خود کو سزا سے بچالے تو شرعاً گناہ نہیں
۲۳۷	عظمتِ خداوندی کے نہ ہونے کی وجہ سے غلطیاں
۲۳۷	کراماً کا تبین کو نظر سے پوشیدہ رکھنے کی حکمت
۲۳۸	جنت کی جامع تعریف

۲۳۸	باطل کی تصانیف دیکھنا مضر ہے
۲۳۸	امورِ باطنی میں محض کتاب دیکھ کر کوئی عمل نہ کرے
۲۳۹	سنت یہی ہے کہ کسی بات کا امتیاز نہ کرے
۲۴۰	کچھ لوگ نفع رسانی کے لئے پیدا ہوتے ہیں
۲۴۰	مسئلہ کا جواب دینے کا طریقہ
۲۴۰	ذکر اللہ کے لئے ابتداءِ نیت کی ضرورت ہے
۲۴۱	کتابوں سے فائدہ حاصل کرنے کی شرط
۲۴۱	حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ
۲۴۲	(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۱۹)
۲۴۲	افکار و ہوموم سے نجات کا نسخہ
۲۴۲	شیخ وہ ہے کہ مصلح ہو وراصلاح نہ ہو
۲۴۳	ترکِ لالیعی کی اہمیت
۲۴۳	کبر بشل تو اضع
۲۴۴	چند آدابِ سلوک
۲۴۵	دنیا پر دین کو مقدم رکھے
۲۴۶	اعمالِ ظاہری کی اصلاح کا طریقہ
۲۴۶	کھانا کھانے کے بعض آداب
۲۴۷	بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا
۲۴۷	مسلمان کی شان
۲۴۸	عارف کا ہڈیاں بھی عرفان ہے
۲۴۸	تواضع کی تعلیم
۲۴۸	عجیب شانِ رحمت

۲۴۹	قصہ عدم ایذا کا اہتمام
۲۵۰	بد نگاہی سے بچنا اختیاری فعل ہے
۲۵۱	بعض آدابِ شیخ
۲۵۲	نفسانی اور شیطانی وسوسہ میں فرق
۲۵۲	نفس کا کید
۲۵۳	خلوت کی خوبی
۲۵۴	اہل خانہ کے ساتھ مشغولی مضر سلوک نہیں
۲۵۴	نعمت برتنے سے منعم کی محبت بڑھتی ہے
۲۵۴	معاصی کی نحوست
۲۵۶	(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۲۰)
۲۵۶	توسل کی حقیقت
۲۵۶	بغیر اسلام کے تہذیب آہی نہیں سکتی
۲۵۷	بیعت میں جلدی نہ کرنا
۲۵۷	حالات اور آدابِ شیخ میں افراط و تفریط
۲۵۸	حسنِ ظن میں توسع اور اقتداء میں احتیاط چاہئے
۲۵۸	شیخ کو علم ہو جائے کہ مرید کو مناسبت نہیں تو اس کو چلتا کر دینا چاہئے
۲۵۹	ہمعصری کمالات پر پردہ ڈال دیتی ہے
۲۵۹	نماز کے بارے میں دو انگریزوں کے اقوال
۲۶۰	حکام کا ادب ضروری ہے
۲۶۱	اچھا کھائے تو اچھا کام بھی کرے
۲۶۱	توفیق دوامِ علامت قبول ہے
۲۶۱	ذکر کا خاتمہ بہت صاف ستھرا ہوتا ہے

۲۶۱	صاحبِ ملفوظ بنونہ کہ حافظِ ملفوظ
۲۶۲	کسی خادم کو مخصوص بنانے کے مفاسد
۲۶۳	سلوک میں چار چیزیں ضروری ہیں مگر ان میں سے دو آج کل متروک ہیں
۲۶۳	ایک طالبِ ثمرات ذکر کی حکایت
۲۶۴	علم دین کو ذریعہ معاش بنانا ٹھیک نہیں
۲۶۴	امورِ خانگی پر بھی نظر رکھنا چاہئے
۲۶۵	مسلمانوں میں تصبیح وقت شعار ہو گیا ہے
۲۶۵	زیارتِ قبور کے فوائد
۲۶۶	ضبطِ ملفوظات کے فوائد
۲۶۶	حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علم و تفقہ
۲۶۷	صحبت کے لئے کس کو تلاش کرنا چاہئے
۲۶۷	مکر شیطان کو پہچاننے کے لئے بڑی بصیرت کی ضرورت ہے
۲۶۸	تہذیبِ حال کی حقیقت تصنع ہے
۲۶۸	بچوں کو علم دین سے غافل نہ رکھنا چاہئے
۲۶۹	نماز نہ پڑھنے پر سزا مقرر کرنا

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱)

اپنی فکر کرنی چاہیے

ایک صاحب نے کوئی مسئلہ پیش کر کے عرض کیا کہ فلاں صاحب نے یہ دریافت کیا ہے۔ ان کی حالت کے مناسب فرمایا کہ خود آپ کو جو ضرورت ہو اس کو معلوم کیجئے، دوسروں کے معاملات میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ بڑی ضرورت اس کی ہے کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگے اور اور اپنے اعمال کی اصلاح کرے۔ آج کل یہ مرض عام ہو گیا ہے عوام میں بھی اور خواص میں بھی کہ دوسروں کی اصلاح کی فکر ہے اپنی خبر نہیں۔ میرے ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت کی بدولت کہیں اپنی گٹھڑی نہ اٹھوا دینا۔ واقعی بڑی کام کہ بات فرمائی۔ (صفحہ ۲۸)

ادب تعظیم کا نہیں راحت رسانی کا نام ہے

ایک خط کے سلسلہ میں فرمایا کہ بعض آدمیوں میں فہم کا قحط ہوتا ہے، اُن کی تقریر اور تحریر سے دوسروں کو کلفت ہوتی ہے اگرچہ وہ اپنے نزدیک ادب ہی کا قصد کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ آج کل ادب نام رہ گیا ہے تعظیم کا۔ حالانکہ ادب ہے راحت کا اہتمام اور جس چیز سے دوسروں کو تکلیف پہنچے اس کا نام ادب نہیں۔ یہ سب رسموں کی خرابیاں ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سختی سے منع فرمایا کرتے تھے کہ اپنی جگہ سے بیٹھے ہوئے میری تعظیم کے لئے مت اٹھا کرو۔ اس حالت میں یہی ادب تھا کہ نہ اٹھا جائے۔ (صفحہ ۴۴)

تصوّف کی پہلی شرط اسلام ہے

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ایک ہندو میرے پاس آتا ہے، اس کو تصوّف کی باتوں سے بے حد دلچسپی ہے، اس سے اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں تو وہ سن کر بے حد خوش ہوتا ہے۔ اب یہاں تک نوبت آگئی ہے کہ اس نے مجھ سے کہا کہ کچھ پڑھنے کو بتلاؤ۔ میں نے اس

خیال سے کہ اچھا ہے، اس کو اسلام سے اور قرب و محبت ہوگی ذکر کی تعلیم کی۔ اب وہ بے حد معتقد ہو گیا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو جو تم نے پڑھنے کو بتلایا اس سے بڑا ہی جی خوش ہوتا ہے۔ آج تک کسی اپنی مذہبی چیز کے پڑھنے سے یہ بات نہیں پیدا ہوئی تھی۔ اب اسلام کی بہت تعریف کرتا ہے۔ حضرت والا نے ان کی تمام گفتگوں کر فرمایا کہ یہ طریق مضر ہے۔ صوفی ہونے کی اوّل اور اعظم شرط اسلام ہے۔ جب تک یہ نہ ہو سب بیکار ہے اور اس طریق سے اس کو اسلام کے ساتھ قرب نہ ہوگا بلکہ بعد ہوگا اور یہ باریک بات ہے جس کے سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

لوسنو؛ ایک شخص ہندو جو ایک بزرگ سے بیعت تھا ان کی وفات کے بعد وہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت مولانا کے ایک معتقد مولوی صاحب کا سفارشی پرچہ لے کر بغرض تجدید بیعت حاضر ہوا اور حضرت مولانا سے درخواست کی کہ مجھ کو بیعت فرمائیں۔ مولانا نے جواب میں صاف فرمادیا کہ پہلے اسلام لے آؤ۔ وہ مسلمان نہیں ہوا اور واپس چلا گیا۔ اس پر بعض حاضرین نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ اگر حضرت بیعت فرما لیتے تو اسلام سے اس شخص کو کچھ قرب ہی ہو جاتا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ نہیں تم اس کو نہیں سمجھ سکتے، اس کو اسلام سے زیادہ بعد ہو جاتا۔ وجہ یہ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ذکر و شغل میں جو یکسوئی ہوتی ہے اُس سے بعض اوقات کشف وغیرہ ہونے لگتا ہے جو کہ کوئی کمال یا مقصود نہیں مگر اس سے وہ ذکر غلطی سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وصول الی اللہ کے لئے اسلام بھی شرط نہیں حالانکہ وصول سے ان چیزوں کا کوئی تعلق نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سے دوسرے لوگوں کے عقائد خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے کہ تصوف میں اسلام بھی شرط نہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ ان بزرگ نے اس ہندو کو کیوں مرید کر لیا تھا؟ بات یہ ہے کہ جن بزرگ سے وہ مرید ہوا تھا وہ مجذوب تھے۔ ان لوگوں کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے۔ اگر نظر ہوگئی تو چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی باتوں پر ہو جاتی ہے اور نہ ہو تو بڑی سے بڑی بات پر نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ جذب کی وجہ سے استغراقی کیفیت ان حضرات پر غالب رہتی ہے اس لئے ان کا فعل حجت نہیں۔ فرمایا کہ کیسی عجیب و غریب بات حضرت مولانا

نے تحقیق بیان فرمائی۔ واقعی یہ حضرات حکیم ہوتے ہیں۔ محققانہ شان ہوتی ہے، ان کی نظر حقیقت پر پہنچتی ہے۔ (صفحہ ۲۸)

اتباع اور انتظام کا فقدان

فرمایا کہ ہمارے بھائیوں میں اتباع کا مادہ نہیں۔ اگر دین بھی کامل نہ ہو تو یہ مادہ تو ہو کہ کسی کا اتباع کریں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ برباد ہیں اور ایک سبب یہ ہے کہ ان میں نظم اور اصول کی پابندی نہیں ہے۔ اگر یہ کام کریں اور انتظامی مادہ بھی ان میں ہو تو ادھر تو انتظام ادھر دین پھر تو کھلی نصرت ہے۔ صحابہ کے زمانہ میں قیصر اور کسریٰ کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کیا جمیعت تھی مگر اہل دین تھے اور منظم تھے۔ اگر دین کے ساتھ انتظام صحیح ہو تو پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ باقی غیر منظم صورت میں اپنے کو پھنسانا ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ جان خدا کی امانت ہے اگر ہماری ہوتی تو لا تقتلوا انفسکم (اپنے نفسوں کو قتل مت کرو) کا حکم نہ ہوتا۔ مال جو کہ مکتسب ہے وہ بھی ہمارا نہیں جان ہماری کیوں ہوتی۔ خدا کے لئے جان کیا چیز ہے مگر یہ تو اطمینان ہو کہ یہ یقیناً خدا کے واسطے صرف ہوئی۔ تذبذب کی حالت میں جان دینا تو کیونکر جائز ہوگا۔ ہم کو تو حکم ہے کہ تذبذب کی حالت میں جبکہ ان کی اباحتِ دم میں تردد ہو کفار کی جان بھی نہ لیں۔ ہم کو تو فخر ہے جو قوم اسلام کی دشمن ہے اس کے بھی حقوق بتلائے ہیں۔ قرآن کریم کی آیت ہے ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا۔۔۔۔۔ (اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے اس سبب سے بغض ہو کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا تھا، وہ تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ) اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے قال رسول اللہ ﷺ احب حبیبک ہونا ما عسی ان یکون بغیضک یوما۔۔۔۔۔ (فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ دوست سے دوستی اعتدال کے ساتھ کرو۔ ممکن ہے کہ وہ کسی وقت تمہارا دشمن ہو جائے اور دشمن سے دشمنی اعتدال سے کرو۔ ممکن ہے کہ وہ کسی وقت تمہارا دوست ہو جائے)

کفار بغیض ہیں مگر ان سے بغض رکھنے میں بھی اعتدال مطلوب ہے۔ اسی طرح بغض و محبت میں اعتدال لازم ہے۔ بے موقع ذکر اللہ تک کو فقہاء نے منع کیا ہے بلکہ بعض مقامات پر کفر کہا ہے جیسے حرام طعام پر بسم اللہ کہنا۔ غرض ہر چیز کے حقوق اور حدود ہیں۔ (صفحہ ۵۹)

سلطنت کو ظلم سے زوال ہونا

فرمایا کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ کفر سے سلطنت کو زوال نہیں ہوتا، ظلم سے زوال ہوتا ہے۔ (صفحہ ۶۰)

رمضان المبارک کے فضائل و حقوق

فرمایا کہ یہ مہینہ بڑی ہی برکت اور رحمت کا ہے۔ اگر حق تعالیٰ اپنے بندوں کو اتنی قوت اور توفیق عطا فرمائیں کہ حقوق واجبہ ادا ہوتے رہیں اور معاصی سے اجتناب رہے، یہی بڑی دولت ہے۔ اس سے آگے کی تمنا کرنا بڑے لوگوں کا کام ہے۔ ہم جیسے کمزوروں کے لئے تو یہ ہی سب کچھ ہے۔ اُن کی ذات سے تو سب کچھ امید ہے، بڑے رحیم ہیں، وہ تو ناقصین کو بھی محروم نہیں رکھتے، طلب شرط ہے۔ بندوں کو بھی چاہیے کہ جیسے کچھ ہیں برے بھلے دربار میں پیش ہو جایا کریں اور اپنی وسعت اور قوت سے کام لیں، پھر تو وہ خود اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ ارادہ اور ہمت بڑی چیز ہے۔ اس کی برکت سے بڑا سخت سے سخت کام سہل اور آسان نظر آنے لگتا ہے۔ جہاد کیسی سخت چیز ہے کہ جان کے لالے پڑ جاتے ہیں مگر ہمت اور ارادہ اس کو بھی سہل کر دیتا ہے۔ خصوصاً معاصی سے اجتناب بہت ضروری ہے مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ اور زمانہ میں تو لوگوں کو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا اور جہاں رمضان شریف شروع ہوئے گنجفہ، شطرنج کثرت سے شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی بہلانے اور دن گزارنے کے لئے کرتے ہیں۔ بندہ خدا قرآن کی تلاوت کی ہوتی، ذکر اللہ میں مشغول ہوا ہوتا، کسی نیک مجلس نیک صحبت میں بیٹھا ہوتا، مگر کچھ نہیں کرتے۔ آزادی کا زمانہ ہے، کسی کا ادب نہیں، خوف نہیں، جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ (صفحہ ۶۳)

رمضان المبارک میں معاصی سے بچنے کا خاص اہتمام

فرمایا کہ اس ماہ مبارک میں جملہ معاصی کو ترک کرنا چاہیئے، خواہ معاصی ہاتھ یا پیر کے ہوں، آنکھ کے ہوں، زبان کے ہوں، قلب کے ہوں اور یوں تو ترکِ معاصی اس ہی ماہ کے لئے خاص نہیں، وہ ہر وقت ہی بچنے کی چیز ہے مگر اس ماہ میں اتنا اور ہے کہ جیسے اعمالِ صالحہ پر اجر اور ثواب زیادہ ہے گناہ پر سزا بھی زیادہ ہے۔ (صفحہ ۶۳)

کامل کی صحبت سے ہمت پیدا ہوتی ہے

فرمایا کہ ہمت سے اگر انسان کام لے کوئی کام بھی مشکل نہیں اور یہ ہمت پیدا ہوتی ہے کسی کامل کی صحبت میں رہنے سے اور رہنے سے یہ مراد نہیں کہ بال بچوں کو چھوڑ کر ملازمت کو استعفیٰ دے کر زراعت بند کر کے اس کے پاس جا پڑو بلکہ اگر وقت ملے تو اس لے پاس گاہ گاہ جانا بھی چاہیئے اور خط و کتابت سے ہمیشہ اپنے حالات کی اطلاع کرتا رہے، جو کچھ وہ تعلیم کرے اس پر کار بند رہے پھر ان شاء اللہ تعالیٰ ہمت پیدا ہو جائے گی۔ بدوں صحبتِ کامل اور بغیر اس سے تعلق پیدا کئے کام بننا مشکل ہے گو غیر ممکن نہیں مگر شاذ و نادر ضرور ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مردِ حال شو

پیش مردِ کاملے پامال شو

ترجمہ: ظاہر و باطن دونوں کی درستی میں لگو اور کسی مردِ کامل کی خدمت میں اپنے کو

سپرد کر دو۔

بغیر جو تیاں سیدھی کئے ہوئے کامیابی آسان نہیں۔ آخر طبیب کے پاس جا کر علاج کیوں کراتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ مرض سے نجات اور تندرستی بغیر طبیب کے پاس جائے نہیں حاصل ہو سکتی تو وہ امراضِ جسمانی کا معالج ہے اور یہ امراضِ روحانی کا معالج مگر ایک کی ضرورت میں تو کسی کو بھی کلام نہیں اور دوسرے کی ضرورت میں کلام کیا جاتا ہے، وجہ فرق کیا ہے۔ (صفحہ ۶۴)

معاصی سے نحوست اور ظلمت کی دلیل نقلی

فرمایا کہ لوگ معصیت پر بہت دلیر ہو جاتے ہیں، اس کی نحوست سے تمام امراض روحانی پیدا ہوتے ہیں، نورانیت قلب سے جاتی رہتی ہے اور ظلمت بڑھ جاتی ہے تو معاصی میں بڑی ہی ظلمت اور تاریکی ہے اپنی ذات کے اعتبار سے بھی اور آثار کے اعتبار سے بھی، حدیثوں میں اس کی تائید موجود ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کوئی گناہ کرتا ہے اس کے قلب پر ایک سیاہ دھبہ پیدا ہو جاتا ہے، اگر بندہ خلوص سے توبہ کر لیتا ہے تو حق تعالیٰ اس دھبہ کو قلب سے صاف فرما دیتے ہیں۔ اگر توبہ نہیں کرتا اور اس گناہ کو پھر کرتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے تو وہ دھبہ پھیلنا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ سارے قلب کو محیط ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

ہر گنہ زنگے ست بر مرآت دل

دل شود زیں زنگ ہا خوا رو نخل

چوں زیادت گشت دل را تیرگی

نفسدوں را بیش گردد خیرگی

ترجمہ ہر گناہ دل کے آئینے پر ایک زنگ کا داغ ہے جس کی وجہ سے دل ذلیل و شرمندہ ہو جاتا ہے اور جب دل کی تاریکی زنگ کی زیادتی کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے تو کمینے نفس کی حیرانی بڑھ جاتی ہے۔ (صفحہ ۶۵)

موت کے وقت سب سے خطرہ کی چیز

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ موت کے وقت تو بہت سے خطرات قلب میں

آ سکتے ہیں مگر مضر صرف وہی خطرات ہیں جو کہ اپنے قصد سے اختیار کئے ہوں اور جو بلا قصد اور بلا اختیار ہوں وہ مضر نہیں، یہ خطرات میں تفصیل ہے۔ باقی سب سے زیادہ سخت جو چیز اس وقت خطرناک ہے وہ حُبّ دنیا ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دنیا میں جب انہماک ہوتا ہے اور اس کی محبت ہوتی ہے تو اُس کے چھوٹنے کے وقت جو کہ موت کا وقت ہوتا ہے زیادہ اندیشہ ہے کہ چھڑانے والے سے عداوت نہ پیدا ہو جائے جو کفر ہے۔ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ اس کو مغلوب کرتا رہے اس کے خلاف کا استحضار کرتا رہے۔ پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی مضرت یا اندیشہ نہ ہوگا۔ اجماعی مسلمان اعتقاداً تو دنیا کو برا سمجھتا ہی ہے مگر اس اعتقاد کو استحضار کے درجے تک پہنچا دینا چاہیئے اور یہ بہت کم ہوتا ہے کہ موت کے وقت ایمان سلب ہوتا ہو۔ جن کا سلب ہوتا ہے وہ پہلے ہی سے ہو چکتا ہے، اُس وقت ظہور ہو جاتا ہے۔ ہر مسلمان کو اس وقت کی فکر ہونا چاہیئے بالخصوص اپنے قلب کو محبتِ دنیا سے بالکل خالی رکھنا چاہیئے۔ (صفحہ ۸۹)

نفس کی خباثت اور اتباعِ سنت کا کید

فرمایا کہ نفس بھی عجیب چیز ہے، اتباعِ ہوئی کو کبھی کبھی اتباعِ سنت کے رنگ میں دکھاتا ہے، اس کا ایسا لطیف کید ہوتا ہے کہ اتباعِ ہوئی کہ یہ سمجھتا ہے کہ میں اتباعِ سنت میں مشغول ہوں۔

صاحبو؛ یہ تو آسان ہے کہ انسان یہ کہے کہ میں مؤمن ہوں مگر سنت کا دعویٰ بڑا مشکل ہے۔ اُس وقت ان دونوں میں فرق کرنا محقق اور عارف کا ہی کام ہے۔ اسی ہی لئے ضرورت ہے کہ اپنے حالات کی اطلاع اپنے مربیٰ کو کرتا رہے۔ وہ اپنے تجربات اور بصیرت کی بنا پر اس کی رہبری کرے گا اور اس کو تمام سخت سے سخت گھاٹیوں سے لے کر گذر جائے گا۔ (صفحہ ۹۱)

اپنی تعریف سن کر خوش ہونے کا علاج

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر کوئی شخص منہ پر تعریف کرتا ہے تو نفس اس سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ پُھولا نہیں سماتا، اس کا کیا علاج ہے؟ فرمایا کہ اُس وقت اپنے معائب کو مختصر کر کے اُس خوشی کو دبائے۔ یہ ایک قسم کا مجاہدہ ہے۔ چند روز تعب ہوگا مگر پھر ان شاء اللہ تعالیٰ سہل ہو جائے گا۔ متقدمین کے علاج ان رذائل کے بارے میں بہت سخت سخت ہیں، بڑے بڑے مجاہدے ہیں۔ اب تو اللہ کا شکر ہے کہ آسان آسان نسخوں سے علاج ہو جاتا ہے۔ تھوڑی سی ہمت ضرور کرنا پڑتی ہے۔ باقی اگر کوئی کچھ کرنا ہی نہ چاہے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ (صفحہ ۹۵)

دُعا سے زیادہ کوئی وظیفہ مؤثر نہیں

فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ میں قرضدار ہوں، کوئی مؤثر وظیفہ بتلا دیجئے۔ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ دُعا سے زیادہ کوئی وظیفہ مؤثر نہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ لوگوں نے خدا سے مانگنا ہی چھوڑ دیا۔ بندوں کا تعلق حق جل و علیٰ شانہ سے بہت ہی ضعیف ہو گیا۔ اس باب میں لوگوں کے عقائد نہایت ہی خراب ہیں۔ اور اس میں ایک اور بہت بڑی خرابی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر وظیفہ سے کام نہ ہوا تو پھر آیاتِ الہیہ سے بدگمانی بدعقیدگی ہوتی ہے۔ یہ سب جاہل عالموں کی بدولت ہو رہا ہے۔ اُن کے یہاں ہر کام کے لئے وظائف ہی کی تعلیم ہوتی ہے۔ اہل نااہل بھی نہیں دیکھا جاتا۔ اس کے علاوہ بتلانے کے وقت ایسے طرز سے کہتے ہیں اور ایسا اطمینان دلاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اسی طرح ہو جائے گا۔ اس میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں اور اگر تقدیر سے اُس کے خلاف ہوا تو اُس پڑھنے والے کے ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ آیاتِ الہیہ میں بھی کوئی اثر نہیں۔ پھر اس بدگمانی کا مقتضایہ یہ تھا کہ دُعا ہرگز قبول نہ ہوتی۔

دیکھئے؛ موٹی سی بات ہے اگر ہم کسی کو دور و پیہ مہینہ دیتے ہوں اور اُس کی نسبت ہم

کو اُس کے اقرار سے یہ معلوم ہو جائے کہ اُس کو ہماری نسبت بدگمانی ہے۔ پھر قیامت تک بھی ہم اُس کی طرف التفات نہ کریں گے مگر حق تعالیٰ ہیں کہ سب کچھ سنتے ہیں دیکھتے ہیں پھر بھی رزق بند نہیں فرماتے، بڑے ہی رحیم کریم ہیں۔ (صفحہ ۹۹)

ذکرِ قلبی افضل ہے یا ذکرِ لسانی

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ذکرِ قلبی افضل ہے یا ذکرِ لسانی؟ فرمایا ذکر کے متعلق مختلف احکام ہیں۔ بعض احکام تو لفظ کے ساتھ متعلق ہیں اُن میں ذکرِ لسانی افضل ہے اور باقی جو ذکر زبان سے نہ کیا جائے اجرا اس پر بھی ملتا ہے، یہ ذکرِ قلبی ہے جس سے ہر وقت قلب میں یاد رہے مگر اس طریق میں قوی اندیشہ رہتا ہے قلب سے ذہول ہونے کا۔ اور ذکرِ لسانی میں یہ اندیشہ نہیں، اس اعتبار سے ذکرِ قلبی سے ذکرِ لسانی افضل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر صرف قلب ذکر کرے گا تو زبان خالی رہے گی اور اگر زبان سے ذکر کرے گا تو اس کے ساتھ قلب بھی ادنیٰ توجہ سے متوجہ رہے گا۔ ہاں جس وقت نیند کا غلبہ ہو اس وقت زبان سے ذکر نہ کرے کیونکہ احتمال ہے کچھ کا کچھ نکلنے لگے۔ حدیث شریف میں اس کو استجمام لسانی سے تعبیر فرمایا ہے۔ (صفحہ ۱۰۳)

نسبت اور پیر پر اعتراض

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جس طرح ایمان جاتا رہتا ہے اور آدمی کافر ہو جاتا ہے کیا اسی طرح نسبت بھی جاتی رہتی ہے؟ فرمایا کہ جس طرح ایمان ظاہری جاتا رہتا ہے ایسے ہی نسبت بھی جاتی رہتی ہے اور جس طرح ایمان فی علم اللہ نہیں جاتا اسی طرح نسبت فی علم اللہ نہیں جاتی۔

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا کہ اس طریق میں سب سے زیادہ جو مضمر چیز ہے وہ معلم پر اعتراض ہے، اس کا ہمیشہ خیال رکھنا ضروری ہے مگر یہ شرط ہے کہ پیر ہو پیر نہ ہو۔ یہ میں اس وجہ سے متنبہ کر رہا ہوں کہ بعض بات ایسی ہوتی ہے معلم کی کہ وہ سمجھ میں نہیں آتی اور طالب

اس میں اعتراض کر بیٹھتا ہے۔ سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ظاہراً اس سے کوئی امر شریعت کے خلاف صادر ہو جائے تو ایک آدھ بات میں تو مناسب تاویل کر لی جائے گی۔ اگر تاویل سمجھ میں نہ آئے تو یہ سمجھ لیا جائے کہ ممکن ہے کہ اس کی حقیقت ہماری سمجھ میں نہ آئی ہو اور اگر کثرت سے ایسے امور صادر ہونے لگیں تو پھر یہ نہیں کہ ہر بات میں تاویل کی جائے گی۔ یہ ایسا ہے جیسے حسین آدمی کے چہرہ پر ایک تل ہو جس کو خال سے تعبیر کرتے ہیں، زائد سے زائد دو ہوں تو عیب نہیں مگر یہ بھی نہیں کہ تمام چہرہ تلوں ہی سے بھر جائے، اگر ایسا ہے تو پھر تو سارا حسن خاک میں مل جائے گا۔ (صفحہ ۱۰۵)

کرامت کی حقیقت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ لکھا ہے عارفین نے کہ کرامت کا درجہ اس ذکر لسانی سے بھی جو کہ بلا حضورِ قلب ہو کم ہے اور پھر اس سے بھی کم درجہ ہے تصرف کا۔ حضرت اصل چیز تو تشرف ہے یعنی طاعت سے مشرف ہونا، تصرف میں کیا رکھا ہے اور اس زمانہ میں تو لوگوں نے خلط کر رکھا ہے، تصرف کو بھی کرامت سمجھتے ہیں۔ ان چیزوں کے پیچھے پڑنا ہی بے کار وقت کو کھونا ہے۔ آدمی کو ضروری کاموں میں اپنا وقت صرف کرنا چاہیے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا اتباع ہونا چاہیے، وہ اب منحصر ہے اتباع نبوی ﷺ میں۔ جس کو حق تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائیں بڑی نعمت ہے۔ آج کل تصرف کو علامت قرار دیتے ہیں ولایت اور مقبولیت کی۔

صحیح راستہ تو یہ ہے کہ قدم بقدم حضور ﷺ کے چلنا نصیب ہو جائے، یہی بڑی دولت ہے اور اسی میں سب کچھ ہے۔ اس کے سامنے اور چیزوں کی تمنا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور چیزوں میں کیا رکھا ہے۔ خود حضور ﷺ بھی تصرف نہ فرماتے تھے۔ صرف اتنا ثابت ہے کہ کبھی ایک شخص کے سینہ پر ہاتھ مار دیا، کبھی بدن پر ہاتھ پھیر دیا۔ بس ایسے ایسے واقعات گاہ گاہ ثابت ہیں جو کسی عارض کی وجہ سے ہوتا تھا۔ حضور ﷺ کا غالب معمول نہ تھا سو

اول تو اس کا تصرّف ہونا ثابت نہیں۔ اسی لئے محدثین ان واقعات کو معجزات میں لاتے ہیں۔ دوسرے حضور اکرم ﷺ صاحبِ وحی تھے، اگر تصرّف ہی ہو تو اذن سے ہوتا تھا اور وہ کو یہ بات نصیب نہیں۔ اور ہر حال میں خواہ وہ تصرّف ہو جس میں قصد تاثیر ہوتا ہے یا معجزہ ہو جس میں قصد کو دخل نہیں لیکن یہ امر دونوں میں مشترک ہے کہ اُس طرف پوری توجہ نہیں ہوتی جیسے کہ عام اہل تصرّف کے تصرّف کے لوازمِ عادیہ سے ہے کہ اُس وقت دوسرے خطرات کو اہتمام سے دفع کرتے ہیں۔ (صفحہ ۱۰۸)

عاشق ہمیشہ نامراد ہی رہتا ہے

ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ عاشق ہمیشہ نامراد ہی رہتا ہے کیونکہ جس مقامِ قرب تک پہنچتا ہے آگے کا طالب ہوتا ہے جو اس وقت حاصل نہیں وہ کذا غرض حضرت عاشق جنت سے ادھر نامراد ہی رہتا ہے مگر وہ نامرادی ہی اس کی مراد ہے۔

گر مراد را مذاقِ شکرست

بے مرادی نے مرادِ دلبرست

ترجمہ: اگرچہ تیری خواہش کیسی ہی شیریں اور عمدہ ہے۔ مگر کیا (ہر وقت اپنے کو بے مراد سمجھ کر آگے ترقی کا طالب رہنا یہ) بے مرادی محبوب کی خواہش نہیں ہے۔

اور بعض کو یہاں تک غلو ہو گیا ہے کہ انہوں نے یہ حکم لگا دیا ہے کہ جنت میں بھی یہی نامرادی اور بے چینی ہوگی۔ مگر یہ محض غلط ہے، وہاں بالکل سکون ہوگا۔ اس غلطی کا منشاء یہ ہے کہ تجلیاتِ لامتناہی ہیں وراء السوراء ثم وراء الوداء تو ہر تجلی پر اس کی طلب بڑھتی رہے گی اور چونکہ وہ لامتناہی ہیں تو اس کے آگے کے انتظار میں بے چینی ہوگی لیکن یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ جتنی طلب ہوگی چونکہ وہاں اس کی استعداد بھی ہوگی اس لئے وہ اول بار ہی عطا فرمادی جائے گی اور اس سے آگے جو عطا ہوگی وہ بلا طلب عطا ہوگی اس لئے اس کا انتظار ہی نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں طلب زیادہ ہے استعداد کم، اس لئے عطا میں دیر ہوتی ہے۔ وہاں استعداد سے زیادہ طلب ہی نہ ہوگی۔ اس لئے نہ انتظار ہوگا نہ بے چینی غرض جنت میں بے چینی نہ ہوگی۔ (صفحہ ۱۰۹)

کیفیات کا نہ ہونا بھی موجب رحمت ہے

فرمایا کہ کیفیات محمودہ نفسانی بھی ہوتی ہیں اور روحانی بھی۔ بعض مرتبہ کیفیات کا نہ ہونا موجب رحمت ہے اور ہونا موجب فتنہ۔ کیونکہ پہلی صورت میں اپنے کو ناقص سمجھتا ہے اور دوسری صورت میں کامل۔ (صفحہ ۱۱۹)

اکثر مشائخ کے مقرر بین کا حال

فرمایا کہ مشائخ کے یہاں جو مقرر بین بصیغہ اسم مفعول ہوتے ہیں، ان میں ایک دو مکر بین بصیغہ اسم فاعل بھی ہوتے ہیں، ہر وقت شیخ کو اور دوسرے متعلقین کو کرب میں رکھتے ہیں، جھوٹ سچ لگاتے رہتے ہیں۔ جس سے چاہا شیخ کو ناراض کر دیا جس سے چاہا راضی کر دیا۔ بحمد اللہ ہمارے بزرگ اس سے صاف ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو کسی کی شکایت سنتے ہی نہ تھے۔ جہاں کسی نے کسی کی شکایت کی فوراً منع فرما دیا کرتے تھے کہ خاموش رہو، میں سننا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد کسی کی ہمت ہی شکایت کی نہ ہوتی تھی۔ اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سن کر فرما دیتے تھے کہ تم نے جو کچھ بیان کیا اور فلاں شخص کی شکایت کی، سب غلط ہے، میں جانتا ہوں اُس شخص کو، وہ ایسا نہیں۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں کیا معمول تھا؟ فرمایا کہ ایک صاحب نے حضرت سے سوال کیا تھا کہ آپ سے لوگ دوسروں کی شکایت بیان کرتے ہیں، آپ پر کوئی اثر ہوتا ہے؟ فرمایا کہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ میں یہ سمجھ لیتا ہوں کہ دنوں میں رنجش ہے مگر سن لیتے تھے سب۔ (صفحہ ۱۶۰)

”بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا“ کا مطلب

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ذرا اس کا مطلب بیان فرمادیں اس مطلب کیا ہے۔

صحبت نیکوں اگر یک ساعت است

بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

ترجمہ: نیکوں کی صحبت اگر ایک ساعت کے لئے میسر ہو جائے تو سو سالہ زہد و طاعت سے (جو بغیر رہبر کامل کے ہو) بہتر ہے۔

فرمایا کہ مجھ سے تو آپ ہی بہتر سمجھنے والے ہیں مگر میں جو سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ کامل کی صحبت میں بعض اوقات کوئی گُڑ ہاتھ آ جاتا ہے یا کوئی ایسی حالت قلب میں پیدا ہو جاتی ہے جو ساری عمر کے لئے مفتاحِ سعادت بن جاتی ہے۔ یہ کلیہ نہیں مہملہ ہے ہر وقت یا ہر ساعت مراد نہیں۔ بلکہ وہی وقت اور وہی ساعت مراد ہے جس میں ایسی حالت پیدا ہو جائے۔ عرض کیا تو کیا ہر صحبت اس درجہ مفید نہ ہوگی؟ فرمایا کہ ہے تو یہی مگر کس کو علم ہے کہ وہ کون ساعت ہے جس میں یہ حالت میسر ہوگی۔ ہر صحبت میں اس کا احتمال ہے اس لئے ہر صحبت کا اہتمام چاہیئے۔ اس سے ہر صحبت کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہے اور اس حالت کو صد سالہ طاعت کے قائم مقام بتلانے کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ اگر کسی شخص کے پاس سو گئی ہوں تو بظاہر اس کے پاس امتنع میں سے ایک چیز بھی نہیں مگر اگر ذرا تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو ہر چیز اُس کے قبضے میں ہی۔ اسی طرح اگر وہ کیفیت اس کے اندر پیدا ہوگئی تو بظاہر خاص طاعات میں سے کوئی بھی چیز اس کے پاس نہیں مگر حکماً ہر چیز ہے پس مراد اعمال پر قدرت ہونا ہے، اسی سے سب کام اس کے بن جائیں گے اور اصل چیز وہی کام ہیں جن کی یہ مفتاحِ صحبت میں نصیب ہوگئی۔ اگر وہ اعمال نہ کئے تو نری مفتاح کس مصرف کی۔

اسی لئے کہتا ہوں کہ بدوں اعمال نہ کچھ اعتبار ہے اقوال کا نہ احوال کا نہ کیفیات کا،

اس ہی لئے ان چیزوں میں سے کسی چیز میں بھی حظ نہ ہونا چاہیے۔ اگر اعتبار کے قابل کوئی چیز ہے تو وہ اعمال ہیں اور اعمال بلا توفیق حق کے مشکل اور توفیق عادتاً موقوف ہے صحبت کامل پر۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مردِ حال شو

پیش مردِ کاملے پامال شو

ترجمہ: ظاہر و باطن دونوں کی درستی میں لگو اور کسی مردِ کامل کی خدمت میں اپنے کو سپرد کر دو۔ (صفحہ ۱۷۳)

بزرگوں کی زندہ دلی اور آج کل کا وقار

فرمایا کہ ہمارے سب بزرگ زندہ دل تھے۔ آپس میں ایک دوسرے سے مزاح بھی فرماتے تھے اور یہ متانتِ متعارفہ دلیلِ کبر کی ہے اور علامت ہے روح کے مردہ ہونے کی اور نفس کے زندہ ہونے کی۔ اور خوش مزاجی دلیل ہے انکسار کی اور علامت ہے روح کے زندہ ہونے کی اور نفسِ مردہ ہونے کی۔

ایک شخص یہاں تھے، وہ ذی علم بھی تھے۔ مجھ سے ایک روز فرمایا کہ آپ کی فلاں فلاں بات وقار کے خلاف ہے۔ میں نے کہا میں تو پوچھتا ہوں کہ حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو دوڑے تھے، کیا یہ وقار کے خلاف ہے۔ اگر نہیں تو آپ نے کبھی اس سنت پر عمل کیا ہے؟ اپنی بیوی کے ساتھ دوڑے ہیں؟ اور میں نے بحمد اللہ اس سنت پر عمل کیا۔ فرمایا کہ ایک ضروری بات یاد آئی۔ حضور ﷺ کے دوڑنے میں شبہ ہوتا تھا کہ مکان اس قدر وسیع کہاں تھا جس میں حضور ﷺ دوڑے مگر اب مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ سفر کی حالت میں تھا۔ حضور ﷺ ایک میدان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پردہ کرا کر دوڑے تھے۔ پھر اُن صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، چپ رہ گئے۔ میاں متانت اور وقار کو لئے پھرتے ہیں۔ (صفحہ ۱۷۷)

نماز بلا حضور بھی بڑی دولت ہے

فرمایا کہ لوگوں کے قلوب میں اعمال کی قدر نہیں۔ کسی غالی درویش نے نماز کی نسبت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ حضرت جب دل متوجہ نہ ہو اس اٹھک بیٹھک سے کیا نتیجہ۔ اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ بعض لوگ کیسے گستاخ ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ رحم فرمائیں، کیسی جرأت کی بات ہے، ایسے لوگوں کے دل میں خشیت کا نام نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی اٹھک بیٹھک کی قیمت وہاں معلوم ہوگی کہ کس درجہ کی چیز ہے۔ فرمایا کہ یہی سب کچھ ہے، اگر حق تعالیٰ اسی کی توفیق عطا فرمائیں اور بلا حضورِ قلب ہی اٹھک بیٹھک ہو جایا کرے بڑی دولت ہے۔ (صفحہ ۱۸۰)

شیخ کی طرف دیکھنے کا طریقہ

ایک صاحب نے عرض کیا کہ شیخ کی طرف دیکھنا یا اس کی طرف نظر کرنا، کیا اس سے برکت حاصل نہیں ہوتی؟ فرمایا ہوتی ہے لیکن طریق اس کا یہ ہے کہ ایسے وقت دیکھے جب یہ دیکھ لے کہ شیخ اس کے دیکھنے کو نہیں دیکھ رہا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی شخص کی طرف ٹکائی باندھ کر دیکھنا اُس کو مشوش کرتا ہے۔ اور یہ بات میرے ہی ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ امر طبعی ہے کہ اگر ایک شخص کسی شخص کو برابر دیکھے چلا جا رہا ہو تو اس کو شبہ ہوتا ہے کہ کوئی خاص بات ہے جو مجھ کو گھور رہا ہے۔ ہاں؛ ایسے وقت شیخ کی طرف نظر کرنا کہ جس وقت اس کو علم نہ ہو اس کے دیکھنے کا کوئی حرج نہیں یا شیخ خود اس کی طرف متوجہ ہو یا کچھ پوچھے یا بتلائے۔ اُس وقت چونکہ شیخ خود متوجہ ہوتا ہے اس وقت دیکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آج کل فہم اور عقل کا قحط ہے۔ لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ شاید اس سے بد فہم لوگ شیخ کے متوجہ ہونے کے وقت بھی اس کی طرف دیکھنے اور بولنے کو ادب کے خلاف سمجھ بیٹھیں۔ (صفحہ ۱۹۴)

اپنے شیخ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھے؟

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ اس بارے میں بہترین فیصلہ ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے شیخ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے کہ زندہ بزرگوں میں میری کوشش سے اس سے زیادہ مجھ کو نفع پہنچانے والا مجھ کو نہیں مل سکتا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس فن کے امام تھے، مجتہد تھے اور وہ شان تھی جس کو مولانا فرماتے ہیں ۔

بنی اندر خود علوم انبیاء

بے کتاب و بے معید و اوستا

ترجمہ: تو اپنے اند بغیر کسی مددگار اور استاد کے علوم نبوت کا مشاہدہ کرے

گ۔ (صفحہ ۱۹۷)

ظاہری تعظیم سے کیا ہوتا ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل تو یہ حالت ہے کہ جہاں عوام نے تعظیم کرنی شروع کر دی بس بڑے ہو گئے۔ فرمایا کہ اس ظاہری تعظیم سے کیا ہوتا ہے جبکہ دلوں میں لوگوں کے وقعت نہ ہو۔ تعظیم تو بعض اوقات دفعِ ظلم کے لئے بھی کرنے لگتے ہیں۔ ایسی تعظیم بھی ذلت ہی کہلاتی ہے اور اگر بظاہر تعظیم نہ ہو مگر دل میں وقعت ہو عظمت ہو یہ حقیقی تعظیم ہے۔ دیکھئے محض ظاہری تعظیم کی حقیقت اس مثال سے سمجھ میں آ جائے گی مثلاً خدا نہ کرے یہاں پر اس مجلس میں سانپ نکل آئے تو سب تعظیم کے لئے کھڑے ہو جائیں گے مگر اس کے ساتھ ہی جوتے کی بھی تلاش ہوگی۔ بس؛ اس سے زیادہ وقعت نہیں ظاہری تعظیم کی۔ (صفحہ ۲۰۳)

عبادت میں جی نہ لگنا

فرمایا ایک خط آیا ہے، لکھا ہے کہ گذشتہ دنوں میں سے خادمِ خدام کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے، نہ نماز میں جی لگتا ہے، نہ ذکر میں، نہ کلامِ مجید پڑھا جاتا ہے اور دنیا کا کوئی کام

بھی نہیں ہوتا۔ بس ایک عجیب گول گول حالت ہو رہی ہے۔ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کام تو جس طرح بن پڑے کرنا ضروری ہے خواہ ناقص ہی ہو۔ تکمیل کا یہی طریقہ ہے۔ اگر بدنویس اس لئے مشق کرنا چھوڑ دے کہ اچھا نہیں لکھا جاتا تو اُس کو اچھا لکھنا بھی نہ آئے گا۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ عمل ناقص کو بھی چھوڑنا نہیں چاہیئے جیسے بنیاد کے مضبوط ہونے کا تو اہتمام کرتے ہیں مگر اُس کے خوش نما ہونے کے پیچھے نہیں پڑتے، اس میں روڑے وغیرہ بھر دیتے ہیں اور بعد میں اس پر بڑے بڑے محل اور کوٹھیاں تیار ہوتی ہیں۔ اسی طرح عمل ناقص بنیاد ہے عمل کامل کی۔ بنیاد کے کمال اور نقصان پر نظر نہ کی جائے، جو کچھ اور جس طرح ہو سکے کرتا رہے، جیسے نماز گوناقص ہی ہو مگر وحدود میں وہ ہو جاتی ہے بلکہ ایسی عبادت پر اجر زیادہ ہوتا ہے جس میں جی نہ لگے کیونکہ وہ مجاہدہ ہے۔

یہ طریق بہت ہی نازک ہے۔ محض کتابیں پڑھ لینے سے کام نہیں چل سکتا، فہم کامل اور ذوق سلیم کی ضرورت ہے اور یہ اس کو عطا ہوتا ہے جس پر حق تعالیٰ اپنا فضل فرمائیں۔ (صفحہ ۲۱۵)

تمام مجاہدات و اشغال کا مقصود

فرمایا کہ تمام مجاہدات و ریاضات و مراقبات و اشغال سے مقصود یہ ہے کہ توجہ الی اللہ میں قوت ہو جائے۔ اور اس کے لئے جو کچھ شغل وغیرہ شیخ تعلیم کرتا ہے یہ سب طریق طبعی کی طرح ہیں جو محض تدابیر کا درجہ رکھتا ہے مقصود کوئی چیز نہیں۔

اسی طرح قلب کا جاری ہونا جو مشہور ہے وہ بھی کوئی چیز نہیں بلکہ اہل تجربہ نے اس سے بھی منع کیا ہے کہ محض قلب سے ذکر کا خیال رکھا جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ذکر زبان سے جاری رکھو خواہ قلب بھی حاضر نہ ہو کیونکہ قلب سے ذکر کا خیال رکھنا اُس کا دوام مشکل ہے اور دیر پا بھی نہ ہوگا۔ زبان سے ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ کوئی وقت بھی ذکر سے خالی نہ جائے گا اور قلب چونکہ ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اس لئے اُس میں ذہول ہونا

بعید نہیں۔ پس زبان سے بھی ذکر جاری رکھنا احوط و اسلم ہے۔ (صفحہ ۲۱۷)

مسلمانوں کو اپنی دولت کی خبر نہیں

فرمایا کہ میرے جو قواعد و ضوابط ہیں ان کو اپنی اور دوسروں کی راحت و رسانی کے واسطے میں نے وضع کئے ہیں اور ایسے اصول اور ضوابط سب اسلام کے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ انگریزوں سے سیکھے ہیں، بالکل غلط ہے بلکہ خود انگریزوں نے اسلام سے سیکھے ہیں۔ ہمیں خبر نہیں کہ ہمارے گھر میں کیا دولت ہے؟ اس جہل کی کوئی انتہا ہے۔ اتنی خبر نہیں۔ اپنی دولت کو دوسروں کی سمجھتے ہیں اور یہی کیا جس قدر غیر مسلم اقوام ہیں سب وحشی تھیں۔ تواریخ اٹھا کر دیکھو پتہ چل جائے گا۔ یہ سب اسلام کی خوبیاں ہیں جو دوسری قوموں نے اختیار کر لی ہیں۔ اور ایسے اصول صحیح سے ہر شخص منتفع ہو سکتا ہے، راحت اٹھا سکتا ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی قید نہیں۔ (صفحہ ۲۲۸)

ہر عمل پر آمادہ ہو جانا شرطِ اول ہے

فرمایا کہ یہ طریق بہت ہی نازک ہے۔ اس میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی شان اپنے کمالات سب کو فنا کر دے اور مصلح کی ہر بات اور ہر تعلیم پر عمل کرنے کے لئے اپنے کو آمادہ کر لے۔ اس راہ کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ ایسا بن جائے۔ فرماتے ہیں کہ ۷

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطر ہاست بجائ

شرطِ اول قدمِ آنست کہ مجنوں باشی

ترجمہ: عشقِ لیلیٰ کے راستے میں جہاں جان کے لئے بہت سے خطرات ہیں، اول

شرط یہ ہے کہ مجنوں بن جاؤ۔

حتیٰ کہ جوتیاں کھانے کو تیار ہو جائے اور جوتیاں کھانے کو تیار ہو گیا اس نے گویا جوتیاں کھا ہی لیں اور اس کی اصلاح ہو ہی گئی۔ آمادہ ہونا ہی تو مشکل ہے، اس لئے کہ آمادگی وہی معتبر ہے جو خلوص دل سے ہو اور خلوص دل سے آمادہ وہی ہوتا ہے جو اپنی شان نہیں رکھتا

اور یہی اصل چیز ہے کہ اپنے کو مٹا دے فنا کر دے ورنہ محض جوتیاں کھانے سے کیا ہوتا ہے۔
(صفحہ ۲۳۶)

شیخ کی خدمت میں ایک خاص مدت تک رہنا

فرمایا کہ میں اہل طریق کے لئے ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں کہ ہر کام سہولت سے ہو جائے۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے مقاصد سہولت سے حاصل ہو جاتے ہیں اور یہ موقوف ہے صحبت پر۔ مرید کو شیخ کی خدمت میں ایک مدت خاص تک رہنا ضروری ہے۔ اس سے مقصود میں خاص سہولت ہو جاتی ہے۔ رہا یہ کہ کس قدر مدت میں کام ہو جاتا ہے اس کا تعین مشکل ہے، یہ مناسبت پر موقوف ہے۔ اگر اہل استعداد ہوتا ہے بہت جلد کام ہو جاتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کل پینتالیس روز رہے۔ اس کے بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم دے چکے جو کچھ دینا تھا۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس وقت کا یہ فرمانا حضرت کا کہ ہم دے چکے جو کچھ دینا تھا سمجھ میں نہ آیا کہ کیا دیا مگر پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ دیا تھا۔ پھر اس پر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مزاحاً فرمایا کہ اگر ہم جانتے کہ یہ چیز ہے تو اتنی محنت کیوں کرتے۔ اس پر حضرت والا نے بھی مزاحاً فرمایا کہ مل جانے پر فرماتے تھے ورنہ پندرہ برس تو معلوم ہی ہونے میں لگ گئے۔ (صفحہ ۲۳۷)

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شیخ کے صفات

فرمایا کہ ایک رسالہ میں ایک ایسا جامع مضمون لکھا کہ اگر وہ ذہن میں آجائے تو پھر سارے رسالہ کی ضرورت ہی نہ رہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ میں دین ہونا چاہیئے انبیاء کا سا۔ اور سیاست یعنی داروگیر، محاسبہ، معاقبہ سلاطین کا سا۔ تجویز اطباء کی سی کہ وہ ہر شخص کا جدا علاج جدا جدا تجویز سے کرتا ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شیخ میں انبیاء کا سادین کیسے ہو سکتا ہے۔ فرمایا یہ مراد نہیں کہ اُن کے برابر ہو بلکہ مطلب اخلاص میں تشبیہ ہو یعنی اعمال میں

غوائل دنیا اور نفس کی خواہشوں کی آمیزش نہ ہو۔ یہ مراد ہے۔ جس میں یہ باتیں ہوں وہ شیخ ہو سکتا ہے۔ (صفحہ ۲۴۳)

مسلمانوں کے دوزخ میں جانے کی صورت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ دوزخ میں کفار بھی جائیں گے اور اعمالِ بد کی وجہ سے مسلمان بھی، تو فرق کیا ہوگا مسلم اور کافر کے عذاب میں؟ فرمایا کہ کہنے کی بات تو نہیں ہے مگر آپ نے سوال کیا اس لئے کہنی پڑی۔ مومنین کے بارے میں مسلم شریف کی حدیث ہے اما تھم اللہ امانتہ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہنم میں مسلمانوں کو عذاب کا احساس نہ ہوگا لیکن کفار کے برابر نہ ہوگا۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کلورافارم سُنکھا کر آپریشن کیا جاتا ہے۔ پھر آپریشن کی بھی دو قسمیں ہیں ایک سخت اور ایک ہلکا۔ بعض دفعہ بہت ہی ہلکا آپریشن ہوتا ہے اس لئے ہلکا کلورافارم کافی ہوتا ہے۔ یہی صورت مسلمانوں کے ساتھ دوزخ میں پیش آئے گی۔ عرض کیا گیا کہ حضرت کے یہاں تو بشارت ہی بشارت ہے۔ فرمایا کہ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان صورتِ جہنم میں جائیں گے حقیقتِ جہنم میں نہ جائیں گے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ کفار تعذیب کے لئے جہنم میں جائیں گے اس لئے ان کو عذاب کا احساس شدید ہوگا اور مسلمان محض تہذیب کے لئے جہنم میں جائیں گے، ان کو عذاب کا احساس اس قدر نہ ہوگا۔ جہنم مسلمانوں کے لئے مثلِ حمام کے ہے۔ وہ اس میں پاک صاف کئے جائیں گے تو تکلیفِ حمام کے تیز پانی سے بھی ہوتی ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ مسلمانوں سے وعدہ انقطاع عذاب کا ہے۔ یہ وعدہ عذاب کا زیادہ احساس نہ ہونے دے گا۔ اس کو اس مثال سے سمجھ لیجئے گا۔

جیسے میعادِ قیدی کا ایک وقت آرام کا ہوتا ہے اور ایک وقت کام کا۔ یہ دونوں حالتیں قید ہی میں ہوتی ہیں تو ایک وقت ہلکا ہوا اور ایک وقت بھاری۔ اس سے بھی آگے توسیع کرتا ہوں۔ ایک وقت قید ہی کی حالت میں سونے کا ہوتا ہے جس میں کچھ بھی احساس نہیں ہوتا کہ میں کہاں ہوں اور کیا مجھ پر عذاب ہے، ذرہ برابر بھی محسوس نہیں ہوتا۔ پھر ایک

وقت رہائی کا ہوتا ہے کہ وہ قید خانہ کی کُلفت کو کم کر دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جی ڈرتا ہے، جی چاہتا نہیں ایسی باتیں کہنے کو۔ محض اس خیال سے کہ کہیں لوگ جری نہ ہو جائیں مگر جب حدیث میں ہے کیا اخفا کیا جائے۔ غرض یہ گھڑت نہیں ہے بلکہ نصوص میں ہے اور وہ بھی مسلم میں جو اصح الکتاب ہے۔ (صفحہ ۲۵۳)

سلف کی عظمت سے دین قائم ہے

فرمایا کہ اہل علم کے کام کی ایک بات بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے اس لئے حتی الامکان اُن پر اعتراض و تنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہئے۔ (صفحہ ۲۷۰)

حصول تواضع کا طریقہ

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیسے معلوم ہو کہ مجھ میں تواضع ہے؟ فرمایا کہ اگر یہ خیال ہو کہ مجھ میں تواضع ہے تو یہ کبر ہے۔ اس کے تواضع ہونے کی طرف خیال نہ کرے، اپنے کو مٹاتا رہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بہترین علاج اس کا یہ ہے کہ اپنے امراض و حالات کی اطلاع اپنے شیخ کو دیتا رہے۔ وہ جو تعلیم کرے اس پر عمل کرتا رہے۔ اس کی تعلیم اور اس کے اقوال میں مزاحمت نہ کرے۔ اگر فرضاً اپنے امراض کسی کو معلوم نہ ہوں جس سے اطلاع کر سکے تو وہ فضائل کا اکتساب کر لے جیسے شکر توکل وغیرہ۔ بس کسی نہ کسی طرح لگا رہے۔ ان شاء اللہ ایک روز ایسا آئے گا کہ یہ بالکل رذائل سے پاک و صاف ہو جائے گا۔ اسی لگے رہنے کو فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش و خراش

تا دم آخر دمے فارغ مباش

ترجمہ: اس راستہ میں اُتار چڑھاؤ ہیں، آخر دم تک ایک دم کے لئے غافل نہ

ہو۔ (صفحہ ۲۹۴)

امراض کے علاج کا طریقہ

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ علی التعاقب اپنے امراض کا علاج کرے۔ اس طرح کہ جو اس کے نزدیک اہم ہو اُس کو مقدم کرے۔ اسی طرح ایک ایک کو مصلح سے دریافت کرے۔ جب ایک مرض کے علاج میں رسوخ ہو جائے تو دوسرا شروع کر دے اور اوّل کی مقاومت بھی نہ چھوڑے۔ پھر تیسرا شروع کر دے اور پہلے دو کو نہ بھولے۔ آخری بات یہ ہے کہ امراض کا معالجہ شروع کر دے اور اتفاقی تقصیر پر استغفار کرتا رہے۔ اس فکر میں نہ پڑے کہ کتنا نفع ہوا اور کتنا باقی رہا ورنہ اسی حساب میں رہے گا۔ اس کو چھوڑ کر کام میں لگے اور یوں سمجھے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ روزِ اوّل ہی جیسا اہتمام رکھے اور اپنے کو معالجہ اور استغفار ہی میں ختم کر دے۔ (صفحہ ۲۹۶)

صحیح اللہ کی یاد وہ ہے جو فکرِ اصلاح کے ساتھ ہو

فرمایا کہ بعض لوگ انا جلیس من ذکر نی سے استدلال کرتے ہیں کہ صرف اذکار ہی اصلاح کے لئے کافی ہیں کیونکہ ذکر سے قرب ہوگا اور قرب سے معاصی سے نفرت و اجتناب ہوگا، اور تدابیر کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ذکرِ نی میں خود تدابیرِ اصلاح داخل ہیں تو بدوں معالجہ امراض کے ذکر ہی محقق نہیں۔
دیکھو حصنِ حصین میں ہے کہ

بل کل مطیع اللہ فہو ذاکر

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہی ذکر کرنے والا ہے۔

سنئے ذکر کے معنی ہیں یاد۔ تو یاد تو سب طریقوں سے ہوتی ہے نہ یہ کہ محض زبان ہی سے نام لے لے۔ کیا یہ یاد ہے کہ جس کی یاد کا دعویٰ ہے نہ اُس سے ملے، نہ اُس کا کہنا مانے نہیں یہ ہرگز یاد نہیں۔ تو جو ذکر بدوں اصلاح کے ہو وہ ایسی ہی یاد کی طرح سے ہے۔ (صفحہ ۲۹۷)

والدین اور بچوں کی تربیت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت؛ میرے لڑکے بہت ہی بدشوق ہیں، تعلیم کی طرف اُن کو قطعاً التفات اور رغبت نہیں، اس سے میرا قلب پریشان رہتا ہے۔ فرمایا کہ قلب کے پریشان اور مشوش رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ مومن کو پریشان کرنے والی چیز بجز ایک چیز کے اور کوئی چیز نہیں، وہ حق تعالیٰ کی عدمِ رضا ہے۔ اس سے تو مومن کے قلب میں جتنی بھی پریشانی ہو اور جو بھی حالت ہو وہ تھوڑی ہے اور جبکہ رضا کا اہتمام ہے اپنی وسعت اور قدرت کے موافق تو کوئی وجہ نہیں کہ مومن کا قلب پریشان اور مشوش ہو۔ اس لئے کہ تدبیر ہمارے ذمہ ہے مثلاً تعلیمِ اولاد کے لئے شفیق استاد کا تلاش کر دینا، کاغذ قلم دوات کا مہیا کر دینا، کتابیں قرآن شریف کا خرید دینا اور مزید برآں علم کے منافع اور علمِ دین کے فضائل سنا کر ترغیب دینا، وقتاً فوقتاً نگرانی اور دیکھ بھال کر لینا۔ بس اگر یہ سب کچھ ہے تو ہم صرف اسی کے مکلف تھے، آگے شمرہ کے ہم ذمہ دار نہیں، اس لئے کہ شمرہ کا مرتب ہونا یا نہ ہونا ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اختیاری کاموں کو انسان کر لے اور غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑے۔ بھائی اکبر علی مرحوم بہت ہی دانش مند تھے۔ اپنے بچوں کی تعلیم کے اسباب جمع کر دیے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اسباب سب جمع ہیں، اب یہ پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ تشدد سے کام نہ لیتے تھے اور یہ بھی کہا کرتے تھے اب پڑھیں یا نہ پڑھیں ان کو اختیار ہے، مجھے کوئی حسرت نہیں۔ واقعی بڑے ہی کام کی اور سمجھ کی بات ہے۔ بھائی مرحوم کی باتیں قریب قریب دانش مندی کی ہوتی تھیں۔ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ زیادہ کاوش اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ صاحبِ علم ہونا ضروری نہیں مسلمان ہونا ضروری ہے۔

فرمایا کہ ایک اور تدبیر نافع اس وقت ذہن میں آئی، وہ یہ کہ علماءِ صلحاء کی صحبت میں کبھی کبھی بچوں کو بھیج دیا جائے۔ بجز علماءِ صلحاء کی صحبت سے اتنا ضرور ہو جائے گا کہ دین اور اہل دین سے تعلق اور مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ پہلے بزرگ بچوں کی بیعت کا

اہتمام نہ کرتے تھے لیکن حضورِ مجاہد اکابر کا اُن کو بہت اہتمام تھا۔ (صفحہ ۲۹۸)

ماسوا اللہ سے قلب کو خالی کرنے کا مطلب اور طریقہ

فرمایا کہ یہ قول محققین کا نہیں کہ تمام ماسوا کو دل سے نکال کر تب اللہ کی یاد دل میں جمائے۔ جو ایسا کرتے ہیں سخت دھوکے میں ہیں۔ تمام ماسوا سے قلب کا خالی ہو جانا نہایت مشکل ہے۔ ایسا سمجھنا سخت غلطی ہے۔ اس کی نافع تدبیر یہ ہے کہ جتنا خالی کرتا رہے اُتنا ہی خیر سے بھرتا رہے اور ایسی خیر بہت سی چیزیں ہیں مثلاً دین کے لئے علماء صلحاء سے تعلق اور دوستی سو یہ مضر نہیں بلکہ مقصود کی معین ہیں۔ لوگ ان باتوں کو سمجھتے نہیں۔ ان باتوں کو صاحب بصیرت سمجھتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب سے یہ معلوم ہوا کہ جنت میں دوستوں سے ملاقات ہوگی جنت کی تمنا ہوگئی۔ سو ایسے ہی دوست مراد ہیں۔ (صفحہ ۳۰۱)

وساوس کو دفع کرنے کی طرف متوجہ ہونا مضر ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ وساوس کے دفع کی طرف اگر متوجہ رہے، اس میں کوئی ضرر تو نہیں؟ فرمایا کہ وسوسہ سے قلب کو خالی کرنے کی طرف متوجہ ہونا یہ خود ایک مستقل وسوسہ ہے بلکہ اُس سے بھی زیادہ مضر ہے، اس لئے کہ پہلے جو وساوس قلب میں آ رہے تھے وہ تو محلِ تفصیل ہیں کہ آیا اختیار سے آ رہے ہیں یا بدوں اختیار کے اور اس کی طرف دفع کے لئے متوجہ ہونا قصد سے ہے گو دفع ہی کا قصد ہو مگر توجہ بقصد تو ہوئی، اس لئے ضرر رساں ہوا۔ اس کی مثال بجلی کے تار کی سی ہے کہ اگر دفع کی نیت سے بھی ہاتھ لگائے گا تب بھی وہ لپٹے گا۔ اس کی فکر میں ہی نہ پڑنا چاہیئے۔

مثلاً کسی کے قلب میں کفر کا وسوسہ آئے اور وہ اس کے دفع کی فکر کرے، یہ تدبیر نافع نہ ہوگی بلکہ اس وقت توجہ الی اللہ کر دے یا توجہ الی القرآن کر لے یا توجہ الی الشیخ کر لے یہ تدبیر ان شاء اللہ نافع ہوگی۔ (صفحہ ۳۰۲)

اپنی خواہش کے مطابق اپنی حالت کی طلبِ عبدیت کے خلاف ہے

فرمایا کہ یہ جو آج کل ہر شخص چاہتا ہے کہ جیسی میں چاہوں ویسی میری حالت ہو یہ طلبِ شانِ عبدیت کے خلاف ہے بلکہ یہ ہونا چاہئے کہ جیسا خدا چاہیں (مشیتِ تشریعیہ و رضا) ویسا ہوں، اسی میں بندہ کے لئے رحمت اور حکمت ہے۔ اب رہی یہ بات کہ بندہ کا کیسا ہونا چاہتے ہیں سو خدا کا چاہنا حضور ﷺ کے طریقہ سے معلوم ہوتا ہے اور حضور ﷺ کا طریقہ صحابہ کرام سے معلوم ہوتا ہے اور صحابہ کرام کا طریقہ ائمہ مجتہدین سے معلوم ہوتا ہے اور ائمہ مجتہدین کا طریقہ علماء وقت سے معلوم ہوتا ہے۔ بس اس کا اتباع خدا کے چاہنے کی موافقت ہے اور اس موافقت کے بعد اگر کوئی حالت طبعاً اس کو پسند نہ ہو مگر اس موافقت کے تحت میں ہو تو اُس کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ حالت مبارک حالت ہے کہ اپنے کو پسند نہ ہو خدا کو پسند ہو اور وہ حالت غیر مبارک ہے کہ اپنے کو پسند ہو خدا کو پسند نہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ حالت وہی پسندیدہ اور مطلوب ہے جو حق تعالیٰ کو پسند ہو۔ اسی میں بندہ کے لئے مصلحت اور حکمت ہے اور وہی بہتر بھی ہے۔ حضرت یہاں قیل وقال یا تجویز سے کام نہیں چلتا، تسلیم و رضا درکار ہے۔ فرماتے ہیں۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ

جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

ترجمہ: عقل کو تیز کرنا راہِ سلوک نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کا فضل اُسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو شکستگی اختیار کرتا ہے۔

اور فرماتے ہیں۔

آزمودم عقل دورانِ دلش را

بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ترجمہ: میں عقل دورانِ دلش کو آزمانے کے بعد دیوانہ حق بنا ہوں۔ (صفحہ ۳۰۳)

کیفیات لذیذ ہیں مگر مقصود نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں کہا کرتا ہوں کہ کیفیات اور ذوق گولذیذ ہیں مگر مقصود نہیں البتہ مقصود کے معین ہیں اور مقصود میں لذت ضرور نہیں جیسے حکیم اجل خاں صاحب کے نسخہ پر کسی کو وجد نہیں ہوتا مگر نافع ہے۔ اسی طرح مقصود جو سیدھی سیدھی بات ہوتی ہے اُس میں یہ کیفیات نہیں ہوتیں اور جہاں یہ کیفیات اور شورش ہیں وہ باوجود محمود ہونے کے نفسانی حظ ہے روحانی نہیں اور مقصود میں روحانی حظ ہوتا ہے، مگر لوگ بڑی قدر کرتے ہیں چیخ و پکار کی کود پھاند کی۔ ان کے محمود ہونے میں شبہ نہیں مقصود ہونے میں کلام ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سکون اور اطمینان کی کیفیت راسخ تھی، شورش کا غلبہ نہ تھا اس لئے اس کو سنت نہ کہیں گے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ حضور ﷺ سے کسی امر کا منقول ہونا سنت ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ جو عادت غالبہ ہو وہ سنت ہے اور جو کسی عارض کی وجہ سے صادر ہو گیا ہو وہ سنت نہیں۔ ان کیفیات کی یہ حقیقت ہے کہ ایک شخص کو نماز میں تیس برس تک کیفیت رہی۔ وہ شباب کا وقت تھا، ضعیفی میں وہ کیفیت جاتی رہی۔ تب وہ شخص سمجھے کہ حرارتِ عزیز یہ کے سبب وہ کیفیت ذوق و شوق کی تھی، نماز کی ہوتی تو اب بھی ہوتی۔ اب فرمائیے تیس برس تک اُس کو نماز کی کیفیت سمجھتے رہے۔ اسی لئے اس طریق میں شیخ کامل کی ضرورت ہے۔ تنہا ٹکریں مارنے سے کیا ہوتا ہے اور نفسانی اور روحانی کے معیار کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ افعال اکثر روح کی طرف سے ہوتے ہیں اور انفعالات نفس کی طرف سے۔ (صفحہ ۳۰۴)

تفویض کی حقیقت اور دعا کا وجوب

فرمایا کہ تفویض کے یہ معنی نہیں کہ مانگے نہیں۔ تفویض کے معنی یہ ہیں کہ یہ عزم رکھے کہ اگر مانگنے پر بھی نہ ملا اس پر بھی راضی رہوں گا۔ تفویض کی حقیقت اگر نہ مانگنا ہوتا تو مانگنے کا امر نہ فرمایا جاتا۔ یہ کوئی بہت باریک مسئلہ نہیں ہے۔ مانگنے کے لئے نص موجود ہے البتہ

عین دعا کے وقت بھی اس کا استحضار رہے کہ اگر مانگنے پر بھی نہ ملا تو بس اس پر دل سے راضی رہوں گا۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ بڑے بڑے فضلاء کو شبہ ہو گیا کہ دعا اور تقویض کیسے جمع ہوں گے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ خوب مانگے اور خوب الحاح و زاری کرے۔ مانگنا ہرگز تقویض کے منافی نہیں۔ مانگنے کو کون منع کرتا ہے۔ اپنے بزرگوں کا بھی یہی معمول رہا ہے جو میں اس وقت بیان کر رہا ہوں اور ایک کام کی بات بیان کرتا ہوں جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ اس میں عبدیت زیادہ ہے کہ یہ سمجھ کر مانگے کہ یہ چیز ضرور ہم کو ملے گی اور ضرور ہی دیں گے۔ یہ بھی شان عبدیت کے لئے ایک لازم چیز ہے اور مانگنے کے آداب میں سے ہے۔ آگے ان کو اختیار ہے کہ اگر وہ بندہ کے لئے حکمت اور مصلحت دیکھیں گے عطا فرمادیں گے۔

ایک اور بات بیان کرتا ہوں، مانگنے کے متعلق جب حق تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے تو خود اس کو بھی مقصود سمجھو تو مقصود دو ہوئے، ایک وہ چیز جو مانگ رہے ہو دوسرے خود مانگنا بھی، بلکہ نہ مانگنے پر اندیشہ ہے، اس لئے کہ حکم مانگنے کا تھا اس میں استغنا سے کام لیا۔ بعض لوگ خود دعا کو مقصود سمجھتے ہیں اور حاجت کو مقصود نہیں سمجھتے، یہ غلطی ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ بعد طعام کے دعا میں یہ اضافہ فرمایا کرتے تھے غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا یعنی ہم اس کھانے کو رخصت نہیں کرتے، اس سے مستغنی نہیں اور صد ہا حدیث ہیں جن میں حضور ﷺ سے حاجتیں مانگنا ثابت ہے تو ایسی چیز تقویض کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے۔ مانگنے کو تقویض کے خلاف سمجھنا سخت غلطی ہے گوا جتہادی ہے جس کا سبب غلبہٴ حال ہے۔ (صفحہ ۳۱۰)

مصائب کے وقت بڑے گناہ کو سوچنا

فرمایا کہ ایک خط آیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ میں بہت سوچتا ہوں کہ ایسا کون سا گناہ مجھ سے ہوا کہ جو اس قدر مصائب میں مبتلا ہوں۔ جواب میں فرمایا کہ جب پریشانی نہ تھی اُس وقت نہ سوچا کہ میرا ایسا کون سا عمل صالح تھا جس کی وجہ سے خوش عیش بنا رہا۔ اعمالِ حسنہ کو تو سب کو مقبول ہی سمجھتا رہا اور خوش عیشی میں موثر سمجھتا رہا۔ وہاں نہ سوچا کہ کون سا عمل اس کا سبب ہو گیا تھا اور گناہوں میں امتیاز ڈھونڈتا ہے کہ کون سا گناہ مصائب کا سبب

ہوا۔ لوگ گناہِ صغیرہ کی تو کوئی اصل ہی نہیں سمجھتے حالانکہ وہ صغیرہ کبیرہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے، اپنی ذات میں تو صغیرہ نہیں۔ مثال سے سمجھ لیجئے جیسے چنگاری اس میں کیا چھوٹی کیا بڑی، چھپر پھونک دینے کے لئے تو چھوٹی بھی بہت ہے۔ (صفحہ ۳۱۹)

امراضِ باطنی سے بچنے کی بڑی تدبیر

فرمایا کہ بڑی تدبیر معاصی اور امراضِ باطنی سے بچنے کی بھی یہ ہے کہ کسی کامل کی طرف رجوع کر لے۔ اس کی بتلائی ہو تدابیر پر استقامت کے ساتھ عمل کرے۔ اس تدبیر سے ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں تمام رذائل سے پاک ہو جائے گا اور اعمالِ صالحہ کی توفیق ہو جائے گی۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد

اے خواجہ درد نیست و گر نہ طبیب هست

ترجمہ: ایسا کون ہے جو عاشق ہوا ہوا اور محبوب نے اس کے حال پر عنایت نہ فرمائی ہو۔ میاں درد ہی نہیں ہے ورنہ طبیب تو موجود ہے۔

اور فرماتے ہیں۔

بے عنایتِ حق و خاصانِ حق

گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

ترجمہ: حق تعالیٰ کی اور خاصانِ خدا کی عنایت کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہو تو اس کا بھی

نامہ اعمال سیاہ ہو۔ (صفحہ ۳۲۵)

کون سا مزاح ممنوع ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کتبِ اخلاق میں یہ لکھا ہے کہ لسان کی مزاح سے بھی حفاظت کرو۔ فرمایا کہ ٹھیک تو ہے مگر وہ مزاح مراد ہے کہ جس میں انہماک کا درجہ ہو یا کسی کی تحقیر ہو۔ (صفحہ ۳۲۸)

ایک مصیبت پر تین شکر

فرمایا کہ آج ایک جگہ سے افطار کی دعوت آئی ہے مگر میں معذور ہوں کہیں آنے جانے سے اس آنت کی تکلیف کی وجہ سے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو بڑی تکلیف ہے۔ فرمایا کہ اس سے زائد نہیں یہی محل شکر ہے۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ار

شاد ہے کہ جب مجھ پر کوئی مصیبت آتی ہے تو تین وجہ سے شکر واجب سمجھتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ اس سے زائد نہ ہوئی، دوسرے یہ کہ دین پر کوئی آفت نہ آئی، تیسرے یہ کہ جزع فزع نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے صبر عطا فرمایا۔ فرمایا کہ سبحان اللہ؛ بالکل صحیح ہے۔ (صفحہ ۳۷۸)

سب مسلمان ولی ہیں

فرمایا کہ میرا مذہب یہ ہے کہ سب مسلمان بزرگ ہیں اور ولی ہیں اللہ ولی الذین امنوا سے تمام اہل ایمان کی ولایت عامہ ثابت ہوتی ہے اور بڑا گروہ یہی ہے۔ ان کا نور ایمان اگر ذرہ برابر بھی متمثل ہو جائے تو چاند اور سورج ایک دم اُس کے سامنے ماند ہو جائیں۔ (صفحہ ۳۷۸)

ہر مسلمان میں نورِ ایمان ہے

فرمایا کہ ہر مسلمان میں نورِ ایمان ہے گو اُس کے آثار پورے طور پر ظاہر نہ ہوں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی حسین اپنے چہرہ کو سیاہی مِل لے اور اُس کا حسن مستور ہو جائے مگر جس وقت صابن سے دھوئے گا چاند سا مکھڑا نکل آئے گا۔ ایسے ہی بعض مسلمانوں کا نورِ ایمان بوجہ معصیت کے مستور ہے مگر جس وقت توبہ کرے گا اور کثرتِ استغفار کرے گا ان شاء اللہ تعالیٰ قلب منور نظر آنے لگے گا۔ (صفحہ ۳۷۹)

عقلی محبت کی زیادہ ضرورت ہے

فرمایا کہ زیادہ تر عقلی محبت ہی کی ضرورت ہے۔ اس میں دوام ہے، ثبات ہے،

اختیاری ہے، عجیب چیز ہے عقلی محبت اور عقلی اور طبعی محبت دونوں بھی جمع ہو سکتی ہیں مگر غلبہ عقلی ہی کو ہونا چاہیئے۔ محبت طبعیہ کے غلبہ میں حدود محفوظ نہیں رہتے۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ ایک مرتبہ حضرت نے یہ فرمایا تھا کہ طبیعت کو عقل پر غالب نہ آنے دے اور عقل کو شریعت پر غالب نہ آنے دے۔ فرمایا کہ بالکل صحیح ہے۔ ساری دنیا کے عقلاء حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے تو ڈوب رہے ہیں۔ اس بے خبری میں انہوں نے عقل کو دین پر غالب کر دیا البتہ عقل کو طبیعت پر غالب رکھنا ضروری ہے۔ پس ہمیشہ رہنے کی چیز تو صرف عقل و ایمان ہی ہیں۔ باقی سب میں آمد و رفت رہتی ہے (صفحہ ۴۲۲)

راہِ سلوک میں دو چیزیں نعمت اور دو چیزیں راہزن ہیں

فرمایا کہ حُزن خود ایک نعمت ہے۔ حُزن سے جس قدر جلد سلوک کے مراتب طے ہوتے ہیں اتنی جلدی دوسرے مجاہدہ سے نہیں ہوتے۔ یہ دو چیزیں بڑی ہی زبردست نعمت ہیں۔ ایک فکر دین اور ایک حُزن۔ اور اسی طرح اس راہ میں دو چیزیں سخت راہزن ہیں۔ اُس کی تحقیق صوفیہ نے تصریح کی ہے یعنی نامحرم عورتوں اور امارد کے ساتھ اختلاط۔ حتیٰ کہ نرم گفتگو نامحرم عورت کے ساتھ کرنا بھی راہزن ہے، سم قاتل ہے، باطن جو برباد کر دینے والی چیز ہے۔ (صفحہ ۴۴۳)

دعا سے بڑھ کر کوئی وظیفہ نہیں

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ دنیا کے کام کے واسطے وظیفہ دریافت کیا ہے۔ میں نے لکھ دیا کہ دعا سے بڑھ کر کوئی وظیفہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ عملیات میں ایک شان دعویٰ کی ہوتی ہے اور دعا میں احتیاج اور نیاز مندی کی شان ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ چاہیں گے تو کام ہو جائے گا۔ عملیات میں یہ نیاز و افتقار نہیں ہوتا بلکہ اس پر نظر ہوتی ہے کہ ہم جو پڑھ رہے ہیں اُس کا خاصہ ہے کہ یہ کام ہو ہی جائے گا مگر باوجود اس کے دعا کو لوگوں نے بالکل چھوڑ ہی دیا۔ عملیات کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں دعا کرو، اللہ تعالیٰ سے کیوں مستغنی ہو گئے۔

ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، اُس کی طرف لوگوں کی نظر بہت ہی کم جاتی ہے، وہ یہ کہ اوراد و وظائف دنیا کے کام کے واسطے پڑھو گے تو اس پر اجر نہ ہوگا اور دعا اگر دنیا کے واسطے بھی ہوگی، وہ بھی عبادت ہوگی اور اجر ملے گا۔ (صفحہ ۴۴۷)

شبِ قدر میں تین چیزوں کا اہتمام

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ اس کو شبِ قدر بھی کہتے ہیں۔ اس میں کیا پڑھنا چاہیے؟ فرمایا کہ ایسے موقع پر سلف میں تین چیزیں معمول

تھیں۔ اب لوگوں نے دو کو حذف کر کے ایک پر اکتفا کر لیا ہے۔ وہ تین چیزیں یہ تھیں ذکر، تلاوتِ قرآن، نفل نماز۔ اس میں سے عابدین نے نفل نماز اور تلاوتِ قرآن کو حذف کر دیا یعنی اس میں مشغولی بہت ہی کم ہے۔ بس زیادہ تر ضرریں ہی لگاتے ہیں اور اتفاق سے مجھ کو یہ تینوں چیزیں ایک آیت میں جمع مل گئی ہیں:-

اتل ما اوحی الیک من الکتب و اقم الصلوٰۃ ط ان الصلوٰۃ تنہی
عن الفحشاء والمنکر ط ولذکر اللہ اکبر ط

(صفحہ ۴۵۹)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۲)

ذکر میں پہلا سائزہ نہ ہونا

فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے شکایت کی کہ ذکر میں جو مزہ پہلے آتا تھا اب نہیں آتا۔ میں نے کہا کہ میاں مزہ تو مذی میں آتا ہے یہاں کہاں مزہ ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ جیسے مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی شکایت کے جواب میں فرمایا تھا کہ تم کو خبر نہیں پرانی جو رواں ہوجاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اول میں شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور پھر انس کا اور مزہ شوق میں زیادہ ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت سنا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کورے بدھنے کی کہ اول جس وقت اس میں پانی بھرا جاتا ہے تو بڑا شور سا ہوتا ہے اور بعد میں پرانا پڑنے پر وہ شور نہیں ہوتا بلکہ سکون کا غلبہ ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے رگ وریشے میں پانی سرایت کر چکا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا واقعی عجیب مثال ہے۔ عارفین کو حسن تمثیل کی میراث حضرات انبیاء علیہم السلام سے عطا ہوئی ہے۔ قاضی بیضاوی نے بھی لکھا ہے کہ انبیاء اور حکماء کی باتوں میں مثالیں بہت ہوتی ہیں۔ وہ حقائق کے تطابق پر اور محسوسات سے معانی کی توضیح پر قادر ہوتے ہیں۔ ان کو ایک نور عطا ہوتا ہے جس سے ان کو حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ مسئلہ قدر کی تحقیق کے لئے ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ وہ کھڑا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنا پیر اٹھاؤ، اس نے اٹھا لیا، فرمایا کہ اب دوسرا اٹھاؤ، نہیں اٹھا سکا۔ فرمایا کہ بس اتنا اختیار ہے اور اتنا جبر۔ دیکھئے حسی مثال سے ایک دقیق معنی کو کیا واضح فرمایا۔ سبحان اللہ یہ ہیں علوم۔ (صفحہ ۳۱)

جھوٹ بولنے کا علاج

فرمایا کہ ایک خط آیا تھا، اس میں لکھا تھا کہ مجھ کو جھوٹ بولنے کی عادت ہے۔ میں

نے لکھا تھا کہ اگر سوچ کر بولو تو کیا اس سے بچنا اختیار میں نہیں، کیا تب بھی جھوٹ ہی بولو گے؟ آج پھر اس کا خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ واقعی سوچ کر بولنا جھوٹ کا علاج ہے۔ اب ان شاء اللہ تعالیٰ سوچ کر بولا کروں گا۔ فرمایا کہ حضرت اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ نصف سلوک سے زیادہ ہے اور توسع کر کے کہتا ہوں کہ کل سلوک ہے۔ دعویٰ سے تو نہیں کہتا مگر اکثر یہی کہ جس کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے اکثر صحیح نکلتا ہے اور اس میں دعویٰ کی چیز ہی کون سی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس سے کام لیتے ہیں اس کی مدد فرماتے ہیں۔ (صفحہ ۳۹)

وساوس کا بہترین علاج

فرمایا کہ بہترین علاج وساوس کا یہی ہے کہ ان کی زیادہ پروانہ کرے اور نہ ان کی طرف التفات کرے، اس سے خود بخود دفع ہو جاتے ہیں۔ (صفحہ ۴۰)

محبت کے نہ ہونے پر افسوس ہونا خود محبت ہے

فرمایا کہ محبت نہ ہونا مگر اس پر افسوس ہونا کہ محبت نہیں یہ بھی تو محبت ہے اور اسی سلسلہ میں فرمایا کہ محبت طبعی معین ہو جاتی ہے محبت عقلی کی۔ اس پر سوال کیا گیا کہ اگر دونوں جمع ہو جائیں تو کیا زیادہ فضیلت ہوگی؟ فرمایا کہ ظاہر ہے بلکہ اعمال صالحہ نہایت خوبی اور رغبت سے صادر ہوں گے۔ بس یہ ہے دونوں کے مل جانے کا بڑا فائدہ۔ (صفحہ ۴۵)

حق تعالیٰ کی وسعتِ رحمت

فرمایا کہ کسی کو بھی اپنے اعمال پر ناز نہ کرنا چاہیے۔ قانون سے کسی کو وہاں نجات ہونا ذرا مشکل ہی ہے۔ ہاں رحمت اور فضل پر مدارِ نجات ہے۔ جب رحمت ہوگی تو یہ معاملہ ہوگا کہ فرماتے ہیں

او لئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ سیئات ہمارے وہ اعمال صالحہ ہیں جن کے ہم حقوق ادا نہیں کر سکے تو وہ ہمارے زعم میں حسنات ہیں اور حقیقت میں

سینات۔ میرا ہی خود واقعہ ہے کہ ایک شخص تھے مجھ کو پنکھا جھل رہے تھے، کبھی ٹوپی اڑادی، کبھی ماردیا۔ وہ تو خوش تھے کہ میں خدمت کر رہا ہوں، سو اُن کے نزدیک تو وہ خدمت کامل خدمت تھی مگر میرے دل سے کوئی پوچھتا کہ وہ کیسی خدمت تھی۔ ایسے ہی ہماری نماز ہے، روزہ ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں او لئک یبدل اللہ سیناتہم حسنات (صفحہ ۴۶)

مسلمانوں کی صاف گوئی

فرمایا کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپس میں تعلقات صاف ہوں، کسی بات میں الجھن نہ ہو، نہ ان کو کسی سے تکلیف پہنچے، نہ اوروں کو ان سے تکلیف ہو۔ اگر ملنے کا جی چاہا مل لے، نہ جی چاہا نہ ملے، صاف کہہ دیا کہ فرصت نہیں۔ مسلمان کی تو یہ خوبی ہے کہ ان کی دنیا بھی دین کے رنگ میں ہو۔ (صفحہ ۵۴)

مصائب کے اصل سبب معصیت کا بیان

فرمایا کہ اصل سبب مصائب کا معصیت ہے۔ اب یہ شبہ ہوتا ہے کہ جو معصیت سے اجتناب رکھنے والے ہیں وہ بھی تو مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کے مصائب میں اور ان کے مصائب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ ان مصائب سے پریشان نہیں ہوتے اس لئے وہ حقیقی مصائب نہیں محض صورتاً مصائب ہیں۔ اور وجہ پریشان نہ ہونے کی یہ ہے کہ ان کو حق تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے اور محبت اور عشق وہ چیز ہے کہ تمام تلخیوں کو شیریں بنا دیتی ہے۔ میں اس پر ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ ایک عاشق مدت سے محبوب کی تلاش میں تھے کہ کہیں ملے تو دل ٹھنڈا ہو۔ اس تمنا اور آرزو میں سالہا سال سے گرد چھانتا پھر رہا تھا کہ دفعتاً پشت کی طرف سے ایک شخص نے آکر اور آغوش میں لے کر اس طرح دبایا کہ ہڈی پسلی ایک ہونے لگی اور آنکھیں تک باہر نکل آئیں۔ مگر جب پیچھے نظر کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہی محبوب ہے جس کی ملاقات کی تمنا میں برسوں گلیوں اور جنگلوں کی خاک چھان ماری۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ وہ محبوب اس سے کہے کہ اگر تجھ کو میرے دبانے سے

تکلیف یا ناگواری ہو تو میں تجھ کو چھوڑ کر کسی اور کو جو تیرا قریب ہے جادباؤں۔ صاحبِ واس وقت یہ بجز اس کے اور کیا کہے گا کہ یہ تکلیف نہیں، یہ تو ہزاروں راحتوں سے بڑھ کر راحت ہے۔ گو بظاہر جسم کو تکلیف ہوگی مگر قلب کی یہ کیفیت ہوگی اور بزبانِ حال یہ کہے گا۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگرست

اور یہ کہے گا۔

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاک تیغ
سر و ستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور یہ کہے گا۔

ناخوش تو خوش بود بر جانِ من
دل فدائے یارِ دلِ رنجانِ من

پھر اسی معاصی کے اثر کے سلسلہ میں فرمایا کہ بعض لوگ وہ ہیں جو بظاہر خود تو اعمالِ صالحہ کرتے ہیں اور معاصی سے بچتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کے افعالِ غیر مشروع و معاصی میں بھی شریک رہتے ہیں جو خدا کے نافرمان ہیں، محض اس خیال سے کہ یہ دنیا ہے، اس میں رہتے ہوئے برادری کنبہ کو کیسے چھوڑا جاسکتا ہے اور یہ مقولہ زبان زد ہے کہ میاں دین سے دنیا تھا منا بھاری ہے۔ اور بعض وہ ہیں کہ شریک تو نہیں ہوتے مگر منکرات ہوتے ہوئے دیکھ کر ان منکرات کرنے والوں کے افعال سے نفرت بھی نہیں ہوتی۔ ان میں شیر و شکر کی طرح ملے جلے رہتے ہیں یعنی روزانہ کھانے پینے میں ان سے کوئی پرہیز نہیں کرتے۔ حاصل یہ ہے کہ اپنے کسی برتاؤ سے ان پر اظہارِ نفرت نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کے اعتبار سے اس شبہ مذکورہ کا جواب یہ ہے کہ یہ شرکت یا سکوت خود معصیت ہے تو ان کا ابتلاء بھی معصیت کے سبب ہوگا اور یہ سوال نہ ہو سکے گا کہ غیر عاصی پر بھی مصائب آتے ہیں۔ حضور ﷺ نے حدیث شریف میں امم سابقہ کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ

فلاں بستی کو اُلٹ دو۔ عرض کیا کہ اے اللہ فلاں شخص اس بستی میں ایسا ہے کہ اس نے کبھی آپ کی کوئی نافرمانی نہیں کی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مع اس اُلٹ دو، وہ بھی ان ہی میں سے ہے، اس لئے کہ ہماری نافرمانی دیکھتا تھا اور کبھی اس کے تیور میں بل نہ پڑتا تھا اور اس کی مثال تو دنیا میں موجود ہے۔ جو شخص حکومت اور سلطنت کے باغیوں سے میل رکھتا ہے یا ان کو مدد دیتا ہے وہ شخص بھی باغیوں ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہم جس کے وفادار ہیں، وفاداری اس وقت تک ہے کہ ہم اس کے دشمنوں سے نہ ملیں ورنہ ایسے شخص کو وفادار ہی نہ کہیں گے جو دشمنوں سے ملے۔ یہ تو اجتماعِ ضدین ہے، دونوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں

ایں خیال ست و محال ست و جنوں

(صفحہ ۷۳)

بندہ کی ہمت اور حق تعالیٰ کا جذب

فرمایا کہ بفضلہ تعالیٰ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ہمت کی ضرورت ہے۔ بندہ کا فرض کام شروع کر دینا ہے، اس میں لگ جانا ہے اور وہ صرف اسی کا مکلف ہے۔ پھر چند روز میں ان شا اللہ تعالیٰ سب کچھ ہو رہے گا۔ ہمت تو وہ چیز ہے کہ پہاڑوں کو ہلا دیتی ہے۔ اہل تواریخ نے حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کی ہمت کی ایک حکایت لکھی ہے۔ جس وقت زلیخا نے مکان میں حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کو بلایا ہے تو اس مکان کے یکے بعد دیگرے سات درجے تھے اور ساتوں مقفل کر دیئے گئے تھے اور قفل بھی نہایت مضبوط تھے۔ مکان کو اس قدر محفوظ کر کے تب زلیخا نے اپنی خواہش کا اظہار کیا مگر قوت کے سامنے ایک بھی زلیخا کی نہ چلی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قوت نبوت ہی تھی جو حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کا اتنا قوی توکل رہا ورنہ دوسرے تو سر کے بل آکر گر جاتا۔ غرض مکان سب مقفل، اس میں سے نکل جانے کے لئے کوئی راستہ بظاہر نظر نہیں آتا تھا مگر اللہ رے ہمت اور بھروسہ۔ اس وقت آپ پر یہ حال غالب ہوا کہ مجھ کو اپنا کام کرنا چاہیے، آگے اُن کا کام ہے، ضرور مدد فرمائیں گے۔ غرض

یہ کہ سیدنا یوسف علیہ السلام وہاں سے توکل پر بھاگے اور زلیخا پیچھے دوڑیں۔ جس دروازے پر سیدنا یوسف علیہ السلام پہنچتے تھے پہنچنے سے قبل اس کا قفل ٹوٹ کر کواڑ کھل جاتے تھے۔ ساتوں دروازوں کو اسی طرح پار کر گئے اور عفت اور عصمت کے ساتھ باہر نکل آئے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید

خیرہ یوسف دارے باید دید

اور مشکل کام ہم کو ہی مشکل معلوم ہوتا ہے، باقی ان کے نزدیک تو سب آسان ہے البتہ وہ طلب کو دیکھتے ہیں پھر تو سب کچھ ادھر ہی سے ہو جاتا ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست

با کریمیاں کار ہا دشوار نیست

اور جو لوگ بیٹھے ہوئے نری آرزو اور تمنائیں پکاتے رہتے ہیں وہ اکثر محروم رہتے ہیں۔ غرض ان کی طرف سے کچھ بھی کمی نہیں مگر آپ بھی تو کچھ کیجئے، ذرا حرکت کر کے دیکھئے پھر دیکھئے برکت ہوتی ہے یا نہیں۔ بندہ ذرا بھی حرکت کرتا ہے تو ادھر سے جذب ہوتا ہے، رحمت اور فضل متوجہ ہو جاتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو کوئی بڑے سے بڑا بھی واصل نہیں ہو سکتا کیونکہ بدون اس طرف سے جذب ہوئے یہ مسافت طے ہونا محال ہے۔

پھر اگر اب بھی کوئی محروم رہے تو بجز اس کے کیا کہیں گے کہ اس شخص نے اپنے ہاتھوں اپنی استعداد خراب کر لی جس کی وجہ سے یہ محروم ہے اور خسران اس کی گلوگیر ہے۔ خوب فرماتے ہیں۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر

تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

کون سے امراء کو مرید کرے

فرمایا کہ میں امراء کو مرید نہیں کرتا، اس لئے کہ ان کی تربیت نہیں ہو سکتی۔ تربیت کے لئے ضرورت ہے کہ ڈانٹ ڈپٹ بھی ہو اور نواب یا بادشاہ کب اس کو برداشت کر سکتے ہیں۔ مرید ایسے ہی کو کرے کہ جن کو کم از کم گدھا تو کہہ سکے۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ پھر وہ اس نعمت سے محروم ہی رہیں؟ فرمایا کہ اگر چاہیں تو محروم نہیں رہ سکتے۔ اس کا بھی ایک طریقہ ہے۔ ہر ایک عذر کا جواب اللہ نے دل میں پیدا فرما دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قبل از بیعت اس درجہ کی بے تکلفی پیدا کر لیں پھر بیعت ہوں۔ دیکھو کیسے اصلاح کی جاتی ہے جس سے حکومت اور ریاست سب کو بھول جائیں مگر اکثر وہاں ان چیزوں کی ضرورت بھی کم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ امراء میں سے اکثر فقیروں کے پاس وہی امراء آتے ہیں جو واقعی میں اپنی طبیعت سے فقراء ہی ہوتے ہیں اور یہ ان کی فہم سلیم ہونے کی پہلی دلیل ہے۔ پھر فہم سلیم کے ہوتے ہوئے وہ ایسی بیہودگی اور بے تمیزگی کیوں کریں گے جس سے ایسی سیاست کی ضرورت واقع ہو۔ (صفحہ ۸۸)

انہماک فی الدنیا کا علاج

فرمایا کہ انہماک فی الدنیا نہایت ہی مغبوض چیز ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں
یا ایہا الذین امنوا لا تلہکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ
ترجمہ: اے مسلمانو! تم کو تمہارا مال اور تمہاری اولاد خدا کے ذکر سے غافل نہ کر دے۔

اور بعض بزرگوں نے یہاں تک بیان کیا ہے کہ نفرت عن الدنیا کی غرض سے بھی کبھی اس کی طرف توجہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس میں تو کدورات ہی کدورات ہیں۔ اس کی طرف جس غرض سے بھی توجہ کی جائے ظلمات سے خالی نہیں۔ بس سب میں بہتر نسخہ یہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور کام میں لگا رہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن ایسا آئے

گا کہ قلب سے یہ چیزیں خود بخود کا فور ہو جائیں گی اور حق ہی حق جلوہ گر رہ جائے گا۔ البتہ اگر کسی کی خصوصیت طبعیت کی وجہ سے شیخ قبائح کا مراقبہ تجویز کرے، وہ ضرورت کا موقع اور اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے۔ (صفحہ ۱۰۲)

فراغت کا انتظار شیطان کا دھوکہ ہے

فرمایا کہ لوگوں کہ بھی عجیب حالت ہے۔ چاہتے یہ ہیں کہ کرنا تو کچھ نہ پڑے اور کام سب ہو جائیں۔ اور بعض شب و روز اس انتظار میں رہتے ہیں کہ فلاں کام سے فراغت ہو جائے، فلاں مقدمہ سے نمٹ لیں، فلاں کی شادی سے فارغ ہو جائیں تب خدا کی یاد میں لگیں۔ چونکہ ایسی فراغت میسر نہیں ہوتی اس لئے ایسا شخص کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، محروم ہی رہتا ہے اور ایک دن موت آکر کام تمام کر دیتی ہے۔ یاس اور حسرت کی حالت میں خسران کی گٹھری سر پر رکھے ہوئے اس عالم سے رخصت ہو جاتا ہے۔ کام کرنے کی صورت تو یہ ہی ہے کہ اسی آلودگی کی حالت میں خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اس کی برکت سے فراغ بھی میسر ہو جائے گا۔ تمہارا آج کل کرنا ایسا ہے جس کو فرماتے ہیں۔

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم

باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

ترجمہ: ہر رات یہ ارادہ کرتا ہوں کہ کل اس گناہ کو چھوڑ دوں گا، پھر جب کل کا دن ہوتا ہے تو پھر کل ہی کا ارادہ کرتا ہوں۔

کس کا فراغ اور کس کا انتظار اور دنیا میں رہتے ہوئے کہاں فراغ۔ یہ نفس و شیطان کا ایک برا زبردست کید ہے۔ لوگ رسائی کی تو تمنا کرتے ہیں مگر معلوم بھی ہے کہ رسائی کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں جن میں پہلی شرط یہ ہے کہ تم برے ہو یا بھلے اس طرف متوجہ ہو جاؤ۔ پھر رحمتِ حق تم کو خود بخود جذب کرے گی۔ (صفحہ ۱۰۳)

مسلمان خود خرابیوں کے ذمہ دار ہیں

فرمایا کہ بعضے ہمارے بھائی دوسروں پر الزام رکھتے ہیں کہ فلاں قانون تکلیف کا ہے، فلاں آئین سے نماز کی فرصت نہیں ملتی لیکن اصل یہ ہے کہ سب خرابیوں کے ذمہ دار خود مسلمان ہی ہیں۔ یہ خود ہی احکام سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔ پھر جب خود ہی ان کے قلوب میں احکام شرعیہ کی وقعت و عظمت نہیں اور خود ہی ان کی پابندی و احترام نہیں کرتے تو دوسری قومیں کیا احترام کریں گی اور ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے مثلاً نماز کی پابندی مسلمانوں میں نہیں، داڑھی منڈانا ان کا شعار ہو گیا۔ دوسری قومیں بعض ایسی چیزوں کی پابند ہیں جو بظاہر نہایت دشوار ہیں مگر چونکہ ایک قوم کی قوم اس کی عامل اور پابند ہے اس لئے اس میں کوئی بھی مداخلت نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ حکومت بھی کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرتی۔ دیکھ لیجئے سکھوں کی قوم کو کہ وہ داڑھی رکھنے کے پابند ہیں۔ ان پر نہ پولیس میں نہ فوج میں کوئی بھی اعتراض نہیں کرتا۔ حضرت ہماری شکایت واقعی میں اپنا قصور دوسروں کے سر منڈھنا ہے۔ اگر مسلمان فی الحقیقت مسلمان بن جائیں تو پھر آپ دیکھیں کہ ایک دم کا یا پلٹ ہو جائے اور سب ان کے سامنے سر جھکا دیں۔ (صفحہ ۱۰۵)

خلوت کا خیال اور حضرت گنگوہی کی رائے

فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھ کو خیال ہوا کہ تنہائی ہو اور اللہ اللہ ہو اور اس کے لئے جنگل تجویز کیا گیا کہ ایک جھونپڑی بنا کر اس میں رہوں گا اس لئے کہ بستی میں رہنے سے ہجوم کے سبب دل گھبراتا تھا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال ہوا کہ بدون بزرگوں سے پوچھے کوئی بات کرنا اچھا نہیں۔ میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا۔ حضرت نے اجازت نہ فرمائی دو وجہ سے، ایک تو یہ کہ اس میں شہرت زیادہ ہوگی، دوسرے یہ کہ اپنے بزرگوں کے طریقہ کے خلاف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آنے والے دق کرتے ہیں، کام نہیں کرنے دیتے۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں، اگر ان کی طرف التفات کیا تو اپنا حرج ہوتا

ہے اور اگر التفات نہ کیا جائے تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ سب کو جھاڑو مارو، اپنے کام میں لگے رہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی دل شکنی کو دیکھیں یا اپنی دین شکنی کو۔ بزرگوں کے مشورہ میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ (صفحہ ۱۰۹)

ہر غصہ تکبر کی وجہ سے نہیں ہوتا

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کیا غصہ تکبر کی وجہ سے آتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ حضور ﷺ کو بھی غصہ آتا تھا تو کیا نعوذ باللہ وہاں بھی یہی منشاء تھا۔ کبھی غیرت اس کا منشاء ہوتا ہے دینی یا دنیوی، کبھی طبعاً ضعف تحمل اس کا سبب ہوتا ہے۔ ان دونوں میں کبر کا کوئی دخل نہیں۔ البتہ اگر اس غصہ کی اقتضاء پر اس طرح عمل کیا جائے کہ وہ حد شرعی سے گذر جائے وہ تکبر ہے۔ باقی امور طبعہ میں انسان معذور ہے۔ (صفحہ ۱۲۱)

اجزائے دین کی حفاظت کا اہتمام

فرمایا کہ فضولیات میں لوگ بکثرت مبتلا ہیں۔ ایک صاحب نے لکھا کہ کیا مولوی ابوالخیر صاحب سے تمہاری کوئی گفتگو ہوئی جس میں وہ عاجز ہو گئے؟ اس کو ضرور تحریر فرمائیں۔ میں نے لکھا تم کو اگر وہ گفتگو نہ معلوم ہو تو کیا کچھ ضرر ہے؟ اس پر جواب میں لکھتے ہیں کہ اس سوال میں میرے نزدیک اہمیت ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے۔ میں نے جواب میں اس پر یہ اضافہ لکھا کہ ہاں اس لئے کہ تمہاری ایسی بیہودہ درخواست پر نکیر کرتا رہوں۔ اگر میں وہ گفتگو لکھ دیتا تو وہ خدا جانے اس سے کیا نتائج نکالتے۔ اسی طرح ایک شخص نے سوال کیا (بے لکھا پڑھا آدمی تھا) کہ اگر طالب اپنے شیخ کی صورت کا تصور کیا کرے تو یہ کیسا ہے؟ میں نے لکھا کہ یہ مشغلہ مقصود بالذات ہے بلکہ جس طرح جہلاء میں متعارف ہے وہ تو مقصود بذات ہے۔ نہ معلوم لوگوں کو ان فضولیات اور خرافات میں کیا لطف آتا ہے۔ یونہی بیہودہ بیکار وقت کھوتے ہیں، کام کی ایک بات نہیں۔ ایک بزرگ نے بلا ضرورت کسی کوئی سوال کر لیا تھا، اس پر تنبیہ ہوئی، تیس برس تک روتے

رہے کہ میں نے کیوں فضول سوال کیا۔ بڑی ضرورت ہے صحبتِ کامل کی۔ بدون اس کے دین کی حفاظت مشکل ہے۔ خود حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس حفاظت کا کس قدر اہتمام تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے روز نیا کرتے پہنا، پھر قینچی لے کر کلائی پر سے آستین کاٹ ڈالی۔ کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ محض اس لئے کاٹ دی کہ میں اس کو پہن کر اپنی نظر میں اچھا معلوم ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ مشک لئے ہوئے گھروں میں پانی بھرتے پھر رہے ہیں۔ پوچھنے پر فرمایا کہ رومی قاصد نے میرے عدل کی مدح کی تھی، اس کا علاج کر رہا ہوں۔ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان ہاتھ میں لئے اور مارتے دیکھا اور پوچھنے پر فرمایا کہ هذا اور دنی الموارد۔

آخر یہ کیا چیز ہیں۔ اگر صحابہ سے یہ چیزیں منقول نہ ہوتیں تو خشک لوگ یہ کہتے کہ ان صوفیوں کو جنون ہو گیا ہے اور ان کو تو اب بھی کہتے ہیں۔ اتنا اہتمام تھا حضراتِ صحابہ کو جب کامیابی ہو سکی۔ اب اس کی وجہ ذرا وہ لوگ بتلائیں جو اس طریق کو بدعت کہتے ہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ ہم نے امراضِ نفسانی کو پہچانا ہی نہیں۔ اگر پہچانتے تو کچھ اہتمام تو کرتے۔ (صفحہ ۱۲۲)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۳)

نفلی عبادات میں کمی زیادتی شیخ کے مشورہ سے ہونی چاہیے

فرمایا کہ تلاوت قرآن اور کثرت نوافل سب سے افضل عبادت ہے اور یہ مقاصد ہیں۔ ان ہی دو چیزوں کی صلاحیت کے لئے طریق میں ذکر و شغل کی تعلیم ہوتی ہے اور وہ سب مقدمات ہیں اور ان میں شیخ کی بھی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ اس میں بعض اوقات کچھ خطرات بھی پیش آتے ہیں اور مقاصد میں کوئی خطرہ نہیں۔ پھر یہ دونوں ذکر اللہ پر بھی مشتمل ہیں۔ ان دونوں کی بھی روح اعظم ذکر ہی ہے وہ خود ان میں مضمر ہے۔ باقی مستقل اذکار مثلاً سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ ان سب سے تلاوت قرآن و نماز افضل ہے۔ نماز اور قرآن کی آج کل کے اکثر مشائخ کے دل میں وقعت و عظمت نہیں۔ تمام زور ذکر پر دیا جاتا ہے حالانکہ ان میں ایک اور لطیف فرق بھی ہے۔ وہ یہ کہ جب کوئی زیادہ ذکر کرتا ہے اس میں عجب پیدا ہو جاتا ہے اور نماز اور تلاوت قرآن سے عجب کم پیدا ہوتا ہے۔ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ اکثر عوام ذکر کو خواص کا فعل سمجھتے ہیں اور نماز و تلاوت قرآن کو عوام کا فعل سمجھتے ہیں۔ تھوڑی سی دیر بیٹھ کر ذکر کر لیا لا الہ الا اللہ یا اللہ اللہ بس خواص میں داخل ہو گئے۔ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایسی حالت میں ذکر و شغل چھوڑ دینا چاہیے مگر یہ سب امور شیخ کی تجویز پر موقوف ہیں کہ کس وقت کیا مناسب ہے۔ چنانچہ بعض اوقات وہ یہ مشورہ دے گا کہ خاص ہیئت سے بیٹھ کر ذکر نہ کیا جاوے، چلتے پھرتے پڑھ لیا کرو کیونکہ اس طور سے کوئی تم کو ذاکر نہ سمجھے گا۔ یہ گردن جھکا کر بیٹھنا اور ادھر ادھر گردن ہلانا اس سے لوگ ذاکر سمجھتے ہیں۔ غرضیکہ ہر حالت میں شیخ کامل کی ضرورت ہے۔ اپنے کو اس کے سپرد کر دینے کے بعد مطمئن ہو جانا چاہیے۔ (صفحہ ۳۸)

صحبت کا اثر تابع پر ہوتا ہے متبوع پر نہیں

فرمایا کہ امراء کے پاس بیٹھ کر قلب میں دین کا اثر کمزور ہو جاتا ہے اور دنیا کا اثر قوی ہو جاتا ہے اور یہ اثر اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کے پاس تابع بن کر جاتے ہیں اور جو شخص کسی کے پاس قصد کر کے جائے گا اس پر اُسی کا اثر ہوگا۔ چنانچہ اگر امراء قصد کر کے اہل دین کے پاس آئیں تو ان پر دین کا اثر ہوگا اور اگر اہل دین امراء کے پاس قصد کر کے جائیں گے ان پر دنیا کا اثر ہوگا۔ غرض اثر تابع پر ہوا کرتا ہے، متبوع پر اثر نہیں ہوا کرتا۔ یہی قاعدہ صحبت بد نیک کا ہے۔ اگر بد آدمی نیک کی صحبت اختیار کرے یعنی تابع بن کر اس کے پاس رہے تو اس پر اثر ہوگا اور دین پیدا ہوگا اور اگر نیک آدمی بد صحبت اختیار کرے اور تابع بن کر اس کے پاس رہے تو اس پر اثر بدی کا ہوگا۔ (صفحہ ۴۱)

سماع سے متعلق ایک جاہل صوفی کا سوال اور اس کا جواب

فرمایا کہ ان جاہل صوفیوں کی بدولت طریق بدنام ہو گیا ورنہ طریق بالکل بے غبار اور واضح ہے۔ اس پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص صوفی الہ آباد میں ملے۔ وہ صاحب تصنیف تھے۔ انہوں نے مجھ سے سماع کے متعلق سوال کیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ بتلائیے اس طریق کی روح کیا ہے جو حاصل ہے سلوک کا؟ کہا کہ مجاہدہ۔ میں نے کہا کہ مجاہدہ کی کیا حقیقت ہے؟ کہا کہ نفس کی مخالفت۔ میں نے کہا کہ اب یہ بتلاؤ کہ تمہارا نفس سماع کو چاہتا ہے یا نہیں؟ کہا کہ چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارا نفس بھی چاہتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ تم نفس کا چاہا ہوا کرتے ہو اور ہم نہیں کرتے تو اس حالت میں صاحب مجاہدہ تم ہوئے یا ہم، درویش تم ہوئے یا ہم، صوفی تم ہوئے یا ہم۔ چپ رہ گئے اور کچھ سکوت کے بعد کہا کہ آج غلطی پر تنبیہ ہوا اور سمجھ میں آ گئی۔ پھر تائب ہو گئے۔ (صفحہ ۷۱)

دعا میں جی نہ لگنا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دعائیں جی نہیں لگتا۔ فرمایا کہ جی نہ لگنے کی اصل

وجہ یہ ہے کہ اس کا اثر فوراً نظر نہیں آتا مثلاً کوئی دعائیں روپیہ مانگے اور فوراً بکھن ہونے لگے یا سیب مانگے اور فوراً آپڑے پھر دیکھیں کیسے جی نہ لگے۔ بس جی نہ لگنا مترادف اس خیال کا ہے کہ اس کو کچھ ملے گا نہیں سو یہ خیال خود محرومی کی دلیل ہے۔ مانگنے کے وقت تو یہ استحضار ہونا چاہیئے کہ ضرور دیں گے۔ باقی دینے کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ ہم سے جو کوئی خیر طلب کرتا ہے ہماری رحمت خاص اس طرف متوجہ ہو جاتی ہے تو دعا کا اثر رحمت خاصہ ہے نہ کہ خاص قیودِ مطلوبہ مثلاً کسی سائل نے کسی سے روپیہ مانگا اور اس نے اثر فی دے دی جن کی وہ قیمت نہیں جانتا تو اس کی غلطی ہوگی کہ روپیہ ہی کیوں نہ ملا تو جیسے وہاں حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے نہیں سمجھا کہ روپیہ کے بجائے اس سے زیادہ قیمتی چیز یعنی اثر فی مل گئی ایسے ہی یہاں حقیقت نہ سمجھنے کی بدولت اپنے کو محروم سمجھتا ہے مثلاً مانگے تھے سو روپے مگر دونوں کی توفیق ہوگئی تو یہ کیا کچھ کم رحمت ہے مگر یہ سمجھتا ہے کہ میری درخواست منظور نہیں ہوئی۔ (صفحہ ۷۲)

معاصی سے نفرت

فرمایا کہ معاصی سے تو نفرت ہونا چاہیئے مگر معاصی سے نفرت نہ ہونا چاہیئے۔ حاصل یہ کہ فعل سے نفرت ہو فاعل سے نفرت نہ ہو۔ جیسے حسین اپنے منہ کو کاکل لے لے تو کاکل کو تو برا سمجھیں گے مگر اس کو گورا ہی سمجھیں گے۔ اسی طرح مومن میں برائی عارضی ہے اس لئے اس کو حقیر نہ سمجھیں۔ ہاں برے فعل کو برا سمجھیں۔ (صفحہ ۱۱۶)

عند اللہ محبوب ہونے کا مراقبہ

فرمایا کہ جب بندہ نافرمانی کرتا ہے تو آسمان کہتا ہے کہ میں اس پر گرجاؤں، زمین کہتی ہے کہ میں اس کو نگل جاؤں، فرشتے کہتے ہیں کہ ہم اس کو ہلاک کر دیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے اس کو نہیں بنایا اس وجہ سے ایسا کہتے ہو۔ میں نے بنایا ہے، اس کی قدر میں جانتا ہوں۔ کس قدر رحمت ہے اور اپنے بندوں سے کس قدر محبت ہے۔ میں نے تو ایک مرتبہ اس سے استنباط کر کے دوستوں سے کہا بھی تھا کہ عند اللہ اپنے محبوب ہونے کا مراقبہ کیا

کرو، اس سے بڑا نفع ہوگا کیونکہ اس کی خاصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت تمہارے دل میں پیدا ہو جائے گی۔ پھر یہی ایک مراقبہ میں نے ایک کتاب میں بھی دیکھا، ایک بزرگ نے بھی یہی لکھا ہے۔ اس وقت دیکھ کر بڑا جی خوش ہوا کہ جو چیز قلب میں آتی ہے الحمد للہ اس کی تائید بزرگوں سے بھی نکل آتی ہے۔ میں اتنی قید اس مراقبہ میں اور لگایا کرتا ہوں کہ صاحب مراقبہ شریف طبیعت کا ہو ورنہ برا اثر قبول کرے گا کہ عجب و ناز اور قطل پیدا ہو جائے گا۔ (صفحہ ۱۴۲)

اعمال مقصودہ کی کیفیات بہت پختہ ہونی ہیں

فرمایا کہ اعمال مقصودہ کی اتباع پر جو روحانی کیفیات ہوتی ہیں وہ اس قدر لطیف ہوتی ہیں کہ ان کا ادراک ہر شخص نہیں کر سکتا۔ اس لئے اکثر کیفیاتِ نفسانیہ کے طالب رہتے ہیں۔ کیفیاتِ روحانیہ کی قدر نہیں کرتے۔ ایسے شخص کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے دیوبند میں ایک رئیس کے یہاں شادی تھی۔ اس میں کچھ بیگاری چمار بھی بلائے گئے تھے اور ان کو علاوہ اور کھانوں کے فیرینی کی رکابیاں بھی دے دی گئی تھیں۔ تو ان کو کچھ کر ایک چمار کیا کہتا ہے کہ سمجھ میں نہیں آیا، یہ تھوک سا ہے (کیا ہے)۔ یہ قدر کی فیرینی کی۔ ایسے ہی ان کیفیات کی قدر جو کہ اعمال مقصودہ سے ہوتی ہیں، ان ناواقفوں کے نزدیک ایسی ہے جیسے چمار نے فیرینی کی قدر کی تھی البتہ اگر سیر بھر گڑ کا ڈالا اس کو دے دیا جاتا تو خوش ہو جاتا۔ اسی طرح کیفیاتِ روحانیہ کو ناواقف لوگ کیفیات ہی نہیں سمجھتے حالانکہ اصل کیفیات یہی ہیں۔ دیکھئے اس کے متعلق میں عرض کرتا ہوں کہ ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور کوئی شخص اس سے یہ کہے کہ مثلاً عصر کی نماز چھوڑ دے اور ایک لاکھ روپیہ لے لے مگر وہ نماز نہیں چھوڑے گا اور ایک لاکھ روپیہ نہ لے گا بلکہ یہ کہے گا کہ اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی دو تب بھی نماز نہ چھوڑوں گا۔ ایک شخص ہے کہ حق تعالیٰ کی راہ میں جان دینی پڑ جائے وہ اس سے دریغ نہیں کرتا۔ اگر یہ کیفیات نہیں تو اور کیا ہیں کہ جس کے سامنے جان و مال کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا۔ یہ تقاضا، یہ بختگی، یہ عزم کس چیز کا اثر ہے حتیٰ کہ ساری دنیا بھی اگر اس کے خلاف پر مجبور کرے

وہ مجبور نہیں ہوتا۔ اس حالت میں اس کو ایک حظ ہوتا ہے، لذت ہوتی ہے۔ ہفت اقلیم کی سلطنت اس کے سامنے گرد ہو جاتی ہے۔ یہ سب کیفیت ہی کے تو کرشمے ہیں اور یہ نعمت بعض احکام کے اعتبار سے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان میں موجود ہے۔ اس کی قدر کرنی چاہیے۔ یہی حالت ہر حکم میں ہو جاوے یہی کمال مقصود ہے جو کالمیلین کو عطا ہوتی ہے۔ (صفحہ ۱۶۹)

خوش لباسی کی حدود

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اچھے کپڑے پہننا اور خوش لباس رہنا کیا شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔ فرمایا کہ کون منع کرتا ہے۔ شریعت نے تنگی نہیں کی۔ اگر ریاد فخر نہ ہو تو آسائش کی اجازت ہے بلکہ آسائش سے آگے بڑھ کر آرائش کی بھی ممانعت نہیں کی۔ اگر ریاد فخر کا مرض نکل جائے تو اس کی اجازت ہے کہ راحت کا بلکہ تجل کا بھی سامان کریں۔ ہاں یہ شرط ہے کہ جاہ کے لئے نہ کیا جائے۔ (صفحہ ۱۸۳)

سیاست اور اسلام

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر ایک شخص سیاست کا ماہر ہے مگر ہے کافر، اگر سیاست میں اس کی اقتداء کر لی جائے کیا حرج ہے؟ فرمایا کہ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ اگر کافر نماز خوب جانتا ہو اور مسلمان نہ جانتا ہو تو کیا اس کافر کی اقتداء جائز ہے۔ شبہ کا منشا یہ ہے کہ سیاست کو لوگ دین نہیں سمجھتے۔ خود یہی سخت غلطی اور جہل اعظم ہے۔ سیاست بھی تو دین ہی ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اسلام نے سیاست کی تعلیم نہیں کی۔ سو یہ کتنی بڑی تحریف ہے۔ پھر دین میں کافر کی اقتداء کرنا کیا معنی۔ نیز کیا اس میں اسلام اور مسلمانوں کی اہانت نہیں ہے اور کیا کوئی شخص کہیں یہ بات دکھلا سکتا ہے کہ اس طرح سے اسلام اور مسلمانوں کی اہانت کرنا اور ان کو ذلیل کرنا جائز ہے اور کیا مسلمانوں میں ایسا کوئی نہیں کہ وہ سیاست جانتا ہو۔ البتہ اس طریق سے ان کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں کہ کافر تابع ہوں اور مسلمان متبوع اور یہاں بالکل عکس ہے کہ مسلمان تابع ہیں اور کافر متبوع۔ (صفحہ ۱۸۴)

آمدنی اختیار میں نہیں مگر خرچ اختیار میں ہے

فرمایا کہ ایک مہتمم مدرسہ کا خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ خرچ مدرسہ کا بڑھا ہوا ہے اور آمدنی ہے نہیں، سخت پریشانی ہے۔ فرمایا کہ میں تو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ اس کی وحی تو ہوئی نہیں کہ فلاں خاص بیگانہ پر ہو تو مدرسہ کہلائے گا ورنہ نہیں۔ ارے بھائی کام کم کر دو خرچ خود کم ہو جائے گا۔ اور اگر بالکل بھی آمدنی نہ ہو مدرسہ بند کر دو۔ کوئی فرض نہیں، واجب نہیں اور ظاہر ہے کہ آمدنی کا ہونا تو اختیاری بات نہیں مگر خرچ کا کم کر دینا اختیاری بات ہے۔ ایک رئیس تھے میرٹھ میں، انہوں نے بڑے کام کی بات کہی تھی کہ لوگ عموماً آمدنی بڑھانے کی فکر کرتے ہیں جو غیر اختیاری ہے، خرچ گھٹانے کی فکر نہیں کرتے جو اختیاری ہے۔ واقعی بڑے کام کی بات کہی۔ (صفحہ ۱۹۳)

تصوف کا عطر خوف، رجاء اور محبت ہیں

فرمایا کہ میں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ دیکھا ہے جو عطر ہے تمام طریق کا۔ میں اس کو اس لئے بیان کرتا ہوں کہ اس سے میرے دوست کام لیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آدمی تین چیزیں اختیار کر لے، بس کافی ہیں۔ ایک خوف، دوسری رجاء، تیسری محبت۔ یہ سب سنت کا رنگ ہے۔ خوف سے تو یہ ہوگا کہ گناہ نہ ہوں گے اور رجاء سے یہ ہوگا کہ طاعت کی رغبت ہوگی اور محبت سے یہ ہوگا کہ تکلیف برداشت کرے گا جو امور غیر اختیار یہ ہیں جیسے حوادث و مصائب وہ تو محبت کی وجہ سے برداشت کر لے گا اور جو امور اختیار یہ ہیں جیسے طاعات یا معصیت ان میں خوف اور رجاء سے کام ہو جائے گا۔ اگر آدمی کچھ بھی نہ کرے یہ تین باتیں اختیار کر لے، بس کافی ہیں۔ خواجہ صاحب نے کیا اچھی بات فرمائی۔ آخر بڑے ہیں، کسی وجہ سے تو بڑے ہیں۔ بس یہی باتیں ہیں بڑے ہونے کی۔ میرا اس ملفوظ سے آج بڑا ہی جی خوش ہوا کیونکہ ایک ضرورت ہے گناہ سے بچنے کی، اس کے لئے خوف ہے۔ ایک ضرورت ہے طاعات کی، اس کے لئے رجاء ہے۔ اور ایک ضرورت ہے معصیت اور تکلیف کے وقت ثابت قدم رہنے کی، اس کے لئے محبت ہے۔ مجھے تو یہ ملفوظ دیکھ کر معلوم ہوا کہ جیسے بڑی دولت نصیب ہوگئی۔ (صفحہ ۲۲۵)

ذلت اور تواضع کے درمیان فرق

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ذلت اور تواضع کے درمیان کیسے فرق معلوم ہو کہ یہ ذلت ہے اور یہ تواضع؟ فرمایا کہ تواضع کی حقیقت سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد ذلت کا درجہ خود سمجھ آ جائے گا۔ تواضع کی حقیقت ہے اپنے کو حالاً یا مالاً سب سے کمتر سمجھنا مثلاً کسی کا فرکی نسبت اگر یہ سمجھے کہ یہ برا ہے اس اعتبار سے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن مال کی کیا خبر ہے تو یہ تواضع مامور بہ ہوگئی اور یہ سمجھنا اعتقادی تواضع ہے اور عملی تواضع یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی کی تحقیر نہ کرے۔ یہ حقیقت ہے تواضع کی۔ (صفحہ ۲۳۵)

توسل کی حقیقت کا انکشاف

فرمایا کہ مجھ کو توسل کی حقیقت معلوم نہ تھی۔ سوال کرنے سے بھی مقصود حاصل نہ ہوا۔ ایک روز دفعۃً قلب پر اس کی حقیقت وارد ہوگئی۔ وہ یہ کہ حدیث میں ہے المرء مع من احب۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقبولین کے ساتھ محبت اور تعلق رکھنے سے رحمتِ خاص کا وعدہ ہے۔ پس کسی صالح سے توسل کا حاصل یہ ہوا کہ اے اللہ مجھ کو فلاں شخص سے تلبس ہے اور اس تلبس پر آپ کا رحمتِ خاص کا وعدہ ہے پس میں اس رحمتِ خاص کا سوال کرتا ہوں۔ اور جس جگہ یہ بات سمجھ میں آئی تھی وہ جگہ بھی یاد ہے۔ اس وقت اس قدر خوشی ہوئی تھی کہ اگر دس ہزار روپیہ بھی ملتا تو اتنی خوشی نہ ہوتی اور توسل بالا اعمال کی بھی ذرا تغیر الفاظ کے ساتھ یہی حقیقت ہے کہ فلاں عمل سے آپ کو محبت ہے اور اس عمل پر رحمتِ خاص کا وعدہ ہے اور ہم کو اس عمل سے صدور کا تلبس ہے۔ اب ہم اس رحمتِ خاص کا سوال کرتے ہیں۔ (صفحہ ۲۴۰)

بے تکلفی اور بے ادبی میں حفظِ حدود

فرمایا کہ تکلف تو کسی کے ساتھ بھی نہ ہونا چاہیے۔ باقی بڑوں کے ساتھ گو تعظیم نہ ہو مگر ادب ضرور ہونا چاہیے۔ ایسا بے تکلف ہو جانا جو مساوات کا رنگ پیدا کرے یہ بے تکلفی نہیں گستاخی ہے اور اتنا بے تکلف ہو جانا جو بے ادبی کے درجہ میں پہنچ جائے کبر سے ناشی ہے

اور حالاً دوسروں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ مجھ کو اس قدر قرب حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں، اس لئے اس کا منشاء کبر ہے۔ (صفحہ ۲۵۳)

انسان کا کام صرف طلب ہے

فرمایا کہ حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔ انسان کا کام صرف یہ ہے کہ لگا رہے، جو کچھ ہو سکے کرتا رہے۔ وہ طلب کو دیکھتے ہیں۔ اگر ادھر سے طلب ہے تو ادھر علم بھی ہے، قدرت بھی ہے، رحمت بھی ہے، اس لئے سب کچھ عطا ہو رہے گا۔ (صفحہ ۳۰۵)

ازالہ شبہات کا طریقہ

فرمایا کہ دو چیزیں ہیں، اگر انسان کے اندر پیدا ہو جائیں پھر کبھی شبہات پیدا نہیں ہو سکتے۔ ایک عظمت اور ایک محبت۔ شبہات کا پیدا ہونا خود دلیل ہے عدم محبت اور عدم عظمت کی۔ باقی بدون محبت و عظمت کے محض سوالوں سے یا تحقیقات سے کبھی شبہات کا ازالہ نہیں ہوا کرتا۔ سو قطع و ساوس اور قطع شبہات کا یہ طریقہ ہی نہیں۔ اب سوال ہوتا ہے کہ پھر اس محبت اور عظمت کا کیا طریقہ ہے تو عرض کرتا ہوں کہ وہ طریقہ اہل محبت کی صحبت ہے اور بعد تجربہ کے اس میں کوئی شبہ نکال ہی نہیں سکتا۔ (صفحہ ۳۰۵)

اہل اللہ کی صحبت حاصل کرنے کا طریقہ

فرمایا کہ اگر اتنا وقت نہ ہو کہ اہل اللہ کی صحبت میں رہ سکے تو کم از کم ان سے خط و کتابت ہی رکھے اور جب کبھی موقع مل جائے دو چار ہی روز کے لئے کیوں نہ ہو اس میں ان کے پاس رہ جایا کرے اور بزرگوں کے حالات کا مطالعہ کرتا رہے۔ غرض کوئی کام ایسا نہیں جس کی راہ نہ ہو مگر کام کرنے والا چاہئے تو سب راہیں نکل آتی ہیں۔ (صفحہ ۳۰۵)

حقیقی ادب کیا ہے

فرمایا کہ اس طریق کا مدار زیادہ تر ادب پر ہے۔ ریاضت نہ ہو مجاہدہ نہ ہو مگر کم از کم ادب تو ہو۔ اور ادب تعظیم و تکریم، دست بوسی، جھک کر سلام کرنے اور پچھلے پیروں سے ہٹنے کا

نام نہیں ہے۔ ادب حقیقی یہ ہے کہ کسی کو اذیت نہ پہنچے، تکلیف نہ پہنچے۔ (صفحہ ۳۱۸)

محبت اور عشق کے ساتھ صحبتِ کامل ضروری ہوتی ہے

فرمایا کہ نری محبت اور عشق سے کام نہیں چلتا جیسے انجن کہ اس میں نری آگ ہونے سے کام نہیں چلتا۔ انجن میں آگ تو رہے مگر یہ بھی شرط ہے کہ اس کو پیچھے نہ لے جائے، سیدھا آگے کو لے جائے۔ اسی کے لئے صحبتِ کامل کی ضرورت ہے۔ وہ اس فن کا ماہر ہوتا ہے۔ مشتبہ مواقع میں حقیقت کو جانتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے جس وقت فارس کے خزانہ پیش کئے گئے تو آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کا ارشاد ہے

زین للناس حب الشهوات

تو ان چیزوں کی محبت فطری ہے، اے اللہ ہم اس کا زالہ نہیں چاہتے اور ان کا یہ قول بڑے عارف ہونے کی دلیل ہے کیونکہ جب یہ فطری ہے تو اس کے پیدا کرنے میں مصلحت ہے تو اس کا ازالہ خلافِ حکمت ہوگا اس لئے گو وہ محبت رہے مگر اے اللہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ محبت آپ کی محبت میں معین ہو جائے۔ کتنے بڑے کام کی بات ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اخلاقِ رذیلہ امورِ فطریہ ہیں، ان کے ازالہ کی ضرورت نہیں امالہ کی ضرورت ہے مثلاً بخل ہے تو یہ اپنی ذات میں مذموم نہیں، اگر مصرفِ صحیح میں اس کا استعمال ہو تو محمود بھی ہے مثلاً کسی نے زکوٰۃ دینے میں بخل کیا تو یہ مذموم ہے اور اگر معصیت کے لئے کسی نے روپیہ مانگا اور اس کو نہ دیا تو یہ بھی لغتہً بخل ہی ہے مگر محمود ہے کیونکہ غیر مصرف میں صرف نہیں کیا۔ (صفحہ ۳۳۰)

دوستوں کے ساتھ صبر و تحمل نہ کرنا

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ دشمن کے ساتھ صبر و تحمل کرنا کمالات میں سے ہے مگر دوستوں کے ساتھ صبر و تحمل کرنا جبکہ اس سے ان کا دینی ضرر ہو عیوب میں سے ہے۔ اس سے وہ جہل اور غلطی میں مبتلا رہیں گے اور اس غلطی میں مبتلا رہنے سے ان سے کدورت اور انقباض بھی پیدا ہوگا۔ صورت دیکھتے ہی خیال ہوگا کہ پھر ستانے کو آئے

ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ دوستوں سے کبھی تخیل نہ کرے۔ ان کی غلطیوں پر متنبہ کر دینا ہی دوستی اور موجب بقاء تعلق ہوگا اور یہ امور علم معاملات میں سے ہیں، یہ اسرار نہیں البتہ امورِ مکاشفہ اسرار ہیں۔ اس لئے اگر امورِ معاملہ کو چھپائے تو خیانت ہے اور امورِ مکاشفہ کو اگر ساری عمر بھی ظاہر نہ کرے تو کوئی مضرت نہیں۔ ان پر کسی مقصود کا مدار نہیں۔ (صفحہ ۳۳۲)

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا

فرمایا یہ اعتراض کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا محض غلط ہے۔ اس وجہ سے کہ اسلام میں اول جزئیہ کا حکم ہے۔ جب جزئیہ قبول کر لیا اب تلوار مسلمان نہیں اٹھا سکتا۔ اور اس سے بھی قطع نظر کی جائے تو قابلِ غور ہے کہ اسلام نے مخالفین کے ہاتھ میں ایک بہت بڑی ڈھال دے رکھی ہے۔ وہ یہ کہ جب کوئی کلمہ پڑھ لے، فوراً چھوڑ دو۔ تو اس طرح پر ہر کافر وقت پر مسلمان کی تلوار کو بند کر سکتا ہے مثلاً کسی کافر نے کسی مسلمان پر خوب ظلم کیا ہو، ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے ہوں، اس کے اہل و عیال کو قتل کر ڈالا ہو۔ غرض ہر طرح کا ظلم کیا ہو اور باوجود ان مظالم کے پھر کون ایسا ہے کہ موقع ملے اور قدرت ہو اور بدلہ نہ لے۔ مگر اسلام میں ایسا حکم ہے کہ اگر اس شخص کا یا اس کے کسی یار و مددگار کا اس پر قابو پڑ جائے اور وہ اس کا کام تمام کرنا چاہے اور زبان سے کلمہ شریف پڑھ لے اور قرآن سے معلوم بھی ہو کہ دل سے نہیں پڑھتا اب بھی حکم ہے کہ تلوار مت اٹھاؤ۔ یہ کتنی بڑی ڈھال مخالف کے ہاتھ میں ہے۔ پس جس مذہب کا یہ قانون ہو اس میں کیسے ممکن ہے کہ اس کی ترقی تلوار سے ہو سکے۔ اب فرمائیے کہ اسلام بزور شمشیر کیونکر پھیلا۔ (صفحہ ۳۶۰)

کفار کے لئے دائمی سزا کی وجہ

فرمایا کہ بظاہر اس پر کہ کفار جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے اتنا بڑا گناہ کون سا کیا کہ سزائے دائمی تجویز کی گئی کیونکہ زندگی محدود گناہ محدود۔ پھر سزائے غیر محدود کا کیوں حکم ہوا۔ جواب یہ ہے کہ کفر و شرک کی حقیقت ہے بغاوت۔ دنیا میں بھی قاعدہ ہے کہ سلاطین باغی کو جلا وطن، عبور دریائے شور و غیرہ سزا دیتے ہیں کیونکہ سلاطین بجز اس کے

کہ عمر بھر کے لئے سزا دے سکیں، زیادہ پر قدرت نہیں رکھتے، اس وجہ سے زائد سے مجبور ہیں مگر اتنا ظاہر ہو گیا کہ بغاوت کی سزا غیر محدود ہونا چاہیئے اور یہ امر بمقتضائے عقل ہے چنانچہ جو سلاطین پابند ملت بھی نہیں وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہ جواب تو لازمی ہے۔ اس کی حقیقت میں غور کرنا چاہیئے۔ حق تعالیٰ مالکِ حقیقی ہیں اور ان کی صفات غیر متناہی ہیں اور ہر صفت کا ایک حق ہے۔ اب جو شخص ایسے مالکِ جامع کمالات غیر متناہیہ کے حقوق کو ضائع کرے گا اس کی سزا بھی غیر متناہی ہونا چاہیئے۔ پس یہ سزا عین موافق عقل کے ہوئی۔ (صفحہ ۳۶۰)

(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۴)

تارک الدنیا کون ہیں

ایک صاحب نے ایک درویش کی مدح کرتے ہوئے ذکر کیا کہ وہ تارک الدنیا ہیں، آبادی میں رہنا پسند نہیں کرتے، جنگل میں رہتے ہیں۔ فرمایا کہ تارک الدنیا ہونے کے ساتھ جنگل میں رہنا تو لازم نہیں۔ پھر جب دل دنیا سے بیزار ہے تو اس کو پہاڑ اور جنگل ہی کہ کیوں سوچتی ہے۔ یہ بھی تو دنیا ہی میں ہیں۔ ارے بندہ خدا شہر میں رہو۔ کوئی پھاڑتا ہے، کاٹتا ہے اور اکثر احوال میں اصل سبب اس کا ایک اور چیز ہے۔ وہ نفس کا کید ہے جس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا۔ یہ نفس بڑا چالاک اور مکار ہے۔ سوچھاتا ہے ایسی باتیں کہ ایسا کرنے سے شہرت ہوگی، نام ہوگا، لوگ تارک الدنیا سمجھیں گے تو اس نے دنیا ہی کے واسطے دنیا کو ترک کیا، پھر دنیا کہاں ترک ہوئی۔ (صفحہ ۲۵)

سوء ظن کے لئے دلیل کی ضرورت ہے

فرمایا کہ سوء ظن کے لئے دلیل کی ضرورت ہے، حسن ظن کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ الحمد للہ سوء ظن تو میرے اندر قریب قریب ناپید ہے اور حسن ظن بڑے درجہ تک بڑھا ہوا ہے۔ اسی کے تحت میں میرا ایک یہ بھی معمول ہے کہ میں کسی کی روایت پر عمل نہیں کرتا جب تک کہ صاحبِ واقعہ سے تحقیق نہ کر لوں۔ اس باب میں آج کل لوگ بہت کم احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ (صفحہ ۲۹)

انسان کو کبھی ناز نہیں کرنا چاہیئے

فرمایا کہ انسان کو کبھی ناز نہیں کرنا چاہیئے، ہمیشہ نیاز پیدا کرنے کی سعی میں لگا رہنا چاہیئے، اسی میں خیر ہے۔ جہاں آگے بڑھا وہیں پٹک دیا جاتا ہے۔ اسی ناز کی بدولت ہزاروں لاکھوں کے زہد اور تقویٰ برباد کر دیئے گئے۔ پیر صاحب کو اس پر ناز نہیں ہونا چاہیئے

کہ میں ہی مریدوں کا ذریعہ نجات ہوں بلکہ کبھی مرید پیر کے لئے ذریعہ نجات ہو جاتے ہیں۔ جیسے باپ کبھی محتاج ہوتا ہے بیٹے کا کہ بھائی لالٹھی پکڑ لو اور کبھی بیٹے کو باپ کی حاجت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر مرید پر رحمت ہوگی پیر کو ہمراہ لے لے گا اور اگر پیر پر رحمت ہوگی مرید کو ہمراہ لے لے گا۔ اسی بناء پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو اس نیت سے مرید کر لیتے ہیں کہ اگر اپنے تعلق والے پر رحمت ہوگئی تو ہم بھی اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ واقعی یہ حضرات اپنے کو مٹائے ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۳۷)

فطری باتیں دل کو اچھی لگتی ہیں

فرمایا کہ جو چیزیں فطری ہیں ان میں تعلیم کی ضرورت نہیں۔ دیکھ لیجئے بچوں کی باتیں اور ان کی حرکات کیسی پیاری معلوم ہوتی ہیں۔ جو بات بھی ہوتی ہے بے ساختہ اور بے تکلف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ فطری بات ہے۔ بناوٹ کا ذرا نام نہیں ہوتا۔ یہ تو بڑے ہو کر بگڑتے ہیں۔ خدا معلوم کہ کیا زہر مل جاتا ہے۔ ایک بچہ کو میں نے چھیڑا، اس نے کو سا اللہ کر کے بڑے ابا مر جائیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ تو خوش ہوگا کہ میں نے بہت بڑی بد دعا کی حالانکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مسافر اپنے گھر سے نکل کر بھٹکتا پھرتا ہوا اور اس کو کوئی کہے کہ خدا کرے تو اپنے گھر چلا جا۔ یہ تیری بد دعا ایسی ہی ہے۔ خیر یہ تو کچھ بھی سہی اس وقت اس کا بے ساختہ کہنا ایسا پیارا معلوم ہوا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ (صفحہ ۴۴)

متاخرین نے مجاہدات میں دو چیزیں حذف کر دیں

فرمایا کہ متقدمین نے تو مجاہدات میں چار چیزوں کو فرمایا تھا۔ قلتِ طعام، قلتِ منام، قلتِ کلام، قلتِ اختلاط مع الانام مگر متاخرین نے دو کو حذف کر دیا ہے۔ ایک تو قلتِ طعام اور ایک قلتِ منام کیونکہ یہ دونوں آج کل مضر ہیں۔ پہلے لوگوں کے قویٰ مضبوط ہوتے تھے، ان کے مناسب تھے۔ اور دو کو باقی رکھا۔ ایک قلتِ الکلام اور ایک قلتِ اختلاط مع الانام اور ان ہی دونوں میں لوگوں کو زیادہ بے فکری ہے حالانکہ قلتِ کلام از حد ضروری ہے

اس لئے کہ کثرتِ کلام کی بدولت کسی کی حکایت، کسی کی شکایت، کسی کی غیبت ہو جاتی ہے بلکہ مباحات کی کثرت میں کدورت ہوتی ہے۔ عطارؒ اسی کو فرماتے ہیں۔

دل ز پر گفتن بمیر در بدن

گرچہ گفتارش بود دُرّ عدن

(ترجمہ: بے ضرورت زیادہ بولنے سے بدن کے اندر دل مرجاتا ہے اگرچہ ظاہری

طور پر تیری گفتگو کیسی ہی عمدہ ہو)

غرض کم ملو، کم بولو اور کسی قدر لذات کو کم کر دو۔ غلو اس میں بھی نہیں چاہیے۔ ایک درویش نے میرے سامنے خربوزہ کھایا اور یہ کہا کہ آج سترہ برس میں کھایا ہے سو یہ غلو بھی برا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ آدمی حرام سے بچتا رہے۔ باقی اچھی طرح کھائے پئے۔ مجاہدہ یہ نہیں کہ حلال کو چھوڑ دے۔ مجاہدہ کی حقیقت ہے خواہشات مذمومہ سے نفس کو روکنا اور حلال چیزوں کے ترک سے اندیشہ ہے عجب کے پیدا ہو جانے کا کیونکہ اس میں ایک شان امتیاز کی ہوتی ہے جیسے ایک شخص نے کہا تھا اپنے پیر کے متعلق کہ وہ کچھ کھاتے ہی نہیں۔ میں نے کہا کہ آخر کچھ تو کھاتے ہی ہوں گے اس لئے کہ اس کے بدوں تو زندگی ہی دشوار ہے۔ اس پر کہتے ہیں کہ جی ہاں کچھ یوں ہی تھوڑا سا کھا لیتے ہیں۔ پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ ایک سیر دودھ اور آدھ پاؤ بالائی اور کچھ سیب اور انگور۔ ایک دوست نے کہا کہ اور کیا کھاتے۔ صرف اتنی کسر رہی کہ تجھے اور مجھے نہیں کھایا اور یہ بھی کہا کہ بندہ خدا! اگر مجھ کو یہ چیزیں ساری عمر کھانے کو ملیں تو میں روٹی وغیرہ کے پاس بھی نہ جاؤں۔

اب بتلائیے کہ یہ بھی کوئی مجاہدہ ہے بجز شہرت اور جاہ کے، صاف دوسروں کی نظر میں بڑا ہونا ہے سو یہ خود کتنی بڑی بلا ہے۔ یہ غیر محقق ایسی ہی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچتے۔ اصل چیز عبدیت ہے اور ان باتوں سے عبدیت کے خلاف فرعونیت پیدا ہوتی ہے کہ یہ تو لوگوں کو ذلیل اور حقیر سمجھے اور دوسرے اس کو بزرگ اور ولی اور بڑا جانیں اور یہ جو قلتِ اختلاط مع الانام کی تعلیم فرمائی اس میں بھی ایک حد ہے ورنہ اس سے بھی انسان کی

ایک امتیازی شان معلوم ہوتی ہے اور حد کے اندر رہ کر یہ خرابی نہیں ہوتی۔ اعتدال کے ساتھ ملنے میں اس کو اوروں سے اور دوسروں کو اس سے نفع پہنچتا رہتا ہے جس کے متعلق ارشاد ہے۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست

بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(ترجمہ: طریقت میں اصل نافع چیز خدمتِ خلق ہے، صرف تسبیح لے لینا اور گدڑی

پہن لینا طریقت نہیں ہے۔) (صفحہ ۵۵)

قلب کا ستیاناس کرنے والی دو چیزیں

فرمایا کہ آج کل لوگوں کو گناہوں پر بڑی دلیری ہے جو نہایت ہی خطرناک بات ہے۔ بعض گناہ وہ ہیں جن میں لوگوں کا زیادہ ابتلاء ہے اور ان کو ہلکا سمجھتے ہیں مثلاً بدنگاہی ہے۔ اس میں عوام تو کیا خواص تک کو ابتلاء ہے۔ یہاں خواص سے مراد جاہل درویش اور مدعیانِ محبت رسول ہیں جو بدعات کے حامی ہیں اور مولودِ مروجہ کی مجالس میں امر دلوں کو ساتھ رکھتے ہیں۔ معلوم بھی ہے کہ یہ مرض کتنا بڑا مہلک ہے اور خدا کے قہر اور غصہ کو بھڑکانے والا ہے۔ یہ بدنگاہی نہایت ہی سخت اور خمیث فعل ہے۔

ایک شخص نے کسی بزرگ کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیا حال ہے۔ کہا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس جس گناہ کا اقرار کر لو گے ہم اس کو معاف کر دیں گے۔ میں نے سب گناہوں کا اقرار کر لیا مگر ایک گناہ کا اقرار کرتے ہوئے شرم آئی اس لئے وہ اب تک معاف نہیں ہوا۔ وہ گناہ یہ ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ایک امر دلوں کے کو بد نگاہ سے دیکھ لیا تھا، بس اس کا اقرار کرنا میرے لئے مشکل ہو رہا ہے اس لئے کہ اس خمیث گناہ کا اقرار خدا کے سامنے کرتے ہوئے شرم دامن گیر ہے۔ ہمت نہیں کس منہ سے اقرار کروں کہ میں نے یہ گناہ کیا ہے۔ بس اس کے عذاب میں مبتلا ہوں اور یہ عقوبت اور عذاب میرے لئے سہل ہے اس سے کہ میں حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے اس گناہ بدنگاہی کا اقرار کروں۔ واقعی یہ بدنگاہی ایسی ہی سخت بلا ہے۔ اہل فن نے لکھا ہے کہ دو چیزیں قلب کا

ستیاناس کرنے والی ہیں اور نورانیت کو برباد کرنے والی ہیں۔ ایک غیبت اور ایک بدنگاہی مگر یہ ہی دونوں چیزیں آج کل لوگوں میں شیر و شکر بنی ہوئی ہیں۔ (صفحہ ۶۹)

انسان دنیا میں عبد بننے کے لئے آیا ہے

فرمایا کہ انبیاء کو کیا تھوڑا ستایا بد فہموں نے مگر ان حضرات کی کیا شان تھی اللہ اکبر کہ اذیتیں بھی سہیں، تکالیف بھی برداشت کیں مگر حق تعالیٰ سے تسخیر وغیرہ کی تدبیر کی بھی درخواست نہیں کی۔ کیا ٹھکانہ ہے اس ظرف کا، یہ ان ہی حضرات کی شان تھی اور کس کو یہ شایان ہو سکتا ہے۔ آج کل تسخیر کے عمل مشائخ تک پڑھتے ہیں۔ یہ تو اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے اور اگر زیادہ نظر عمیق سے دیکھا جائے تو اپنی پرستش کرانا مقصود ہے جو شانِ عبدیت کے بالکل خلاف ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی سنت یہی ہے جس پر ان کا عمل تھا کہ و اصبر علیٰ ما اصابک (جو مشکل پیش آئے اس پر صبر کرو)۔

میں نے ایک مرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسا عمل بھی ہے کہ جس سے موکل تابع ہو جائیں؟ فرمایا کہ عمل تو ہے مگر کیا دنیا میں عبد بننے کے لئے آئے ہو یا خدا بننے کے لئے۔ اس روز سے طبیعت میں ان عملیات سے اس قدر انقباض پیدا ہو گیا کہ ایسی باتوں کے ذکر سے بھی طبیعت مکدر ہوتی ہے۔ (صفحہ ۷۷)

طریق میں نفع کا دار و مدار

فرمایا کہ طریق میں نفع کے لئے دو چیزیں خاص طور پر ضروری ہیں۔ ایک اطلاع اور ایک اتباع یعنی تعلیم کا اتباع اور حالات کی اطلاع اور ایک تیسری چیز اور ہے جو سب سے پہلی شرط ہے یعنی مناسبت۔ یہ سب سے زیادہ اس لئے اہم ہے کہ تعلیم کا اتباع اور حالات کی اطلاع تو اختیاری ہے اور مناسبت غیر اختیاری ہے اور ہونے پر بھی کبھی خفی ہوتی ہے۔ کثرت سے مخالفت کرنے سے بھی ظہور نہ ہو تو چاہئے کہ دوسری جگہ تعلق تلاش کرے۔ (صفحہ ۸۷)

طریق اصلاح جنم روگ ہے

فرمایا کہ یہ جو طریق اصلاح ہے، جنم روگ ہے۔ عمر بھر یہی سلسلہ رہتا ہے مگر لوگ یہاں آرام چاہتے ہیں کہ دنیا ہی میں جنت ہو جائے۔ یہاں تو مشقت مثل لازم کے ہے اور جس قدر مشقت ہوگی اتنا ہی اجر بھی بڑھے گا۔ وہ مشقت یہ ہے کہ ہر قدم پر نفس کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ نہ ہو تو پھر انسان کا کمال ہی کیا ہوگا یعنی شر کا جو داعیہ طبعی ہوتا ہے اس کی مخالفت کرنا اور اس کو عقل سے مغلوب کرنا یہی مجاہدہ اور مشقت ہے۔ باقی محض حدیث النفس کوئی چیز نہیں جب تک اس کے اقتضاء پر عمل نہ ہو۔ عقل کا کام صرف منفعت کو دکھلانا ہے، پھر اس کے بعد اگر اتباع کیا طبیعت کا تو یہ شخص حیوان ہے اور اگر اتباع کیا عقل کا تو انسان ہے مگر خود عقل کے اتباع کے بھی حدود ہیں ورنہ حدود سے آگے غلو کرنے سے یہ عقل خود سبب ہو جاتی ہے غلبہ حیوانیت کی، اس لئے کہ جو چیز حد سے گذر جاتی ہے اس کی حقیقت اس کی خاصیت سب بدل جاتے ہیں۔ اب ایک بات اور رہ گئی ہے، وہ یہ کہ نفس کے لئے بعض اوقات لوگوں کی ملامت مانع عمل ہو جاتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ طعن و تشنیع خود موجب اجر ہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے تو مجاہدات اور ریاضات میں زیادہ برکت اور نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بدنی مجاہدات سے بھی زیادہ مجاہدہ ہے۔ غرض یہ تمام موانع ہیں۔ نفس کو بچہ کی طرح بہلانا اور سمجھانا چاہئے۔ یہ اس وقت کام دیتا ہے۔

اس بہلانا پر ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی کہ وہ شب کو ایک رکابی پلاؤ کی بھر کر سامنے مصلے پر رکھ لیتے اور ہر دفعہ میں فرماتے کہ اب کی مرتبہ دو نقلیں پڑھ کر تجھ کو پلاؤ کھلاؤں گا۔ تمام شب اسی طرح عبادت میں گذر جاتی اور صبح کو وہ رکابی پلاؤ کی بدستور موجود رہتی مگر یہ بھی ان ہی حضرات کے نفس تھے جو روزانہ بہلانا میں آ جاتے تھے۔ اب تو کوئی کر کے دیکھے، ایک دن تو نفس مان لے گا یا زائد سے زائد دو دن پھر تیسرے روز قبضہ میں آنا مشکل ہوگا۔ یوں کہے گا کہ بس تمہارے وعدوں کا تجربہ کر چکا، اب قابو میں نہ آؤں

گا سواب ایسا بھی نہ کرنا چاہیے اور حسب وعدہ اس کو کھلا بھی دے۔ خلاصہ یہ کہ نفس کو راہ پر لانے کی مختلف تدبیریں ہیں جو تبدلِ حالات سے بدلتی رہتی ہیں۔ جس طرح ہو سکے کام نکالنا چاہیے۔ (صفحہ ۹۹)

خدا سے محبت پیدا کرنا تمام تصوف کی جڑ ہے

فرمایا کہ اس راہ میں صرف ایک ہی طریق ہے کامیابی کا، وہ یہ کہ خدا سے محبت پیدا کرو۔ بس یہی جڑ ہے تمام تصوف کی۔ بدون اس کے اس راہ میں کامیابی مشکل ہے۔ اب رہا یہ کہ محبت پیدا کرنے کا کیا طریق ہے سو وہ طریق یہ ہے کہ اہل محبت کے پاس بیٹھو، ان کی صحبت اختیار کرو، اس کی برکت سے یہ چیز نصیب ہو جائے گی اور یہ چیز نہ پیر کی توجہ پر موقوف ہے اور نہ کسی تعویذ گنڈوں پر، یہ خود اپنی طلب پر موقوف ہے۔ اب جس کو بھی عطا ہو جائے مگر طلب ضرور شرط ہے۔ (صفحہ ۱۴۰)

معصیت کی ظلمت

فرمایا کہ میں تو کہتا ہوں کہ معصیت وہ چیز ہے کہ اگر اس کو کوئی چھپ کر بھی کرے تو اس کا ضمیر خود اس پر لعنت کرتا ہے اور اُس سے اس کو جس قدر تکلیف ہوتی ہے وہ اس کے لئے سوہانِ روح ہوتی ہے البتہ اگر کثرت کی وجہ سے کسی کے اندر بے حسی پیدا ہو گئی ہو تو اس کا کوئی ذکر نہیں ورنہ نور اور ظلمت میں ایک آنکھوں والے کے لئے امتیاز کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ (صفحہ ۱۸۶)

حق تعالیٰ کا اپنے کام میں لگانا بڑی نعمت ہے

فرمایا کہ حق تعالیٰ جس کو بھی اپنے کام میں لگا لیں اور توفیق عطا فرمادیں بڑی ہی دولت ہے، بڑی ہی نعمت ہے۔ ایسا شخص دنیا کی طرف متوجہ ہو نہیں سکتا اور ایک وقت میں دو طرف توجہ ہو بھی کب سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اور کاموں کے نہیں رہتے۔ اسی وجہ سے ان کو لوگ دیوانہ سمجھتے ہیں۔ دیوانہ تو ضرور ہیں مگر یہ بھی معلوم ہے کہ کس کے دیوانہ ہیں۔ اسی

دیوانگی کو فرماتے ہیں۔

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم

مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

(ترجمہ: ہم اگرچہ مفلس اور دیوانے ہیں مگر اس ساقی اور پیمانے کے مست ہیں)

یہ خداوند جل جلالہ کے دیوانہ ہیں، ان کے عاشق ہیں۔ جب مخلوق کے عشق میں آدمی اور کسی کام کا نہیں رہتا تو خالق کے عشق کا کیا پوچھنا۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلے بود

گوئے گشتن بہر او اولے بود

(ترجمہ: حق تعالیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کے لئے گنبد

بن جانا زیادہ اولیٰ ہے)

اور معترض کا منہ نہیں کہ وہ اس مذاق پر اعتراض کر سکے اس لئے کہ وہ خود ہی دیکھ لے کہ ایک فانی چیز کی یعنی دنیا کی طلب میں کیسا کھپا ہوا ہے کہ اپنے خالق اور پیدا کنندہ کو بھی بھول گیا۔ اپنے اپنے محبوب پر سب ہی مٹا کرتے ہیں۔ باوجود اس کے جب طالب دنیا کو کوئی دیوانہ نہیں کہتا تو پھر ایسوں کو جو لوگ دیوانہ اور پاگل کہیں وہ خود پاگل ہیں۔ (صفحہ ۲۰۷)

آداب معاشرت کو عوام نے دین نہیں سمجھا

فرمایا کہ معاشرت تو آج کل لوگوں کی نہایت ہی گندی اور خراب ہے۔ شریعت مقدسہ نے ہمارے ہر معاملے میں اور ہر قسم کے قول و فعل سے تعرض کیا ہے، آزاد نہیں چھوڑا، ہر چیز کے متعلق تعلیم ہے اور اس کا مکمل قانون ہے مگر آداب معاشرت کو لوگوں نے دین کی فہرست ہی سے نکال دیا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر و شغل، تلاوت قرآن، نقلیں ان چند چیزوں کے متعلق احکام ہیں۔ آگے جو چاہیں کرتے پھریں مثل بھینسے اور سانڈ کے جس کے گہوں چاہے کھالیں اور جس کے چنے چاہیں کھالیں سو ہم کو ایسا نہیں چھوڑ دیا گیا

بلکہ شریعت نے ہماری رفتار، گفتار، نشست و برخاست، لین دین، کھانے پینے وغیرہ ہر چیز سے تعرض کیا ہے اور اس کے متعلق شریعت میں مکمل قانون ہے مگر اب تو یہ ہو گیا ہے کہ ہاتھ میں تسبیح لے لی، ٹخنوں سے اونچا پاجامہ اور گھٹنوں سے نیچا کرتہ پہن لیا اور اشراق و چاشت اور تہجد کی نفلیں پڑھ لیں، بس ہو گئے کامل مکمل مگر کم بل نہ ہوئے یعنی بل کم نہ ہوئے بلکہ زیادہ ہی بل رہے۔ انکسار نہیں، عجز نہیں، افتقار نہیں خلاصہ یہ ہے کہ عبدیت نہ پیدا ہوئی۔ وہی تیلی کے بیل کی طرح تمام دن چلا مگر رہا وہیں، بارہ برس دہلی میں رہا مگر بھاڑ ہی جھونکا۔ ایسوں ہی نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا۔ القاب بڑے بڑے کوئی مولانا ہیں، کوئی مقتدانا ہیں، کوئی شیخ المشائخ ہیں، کوئی صوفی ہیں۔ ایسی مثال ہے کہ جیسے لفافہ پر پتہ تو بڑے حلی رقم سے خوشخط عربی میں لکھا ہوا ہے مگر اندر کام کا مضمون ندارد۔ (صفحہ ۲۲۷)

عوام الناس اور اہل اللہ کا مصائب کے وقت فرق

فرمایا کہ مصائب اور تکالیف تو سب پر صورتاً ایک ہی طرح کے آتے ہیں یعنی اللہ والوں پر بھی اور دنیا داروں پر بھی مگر دونوں کی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ یہ بیمار بھی ہوتے ہیں تو انہیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہائے بیماری بڑھ جائے گی تو کیا ہوگا۔ ہائے مقدمہ ہار گئے تو کیا ہوگا۔ ہائے کھانے کو کل نہ ملا تو کیا ہوگا بلکہ ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ہر حال میں ان کو سکون ہوتا ہے۔ ان کے قلب میں ایک ایسی چیز مخفی ہے کہ اس کے ہونے سے اطمینان اور یکسوئی ہوتی ہے۔۔ مزاحاً فرمایا کہ چاہے پاس ایک سوئی بھی نہ ہو بخلاف دنیا داروں کے کہ ان کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے تو مصائب اور تکالیف کا نہ آنا دلیل مقبولیت کی نہیں اس لئے کہ ایسا تو بڑے بڑے انبیاء کے لئے بھی نہیں ہوا۔ ان پر بھی بڑی بڑی مصیبتیں آئیں اور وہ مقبول تھے اور ایک فرعون کو دیکھ لیجئے۔ چار سو یا ساڑھے چار سو برس خدائی کا دعویٰ کیا، کبھی سر میں درد نہ ہوا حالانکہ وہ مردود تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہیں کہ مہینوں آپ کا چولہا گرم نہیں ہوا، ہنڈیا نہیں چڑھی تو کیا نعوذ باللہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ظاہری تکلیف نہ ہونے کی وجہ سے فرعون کو فضیلت ہو گئی یا یہ مقبولیت کی دلیل ہے۔

علت (مرض) اور ذلت (نقص جاہ) اور قلت (نقص مال) تو ان حضرات کو زیور ہے۔ ایک بزرگ کو ساری عمر میں ایک روز ایک وقت پیٹ بھر کر کھانا مل گیا۔ اسی پر لرزاں اور ترساں تھے، چہرہ زرد تھا، جسم میں رعشہ تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت کیسے مزاج ہیں؟ فرمایا کہ آج پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے۔ خوف اس کا ہے کہ مجھ پر دنیا کو فراخ کیا گیا، کہیں آخرت تو تنگ نہیں کی گئی۔ یہ حقیقت تھی عیش کی ان حضرات کی نظروں میں۔ (صفحہ ۲۵۹)

فضل کسی کمال پر موقوف نہیں

فرمایا کہ کسی عمل کے صدور کو اپنا کمال نہ سمجھے بلکہ حق تعالیٰ کی عطا سمجھنا چاہیے۔ اپنا کمال سمجھنے سے قلب میں دعویٰ استحقاق کا پیدا ہو جائے گا اور یہ سخت مضر ہے۔ اپنے کو ناقص ہی سمجھے اور اپنا کوئی استحقاق نہ سمجھے۔ اسی میں خیر ہے۔ ہاں باوجود ناقص سمجھنے کے ان کے فضل کا امیدوار رہے۔ فضل کسی کمال پر موقوف نہیں۔ (صفحہ ۲۸۳)

ہمت سے زائد اپنے ذمہ کام رکھنا خلاف عقل ہے

فرمایا کہ کام اس قدر کرنا چاہیے جس کا تحمل بے تکلف ہو سکے۔ ہر کام کے لئے اسی کی ضرورت ہے۔ ہمت سے زائد اپنے ذمہ کام رکھ لینا عقل کے خلاف ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال عجیب و غریب بیان فرمائی تھی کہ جس قدر کام کا ذوق و شوق ہو اس سے کچھ کم کرنا چاہیے۔ اسی طرح جس قدر بھوک ہو اس سے کچھ کم کھانا چاہیے جیسے چکی کہ اس میں پھرانے کے وقت کچھ تاگہ چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے واپس آ سکے۔ اگر نہ چھوڑا جائے تو وہ لوٹ نہیں سکتی۔ پھر اسر نو اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اس مثال کی خوبی پر ایک دوسری مثال کا قصہ بیان فرمایا گو وہ دوسرے باب کا مضمون ہے۔ وہ قصہ مولوی محمد یسین صاحب والد مولوی محمد شفیع صاحب سے نقل فرمایا۔ وہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس زیادہ بیٹھتے تھے اور دل کھلا ہوا تھا اس لئے جو جی میں آتا کہہ بھی دیتے۔ ایک روز مولانا کے ایک مبسوط کلام کے بعد ان سے کہتے ہیں کہ کثرت کلام کو

بزرگوں نے اچھا نہیں سمجھا اور آپ کثرت سے کلام کرتے ہیں، یہ کیا بات ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ تقلیل کلام خود مقصود بالذات نہیں۔ مقصود تو یہ ہے کہ فضول کلام نہ ہو مگر مبتدی ابتداءً تعدیل پر قادر نہیں ہوتا۔ اس لئے معالجہ کے درجہ میں بہت زیادہ تقلیل تجویز کرتے ہیں تاکہ اعتدال پر آجائے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کاغذ لپٹا ہوا رکھا ہوتا ہے۔ جب اس کو کھولتے ہیں تو وہ پھر اسی طرح لپٹ جاتا ہے۔ اس لئے اس کو اس طرح سیدھا کرتے ہیں کہ اس کو دوسری مخالف طرف اسی طرح لپیٹتے ہیں جس سے وہ سیدھا ہو جاتا ہے۔ اسی درجہ میں ضرورت ہے تقلیل کلام کی ورنہ وہ خود مقصود بالذات نہیں۔ مولانا کے علوم عجیب ہوتے تھے۔ بڑی سے بڑی بات کو اس طرح پر بیان فرما دیتے تھے کہ ہر شخص سمجھ جاتا تھا۔ (صفحہ ۳۰۹)

فضولیات میں وہ لوگ مبتلا ہیں جن کو عاقبت کی فکر نہیں

فرمایا کہ فضولیات میں وہ لوگ مبتلا ہیں جن کو عاقبت کی فکر نہیں اور جن کو اپنی فکر ہے وہ تو شب و روز اسی ادھیڑ بُن میں لگے ہوئے ہیں اور واقعی آدمی کو اپنی فکر کرنی چاہیئے، اپنی خیر منانی چاہیئے۔ دوسروں کے متعلق نہ اس کو مشورہ کی ضرورت، نہ فتویٰ حاصل کرنے کی ضرورت۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے، ایک شخص پر پھانسی کا مقدمہ ہے اور ایک پر مار پیٹ کا۔ اگر مار پیٹ والا پھانسی والے کے پاس جائے کہ مجھ کو بچاؤ اور وہ اس کے ساتھ ہو کر اس کے بچانے کی فکر میں لگ جائے تو لوگ اس کو کیا کہیں گے، یہی کہیں گے کہ تجھ کو پرانی کیا پڑی اپنی نیڑ تو۔ (صفحہ ۳۱۱)

امر بالمعروف کے وجوب کی شرائط

فرمایا کہ امر بالمعروف کے وجوب کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مخاطب سے توقع ہو قبول کی اور کم از کم کسی ضرر کا خوف نہ ہو اور ایک یہ کہ مخاطب کو اس کا علم نہ ہو اور اکثر یہی ہے کہ جہاں علم نہ ہو وہاں توقع ہوتی ہے قبول کی اور اگر علم ہو تو اکثر ناگواری کا سبب ہوتا ہے۔ (صفحہ ۳۲۰)

بخل لغوی

فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اتنا بخل محمود ہے کہ جس سے آدمی انتظام کر سکے اور اپنے دل کو تشویش اور پریشانی سے بچانے کے لئے کچھ پیسے اپنے پاس رکھے۔ بدون اتنے بخل کے انسان منتظم نہیں ہو سکتا اور یہ بخل لغوی ہے شرعی نہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی نفس کے بہلانے کو کچھ نہ کچھ ضرور اپنے پاس رکھے۔ (صفحہ ۳۲۵)

بلا ضرورت شدیدہ شرعی ذریعہ معاش چھوڑنا مناسب نہیں

فرمایا کہ ایک شخص نے بلا وجہ نوکری چھوڑ دی تھی۔ پھر باوجود بے حد کوشش اور سعی کے بھی تمام عمر نوکری نہیں ملی۔ اپنے ذریعہ معاش کو چھوڑنا بلا ضرورت شدیدہ شرعی مناسب نہیں۔ یہ بھی ایک قسم کی ناشکری اور کفرانِ نعمت ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ضعفاء کو ناجائز اسباب معاش کو بھی نہ چھوڑنا چاہیئے جب تک کوئی ذریعہ جائز نہ مل جاوے البتہ استغفار اور جائز ذریعہ کی کوشش میں لگا رہے اور حکمت یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ اب تو معصیت ہی میں مبتلا ہے، اسبابِ معاش چھوڑ دینے کے بعد افلاس ہوگا اور اس سے جو پریشانی ہوگی اُس میں اندیشہ کفر کا ہے اور اب معصیت وقایہ ہو رہی ہے کفر کا۔ کیسی حکیمانہ بات فرمائی۔ ہاں اگر جائز صورت مل جائے تو اس وقت اس ناجائز کو چھوڑ دے۔ (صفحہ ۳۵۲)

تقویٰ کب کامل ہوگا

فرمایا کہ تقویٰ اس وقت کامل ہوگا کہ جب اس کے خلاف کے مقتضی اسباب ہوں اور پھر ان کو دبائے۔ مثلاً شہوت ہے، اگر کوئی عنین ہو اور فجور سے بچے تو اس کو تقویٰ کا وہ خاص نور میسر نہ ہوگا جو ایسے شخص کو میسر ہوگا جو مردہ ہو اور پھر اس سے اجتناب کرے۔ اگر کوئی عنین کہے کہ میں کبھی برا کام نہیں کرتا یا اندھا کہے کہ میں کبھی بدنگاہی نہیں کرتا تو کون سا کمال ہے۔ جیسے مثلاً یہ سامنے والی دیوار کہے کہ میں چوری نہیں کرتی تو کیا کمال ہوا۔ ہاں اسباب ہوں اور پھر اجتناب ہو یہ ہے مجاہدہ جس سے لوگ گھبراتے ہیں۔ یوں نہیں سمجھتے کہ انسان دنیا

میں آسانی کے لئے تو نہیں آیا۔ ارشاد فرماتے ہیں

لقد خلقنا الانسان فى كبد

(ترجمہ: ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے)

مگر اس مشقت کے سہل ہونے کے لئے ارادہ اور ہمت بھی ساتھ ساتھ پیدا فرما دی ہیں۔ اس لئے یہ چاہیے کہ خواہ کسی ہی کوئی مشکل آپڑے صبر و استقلال کے ساتھ اس کو نکال دیا جاوے۔ بس یہی جوہر انسانی ہے۔ اسی استقلال کی مداومت اور استحضار سے بڑے بڑے رذائل اور جہلی چیزیں دب جاتی ہیں اور بڑے بڑے مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں۔ (صفحہ ۳۵۸)

اتباع سنت اور حبّ شیخ کی برکات

فرمایا کہ اتباع سنت بڑی چیز ہے۔ مجدد صاحب نے ایک کام کی بات بیان فرمائی کہ کسی شخص میں اگر دو چیزیں ہیں اتباع سنت اور حبّ شیخ، وہ بزم خود کتنی ہی ظلمات میں مبتلا ہو وہ ظلمات نہیں اور اگر یہ دونوں چیزیں نہیں تو وہ بزم خود کتنے ہی انوار میں محاط ہو وہ انوار نہیں۔ اور یہ بھی جاننے کی بات ہے کہ اتباع سنت وہ ہے کہ بلا چون و چرا ہو۔ اس کے متعلق بھی مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ شرائع میں حکمت کا تلاش کرنا گویا یہ مرادف ہے انکار نبوت کا۔ اگر نبی کو نبی سمجھتا ہے تو پھر مصالح کے جاننے کا انتظار کیوں ہے مگر جب انتظار ہے تو یہ شخص اپنی عقل کا متبع ہوا، نبی کا متبع نہ ہوا۔ اور آج کل اس کو فلاسفی قرار دے رکھا ہے۔ جو برتاؤ ہم حضور ﷺ کے ساتھ کرتے ہیں اور آپ کے احکام میں حکمتیں تلاش کرتے ہیں اگر ہمارا نوکر یا غلام ہمارے کاموں کی حکمتیں پوچھنے لگے مثلاً اس سے کہا جائے کہ ایک گھنٹہ یہاں بیٹھو اور وہ پوچھے کہ اس میں کیا حکمت ہے تو آپ کی طرف سے غلام کو کیا جواب ہوگا تو گویا یہ شخص اپنے غلام کو غلام سمجھتا ہے اور اپنے کو حضور ﷺ کا غلام نہیں سمجھتا۔ یہی فرق نکل سکتا ہے۔ (صفحہ ۴۰۲)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۵)

طریق میں غیر مقصود چیزوں کی تفصیل

فرمایا کہ کام کرنا چاہیئے، اس غم میں نہ پڑنا چاہیئے کہ میرے اندر شوق نہیں، خوف نہیں، کیفیات نہیں، لذات نہیں، انوار نہیں۔ یہ سب چیزیں غیر مقصود ہیں، ہاں مقصود کی معین ہو جاتی ہیں وہ بھی بعض کے لئے اور بعض کی قید اس لئے لگائی کہ بعض کو یہ چیزیں مضر بھی ہوتی ہیں اور ہر حال میں سالک جن احوال و کیفیات کے فقدان سے پریشان ہوتا ہے، یہ فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ یہ بڑا کمال ہے کہ بدون احوال و کیفیات کے بھی مقاصد میں رسوخ حاصل ہو جائے یہ بڑی نعمت ہے، بڑی دولت ہے۔ غرض بندہ کو بندہ بن کر رہنا چاہیئے اور جس حال میں حق تعالیٰ رکھیں اسی کو اپنے لئے مصلحت اور حکمت سمجھنا چاہیئے۔ ایک ضروری بات سمجھ لینے کی یہ ہے کہ یہ چیزیں غیر اختیاری ہیں، اختیاری نہیں اس لئے مامور بہ بھی نہیں۔ مامور بہ صرف اعمال ہیں اور شمرہ ان کا رضائے حق ہے۔ بس یہ حقیقت ہے اس طریق کی۔ اب اس کا عکس لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ غیر مقصود کو مقصود اور مقصود کو غیر مقصود سمجھ رہے ہیں اور اس لئے غیر اختیاری چیزوں کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں اور وہ سبب ہو جاتا ہے پریشانی کا۔ اسی لئے میں سب سے اول کوشش کرتا ہوں کہ طالب صحیح راستے پر پڑ جائے اور اپنے مقصود کو سمجھ لے۔ پھر ساری عمر کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ پریشانی سے نجات ہو جاتی ہے گو اس حالت میں بھی ضرور ہے کہ طالب پر اکثر حزن و غم کے پہاڑ رہتے ہیں مگر وہ اور چیز ہے۔ ایک پریشانی ہوتی ہے گمراہی کی کہ راستہ سے بھٹکتا ہوا پھرتا ہے اور راستہ نہیں ملتا۔ یہ پریشانی تو مقصود کے تعین سے رفع ہو جاتی ہے اور ایک پریشانی ہوتی ہے محبوب کے انوار و تجلیات کی تو وہ حزن اور غم و پریشانی تو ایسی ہے کہ ہزاروں سکون اور راحتوں کو اس پر قربان کریں۔ اس میں محبت کو ہر ساعت یہی خیال رہتا ہے کہ میں محبوب کا حق ادا نہیں کر سکا۔ پھر جس وقت یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ ان کی محبت یا طلب میں ذرہ برابر بھی کمی ہے تو اس

پر حزن اور غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود

گر زباغِ دل خلائے کم بود

(ترجمہ: سالک کے دل کے باغ میں سے اگر ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے تو اس کے

دل پر ہزاروں غم سوار ہو جاتے ہیں)

پھر یہ سب کچھ تو ہے مگر اس طریق میں ناکامی اور ناامیدی اور مایوسی کا نام و نشان نہیں۔ قدم قدم پر تسلی موجود ہے بشرطیکہ منزل مقصود کی صحیح راہ معلوم ہوگئی ہو۔ اس لئے کہ پھر تو صرف چلنا ہی باقی رہ جاتا ہے اور جس قدر چلتا ہے مقصود سے قریب ہی ہوتا جاتا ہے۔ پھر تو اس شخص کو ناامیدی اور مایوسی کا وسوسہ تک بھی نہیں ہوتا۔ باقی خود محبت کے نشیب و فراز کی پریشانی یہ الگ چیز ہے۔ (صفحہ ۳۹)

طریق میں جذب کی ضرورت

فرمایا کہ اس طریق میں کسب کو دخل نہیں جذب کی ضرورت ہے البتہ خود جذب موقوف ہے اعمال پر۔ ہاں اس معنی میں کسب کو بھی دخل کہا جاسکتا ہے کہ وہ اعمال اختیاری ہیں مگر یہ دخل بھی محض صورت ہے ورنہ ہمارے اعمال ہی کیا۔ اس لئے میں پھر یہی کہوں گا کہ کسب کو دخل نہیں جذب ہی پر موقوف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہوں گے یا خیال کرتے ہوں گے کہ یہ اختیاری اور غیر اختیاری کے الفاظ خوب سیکھ لئے ہیں کہ ہر جگہ جاری کر دیئے جاتے ہیں مگر معلوم بھی ہے کہ اس کی بدولت بہت سے خلیجانوں سے نجات مل گئی۔ یہ تعلیم صدیوں سے گم ہو چکی تھی۔ اس کی بدولت لوگ سخت پریشانیوں میں مبتلا تھے۔ اب اگر کوئی کسی حالت کی نسبت پوچھنے پر لکھتا ہے کہ غیر اختیاری ہے تو میں لکھتا ہوں تو اس کے درپے کیوں ہو اور اگر کہتا ہے کہ اختیاری ہے تو میں جواب دیتا ہوں کہ پھر ہم سے کیا پوچھتے ہو، اختیار سے کام لو۔ بس مناقشہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ نصف سلوک ہے۔ بلکہ اگر نظر عمیق سے دیکھا جائے تو کل سلوک کہنا بھی میرے نزدیک بے جا نہ ہوگا۔ (صفحہ ۵۶)

اہل دین میں بہت عقل ہوتی ہے

فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی دیندار کو کہتا ہے کہ اس میں عقل نہیں بہت ہی ناگوار ہوتا ہے کیونکہ یہ خیال ہی غلط ہے۔ دین کی وجہ سے عقل نہیں جاتی بلکہ اس زمانہ میں دین کی طرف اکثر متوجہ وہی ہوتے ہیں جن میں عقل کم ہوتی ہے۔ وہ دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتے تو کہتے ہیں کہ آؤ دین ہی کی طرف چلو اور جو عقل رکھتے ہیں وہ اس کو دنیا میں صرف کرتے ہیں۔ یہ وجہ ہوگئی اس غلط فہمی کی ورنہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہی کو دیکھ لیجئے کہ ان حضرات میں کس درجہ عقل تھی کہ ان کے سامنے ارسطو اور افلاطون سب کی عقلیں گرد تھیں۔ کیا دین اور عقل جمع نہیں ہو سکتیں؟ اور انبیاء علیہم السلام تو بڑی چیز ہیں، ان کے خادموں اور غلاموں کی عقلوں کے سامنے بڑے بڑے فلاسفر اور ریفا مر سر کے بل آپڑے ہیں اور اس زمانہ میں بھی اہل دین ایسے ایسے موجود ہیں کہ دنیا کا بڑے سے بڑا عاقل ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ حقیقی عاقل ایسے ہیں کہ جتنی عقل ان میں بڑھتی جاتی ہے وہ دین کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے جاتے ہیں اور حقیقت میں دین کا تو خاصہ یہی ہے کہ اس کے اختیار کرنے سے عقل اور بڑھتی ہے۔ وجہ یہ کہ دین اختیار کرنے سے نور پیدا ہوتا ہے اور اس نور سے عقل کو ضیاء ہوتی ہے اور جس طرح دین سے عقل بڑھتی ہے اسی طرح عقل سے دین بڑھتا ہے کیونکہ عقل کا فعل یہ ہے کہ ضرر اور نفع کو پہچانے۔ پھر ضرر اور نفع کی دو قسمیں ہیں ایک آخرت کا اور ایک دنیا کا، اور ایک کا فانی اور دوسرے کا باقی ہونا ظاہر ہے تو عقل صحیح کا فعل یہ ہوگا کہ آخرت کے ضرر اور نفع کو دنیا کے نفع اور ضرر پر غالب رکھے تو عقل سے دین کا بڑھنا ثابت ہو گیا۔ پھر اس تلازم کے بعد دینداروں کو کم عقل کون کہہ سکتا ہے مگر عقل حقیقی میں گفتگو باقی ہے جو آج کل متعارف ہے۔ اس عقل کی نسبت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

آزمودم عقل دور اندیش را

بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(ترجمہ: میں نے عقلِ دوراندیش کو آزمایا، اس کے بعد دیوانہٴ حق بنا ہوں)
ایک غلطی اور ہو جاتی ہے کہ عقل اور تجربہ کو ایک سمجھتے ہیں، اس لئے دینداروں کو کم عقل سمجھتے ہیں حالانکہ عقلی باتیں اور ہیں تجربہ کی باتیں اور ہیں۔ سو جن چیزوں کا تعلق تجربہ سے ہے اس میں یہ حضرات اکثر ناواقف ہوتے ہیں مثلاً گیہوں کس زمانہ میں بوایا جاتا ہے اور زمین اس کی کس وقت تیار کی جاتی ہے، اس کا عقل سے کیا تعلق۔ ایک بننے نے ریل میں مجھ سے پوچھا کہ آج کل آپ کے یہاں گیہوں کا کیا بھاؤ ہے۔ میں نے کہا کہ مجھ کو معلوم نہیں، اس کو بڑا تعجب ہوا۔ وجہ یہ کہ ان کے یہاں تو اس کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں۔ ان کے یہاں عقل کی ایک بات بھی نہیں، شب و روز اکل کی فکر ہے۔

تو ایسے واقعات میں تو خود معترضین ہی میں عقل کی کمی ہے۔ دیکھئے چمار تجربہ رکھتا ہے چڑے کے متعلق اور شناخت کرتا ہے۔ وائے سرائے کو اگر چڑا دکھایا جائے اور اس کے متعلق کچھ پوچھے اور وہ انکار کرے کہ مجھ کو اس کی حقیقت معلوم نہیں تو اس میں عقل کی کیا بات ہے، بس ایک چیز کا تجربہ نہیں۔ (صفحہ ۶۲)

غصہ کے موقع ہر غصہ نہ آنا

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ بزرگی کے لوازم میں سے یہ بھی سمجھتے ہیں کہ بزرگوں میں بے حسی، بے غیرتی ہو، کسی چیز سے متاثر نہ ہوں۔ جماد کی طرح سب کے تابع رہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ بزرگوں کو بت سمجھتے ہیں کہ ان کے ساتھ جو چاہو برتاؤ کرو، ان کو حس ہی نہیں ہوتی اور اس کو بے نفسی کہتے ہیں۔ ان انبیاء کو یہ خبر نہیں کہ بے نفسی اور چیز ہے، بے حسی اور چیز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ جس کو غصہ دلایا جائے اور اس کو غصہ نہ آئے وہ حمار (گدھا) ہے اور جس سے معذرت کی جائے اور وہ معذرت کو قبول نہ کرے وہ شیطان ہے۔ مطلب یہ کہ دونوں چیزوں سے متاثر ہونا یہ انسانیت ہے۔ (صفحہ ۶۹)

محبت خداوندی کی سخت ضرورت ہے

فرمایا کہ طریق میں بعد تصحیح عقائد و اعمال ضروریہ کے سب سے بڑی چیز محبت ہے۔ اس کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ مراقبات سے بھی زیادہ تر یہی مقصود ہے کہ ان سے یکسوئی ہو اور یکسوئی سے محبت ہو اور سماع میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اس سے یکسوئی ہو جاتی ہے اور یکسوئی کے ساتھ ایک ہیجان بھی ہوتا ہے مگر ہیجان اسی محبت کا ہوتا ہے جو پہلے سے ہو۔ اگر خدا کی محبت ہے تو اس کا ہیجان ہوتا ہے اور اگر مخلوق کی محبت ہے تو اس کا ہیجان ہوتا ہے۔ اسی لئے سماع کی ہر شخص کو اجازت نہیں ہے۔ (صفحہ ۹۰)

آج کل دنیا بد فہموں سے پُر ہے

فرمایا کہ آج کل دنیا بد فہموں سے پُر ہے۔ یہ ایک عام اعتراض پیدا ہو گیا ہے کہ مل کر کام کرنا چاہیئے اور چونکہ مولوی الگ رہتے ہیں اور کام کرنے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہوتے اس وجہ سے ترقی نہیں ہوتی۔ اعتراض کر دینا تو آسان بات ہے مگر مشکل یہ ہے کہ شرکت کا کوئی معیار نہیں بتایا جاتا، بدون معیار بتائے ہوئے علی الاطلاق اپنا تابع بنانا چاہتے ہو سو یہ تو واقعہ ہے کہ مولوی تمہارے تابع تو نہ بنیں گے۔ اب رہا یہ کہ پھر مل کر کام کرنے کا طریقہ کیا ہے سو وہ میں عرض کرتا ہوں کہ مل کر کام کرنے کی صورت یہ ہے کہ جو چیز تم کو معلوم نہیں یعنی احکام ان کو تو تم ہم سے پوچھ کر کرو اور جو ہم کو معلوم نہیں یعنی ملک کے واقعات وہ ہم تم سے پوچھ کر اس پر احکام بتلائیں۔ یہ ہے شرکت کی صورت، باقی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علوم شرعیہ اور احکام شرعیہ میں بھی آپ ہی کی رائے مانی جائے۔ ظاہر ہے کہ جیسا ہم قانون کے سمجھنے میں غلطی کر سکتے ہیں ایسے ہی آپ علم شریعت میں غلطی کریں گے۔ اس کا فیصلہ آپ ہی کر لیں کہ جس نے اپنی ساری عمر دین کی خدمت میں صرف کر دی ہو وہ دین کو زیادہ سمجھے گا یا وہ شخص جس نے کبھی عمر بھر دین کی طرف رُخ بھی نہ کیا ہو۔ عجیب بات ہے کہ مقدمات تو سب صحیح اور نتیجہ غلط اور جن علماء نے تمہارے ساتھ تمہارے تابع ہو کر کام کیا انہوں نے ہی کون سا انعام پایا بلکہ خود اپنی آخرت کو خراب و برباد کیا۔ (صفحہ ۹۲)

شیخِ کامل کی اشد ضرورت

فرمایا کہ اس طریق میں شیخِ کامل کے اتباع کی ضرورت ہے۔ وہ اس راہ کا واقف ہوتا ہے۔ وہ نفس اور شیطان کے مکائد سے آگاہ کرتا ہے۔ شیخِ کامل کے سر پر ہوتے ہوئے شیطان کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ گو شیطان کے کید کے متعلق مشہور تو بہت کچھ ہے مگر حق تعالیٰ فرماتے ہیں

ان کید الشیطان کان ضعیفا
(ترجمہ: تحقیق کہ شیطان کا مکر ضعیف ہوتا ہے)
اور حدیث ہے کہ

فقہہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد
(ترجمہ: ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے گراں ہے)

یہ اشدیت اس لئے ہے کہ شیطان شرارت سے ایک بات دل میں ڈالتا ہے اور بڑی مشکل سے اس پر جماتا ہے مگر سالک کے بیان کرنے پر شیخ نے اس کی شرارت اور مکر کو سمجھ کر ظاہر کر دیا۔ شیطان نے سر پیٹ لیا کہ اس کے برسوں کے منصوبوں پر پانی پھر گیا مگر جو لوگ اب اس دقیقہ کو نہیں جانتے وہ اسی غلبان اور الجھن میں رہتے ہیں کہ نہ معلوم شیطان کیا نقصان پہنچا دے۔ بات یہ ہے کہ اگر شیطان دشمنی کرے بھی اور ہے ہی دشمن مگر پھر بھی علمِ صحیح اور توکل کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال ان حضرات کے مقابلہ میں خربوزہ کی سی ہے اور وہ حضرات چھری ہیں۔ اگر خربوزہ کوشش کر کے چھری پر گرے تو خربوزہ ہی کا نقصان ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ اہل اللہ کا دشمن بنے تو یہی خسارہ میں رہتا ہے۔ اس لئے اس راہ میں قدم رکھنا بدون شیخِ کامل کے جو اس کے فریبوں کا خوب جاننے والا ہے خطرہ سے خالی نہیں۔ بدون شیخِ کامل کے اس راہ میں قدم رکھنا ایسا ہے جیسا کہ بدون طبیبِ حاذق کے کوئی شخص اپنا علاج خود کرنا چاہے گو کتاب ہی دیکھ کر کرے کیونکہ کتاب کو بھی طبیب ہی سمجھتا ہے۔ (صفحہ ۹۹)

سلف صالحین کی کوئی امتیازی شان نہ تھی

فرمایا کہ اہل علم کو تو جی یوں چاہتا ہے کہ اس طرح رہیں کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو کہ یہ کون ہیں۔ اپنے بزرگوں کو اسی طرز پر دیکھا ہے۔ عوام میں ملے جلے رہتے تھے۔ کوئی امتیازی شان نہ تھی۔ آج کل ایک امتیازی شان زیادہ چپ رہنا بھی ہے اس لئے اہل علم کے لئے یہ طرز بھی ناپسند ہے کہ ہر وقت خود داری کی حفاظت میں رہیں۔ (صفحہ ۱۰۳)

خاصانِ حق کی صحبت کے فرضِ عین ہونے کا فتویٰ

فرمایا کہ آج کل زمانہ نہایت ہی پُر فتن ہے۔ اس میں تو لوگوں کے ایمان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ چہار طرف سے بد دین، ملحد، زندیق بنانے کی سعی اور کوشش کی جا رہی ہے۔ اس لئے بزرگوں کی صحبت کی سخت ضرورت ہے اور اس موجودہ زمانے کی حالت کو دیکھتے ہوئے میں تو خاصانِ حق کی صحبت کے فرضِ عین ہونے کا فتویٰ دیتا ہوں۔ ان کے ساتھ وابستہ رہنے سے لوگ اپنے ایمانوں کو سلامت تو رکھ سکیں گے تو جو چیز شرط ہو دین اور ایمان کی حفاظت کی اس کے فرضِ عین ہونے میں کیا کسی کو شبہ ہو سکتا ہے۔ (صفحہ ۱۱۶)

سب سے بدتر حرکت

فرمایا کہ سب سے بدتر حرکت میرے نزدیک یہ حرکت ہے کہ لوگوں کو بھلا پھسلا کر کسی کا معتقد بنا کر لایا جائے۔ ایک مولوی کو اس باب میں بڑا غلو ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اس سے لوگوں کو صحیح راستہ کی طرف ہدایت ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ میں نے کہا کہ نیت تو بری نہیں مگر عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ عقلِ سلیم کی رو سے اس کا بہترین طریق یہ ہے کہ پانچ چھ بزرگوں کے نام لے دیا کرو، ایک میں حصر نہ کیا کرو۔ اس کے خلاف میں بہت مفاسد ہیں۔ آگے یہ سوال رہا کہ ان پانچ چھ میں انتخاب کا معیار کیا ہے سو اس بارے میں یہ مشورہ دیا کرتا ہوں کہ ان سب جگہ وہ اپنی حالت لکھ کر اصلاح کا سوال کرے۔ جہاں سے اس کے مذاق کے موافق تسلی بخش جواب آئے وہاں رجوع کرے۔ بس یہ طریق اس سے بدرجہا

احسن ہے کہ ایک شخص کا نام لے کر اس سے تعلق رکھنے کی ترغیب دی جائے اور صاحب اپنا اپنا ذوق ہے۔ مجھ کو تو ایسی ترغیب سے غیرت معلوم ہوتی ہے اور یہ امور میرے ذوقی اور فطری ہیں، میں مجبور ہوں۔ اگر دوسروں کو اس کا احساس نہ ہو یہ جدابات ہے۔ (صفحہ ۱۸۰)

عشق طبعیت کے تناسب پر موقوف ہے

فرمایا کہ یہ عشق خوبصورتی پر تھوڑا ہی موقوف ہے۔ وہ تو مناسبت کی وجہ سے ایک خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ حسن و جمال پر موقوف نہیں، طبعیت کے تناسب پر موقوف ہے۔ پھر تو کچھ ہوا کرے وہ دل سے نہیں نکل سکتا اور آج کل تو اکثر میں نفس کی شرارت ہے، عشق نہیں ہے فسق ہے۔ جب تک شباب رہتا ہے یہ نشہ رہتا ہے سو یہ کوئی محبت نہیں، یہ تو شہوت پرستی ہے۔ نیز اگر چار وقت کھانے کو نہ ملے تو سب ختم۔ تو آج کل کا یہ عشق گندم کھانے کا فساد ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

ایں نہ عشق ست آنکہ در مردم بود

ایں فساد خوردن گندم بود

عشق تو اس کو کہتے ہیں جیسا مجنوں کا تھا کہ لیلیٰ بوڑھی ہو گئی تھی مگر اس کی وہی محبت رہی۔ کبھی اہل شہوت کو بھی یہ حالت پیش آئی ہے؟ غرض نہایت خطرناک چیز ہے اس لئے اس کا علاج نہایت ضروری ہے۔ وہ علاج یہ ہے کہ اس میں جو فعل اختیاری ہے جیسے دیکھنا باتیں کرنا قصدِ خیال کرنا اس کو ترک کرنا چاہیئے۔ بزرگوں کے حالات پڑھا کریں یعنی ان کی حکایات و قصص۔ کبھی بہت غلبہ ہو تو کسی کریمہ المنظر شخص کا تصور کر لیا کریں۔ پہلے تو میں یہ بتلا دیتا تھا کہ محبوب سے لڑ پڑو۔ مگر تجربہ سے بعض جگہ یہ مضرت ثابت ہوا کیونکہ محبوب کی ناراضگی سے اس قدر قلق ہوا کہ جان تک گنوانے کو تیار ہو گیا حتیٰ کہ ایسی حالت میں خودکشی واقع ہو گئی۔ ادھر تو محبوب کی جدائی ادھر ناراضگی اس طرح سے بعض جگہ یہ مضرت ثابت ہوا اس لئے اب یہ علاج نہیں بتاتا بلکہ اوپر والا علاج بتاتا ہوں۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ بعض

جگہ دیکھا گیا ہے کہ قرب سے سکون ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ ملنے سے جو سکون ہوتا ہے وہ عارض کی وجہ سے ہیجان کم ہو جاتا ہے جس کو سکون سمجھا جاتا ہے مگر اس کے بعد جب جدائی ہوگی اس وقت جو ہیجان ہوگا وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ اس میں بعض کو یہ غلطی ہوتی ہے کہ محض نظر کو جس میں بد فعلی کا خیال نہ ہو پاک محبت سمجھتے ہیں۔ مگر یہ خیال محض غلط ہے۔ اہل تحقیق نے تصریح کی ہے کہ اہل شہوت کے تین درجے ہیں:

قوم ينظرون وقوم يلمسون وقوم يفعلون

اور بعض جگہ فعل پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے فعل کا خیال غالب نہیں ہوتا۔ اس سے غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ہم شہوت سے مبرا ہیں اور محض صاحب نظر ہیں سو یہ بالکل غلط ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی فاقہ زدہ یا روزہ دار کے سامنے کھانا ہو اور وہ حسی یا شرعی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی طرف التفات نہ کرے تو کیا اس کو اشتیاق نہیں مگر عارض کے سبب اس کا ظہور نہیں ہوا اور یہ عشق جس کو میں فسق سے تعبیر کر رہا ہوں علاوہ قبح شرعی کے قبح عقلی بھی تو ہے کیونکہ اس میں انتہائی مقصود وہ جگہ ہے کہ اگر محبوب کی صورت نہ دیکھے اور پہلے ہی سے وہ مقام سامنے کر دیا جائے تو تھوک کر کھڑا ہو جائے چنانچہ دہلی کے ایک شاعر ایک بھنگن پر عاشق ہو گئے۔ بالآخر وہ مل گئی۔ جب پاس پہنچے تو اس قدر نفرت ہوئی کہ اٹھ کر بھاگ گئے اور پھر کبھی اس کا خیال بھی نہ آیا۔ وہ لطیف المزاج تھے، اس وقت یہ تصور غالب ہو گیا کہ یہ بھنگن ہے، پاخانہ اٹھانے والی ہے، بس اس تصور سے طبیعت کو نفرت ہو گئی۔ اور ان اہل عشق میں بعضے تو ایسے ہیں کہ ان کو لڑکوں کی طرف میلان ہوتا ہے عورتوں کی طرف نہیں ہوتا اور بعضے ایسے ہیں کہ ان کو عورتوں کی طرف میلان ہوتا ہے لڑکوں کی طرف نہیں ہوتا اور بعض کو دونوں طرف ہوتا ہے۔ تو ان اہل عشاق کی تین قسمیں ہوں گی اور یہ سب قسمیں فساق ہیں اور آثار کے اعتبار سے یہ مرض سب امراض سے اشد ہے اور نہایت ہی خبیث اور مغبوض و مردود مرض ہے جس سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ (صفحہ ۲۰۹)

عقلِ سلیم رکھنے والے کو شیخ کی مختصر تعلیم بھی کافی ہے

فرمایا کہ اگر کوئی شخص فہم ہو اور عقلِ سلیم رکھتا ہو تو شیخ کی تھوڑی سی تعلیم کے بعد طریق کی حقیقت کو سمجھ کر خلوت میں بیٹھ جائے اور کام میں لگ جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ وہی تھوڑی سی تعلیم کفایت کرے گی۔ باقی بد فہم اور بد عقل کو دفتر بھی کفایت نہیں کر سکتے۔ اس کو مدت دراز تک کام میں لگا رہنا ضروری ہے اور ہر حال میں کام کی فکر شرط ہے مگر اس وقت بڑے بڑے دینداروں کو دیکھا ہے کہ بے فکری کے مرض میں مبتلا ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ وقت پر کام ہو جائے گا، ابھی جلدی کیا ہے مگر ایسا سمجھنے والا ہمیشہ ٹوٹے میں رہتا ہے۔ بھائی آخر کب ہو جائے گا جب کرو گے ہی نہیں۔ کیوں ان باتوں میں پڑ کر اوقات ضائع کرتے ہو۔ یہ سب نفس کی شرارت ہے جو آج کے کام کو کل پر ٹالتا ہے۔ پھر جب اگلی کل آتی ہے پھر وہی سبق دہراتا ہے۔ ساری عمر اسی طرح ختم ہو جاتی ہے۔ (صفحہ ۲۱۶)

مکر و فریب سے طبعی نفرت

فرمایا کہ آدمی سچا ہو، اس میں مکر و فریب نہ ہو، بس یہ ادا مجھ کو پسند ہے جس میں بھی یہ ادا ہو اور متعارف اپنی پیچ اور مکر و فریب سے مجھ کو طبعی نفرت ہے مگر آج کل یہ محاسن میں داخل ہو گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بہت ہوشیار ہیں، بیدار مغز ہیں مگر مکاری چالاک کی کو بیدار مغزی سے کیا تعلق۔ (صفحہ ۲۹۱)

طریق میں سم قاتل

فرمایا کہ اس طریق میں سب سے بدتر اور ہزن اور سم قاتل مخلوق کو ستانا اور اس پر ظلم کرنا ہے، خواہ کسی عنوان اور کسی طریق سے ہو اس لئے اس سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے۔ (صفحہ ۲۹۴)

اہل اللہ کی محبت ضرور رنگ لاتی ہے

فرمایا کہ جس کے قلب میں اہل اللہ کی اور دین کی عظمت ہو یہ ضرور رنگ لا کر رہتی ہے، خالی نہیں جاتی۔ یہ خدا کی بڑی نعمت اور بڑی دولت ہے۔ (صفحہ ۲۹۴)

لڑکوں کو مکتب سے وحشت کا سبب

فرمایا کہ لڑکوں کو جس قدر مکتب اور مدرسہ جانے سے وحشت ہوتی ہے اس قدر وحشت و خوف موت سے بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے سخت ضرورت ہے کہ ان کو مانوس بنا کر تعلیم دی جائے تاکہ یہ وحشت دور ہو مگر آج کل کے استاد بجائے مانوس بنانے کے بچوں کو اس قدر مارتے ہیں کہ اور وحشت بڑھ جاتی ہے سو یہ طرز بہت ہی برا ہے۔ پھر ایک حکایت بیان فرمائی کہ مامون رشید یا ہارون رشید کا واقعہ ہے صحیح یا نہیں رہا۔ ان میں سے کسی کا لڑکا مکتب میں پڑھنے جاتا تھا۔ ایک لڑکا ان کا غلام تھا۔ وہ بھی پڑھتا اور مدرسہ میں ضروری خدمت بھی کرتا تھا۔ اس غلام کا انتقال ہو گیا۔ اس پر بادشاہ کو خیال ہوا کہ لڑکے کو رنج ہوا ہوگا۔ کہا کہ بیٹا تمہارا خادم مر گیا، ہم کو بڑا رنج ہے۔ لڑکے نے کہا کہ ابا جان اچھا ہوا، مکتب سے چھوٹ گیا۔ اس وحشت کی کوئی انتہا ہے۔ (صفحہ ۳۱۵)

اہل اللہ کا شعار عدل اور اعتدال ہوتا ہے

فرمایا کہ اہل اللہ اور خاصان حق ادب کے پتلے ہوتے ہیں۔ ہر چیز کو اس کی حد پر رکھتے ہیں اور اس کے حقوق کو ادا کرتے ہیں۔ عدل اور اعتدال ان کا خاص شعار ہوتا ہے۔ ہر چیز کے لئے ان کے یہاں میزان عدل ہوتی ہے۔ بالکل اس کے مصداق ہوتے ہیں جیسا کہ روایات میں آیا ہے

خیر الامور اوسطھا

ہمارے حضرت حاجی صاحب سب سے خدمت لیتے تھے مگر عالم اور سید اور بوڑھے سے خدمت نہ لیتے تھے۔ ان صفات کا خاص ادب فرماتے تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت عالم افضل ہے یا سید؟ فرمایا کہ ایک بات تو ہم جانتے ہیں کہ ایک جاہل سید ہم کو لا کر دو، دس سال کے بعد عالم بنا کر تم کو دے دیں گے اور ہم تم کو ایک غیر سید دیتے ہیں، تم بیس برس میں اس کو سید تو بنا دینا۔ اتنا فرق

تو ہم کو معلوم ہے۔ عجیب جواب ہے، نہ سید کی بے ادبی ہوئی نہ عالم کی۔ شاہ صاحب کے اکثر ایسے ہی جواب ہوتے تھے۔ (صفحہ ۳۲۲)

دنیا کی عجیب مثال

فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب نے دنیا کی عجیب مثال دی کہ دنیا سانپ ہے تو اس کو وہ پکڑے جو منتر جانتا ہو۔ صحابہ اس کا منتر جانتے تھے اس لئے وہ ان کو مضر نہیں ہوئی اور ہم منتر جانتے نہیں اس لئے ہم کو اس سے بچنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ڈس نہ لے۔ اس دارالحرزن میں بہت ہوشیار ہو کر رہنے کی ضرورت ہے۔ ذرا غفلت ہوئی اور اس نے اپنا وار کیا۔ اس لئے ہر وقت خدا سے دعا کرتا رہے، ڈرتا رہے اور دین کے کام میں لگا رہے اور عمر بھر اسی مجاہدہ میں رہے کیونکہ یہ وہ راہ ہے کہ اس سے تمام عمر بھی فراغ کی امید کرنا بڑی بے عقلی ہے۔ (صفحہ ۳۳۰)

بیماری اور مصیبت میں حکمتِ خداوندی

فرمایا کہ ہر چیز میں خدا کی حکمت اور رحمت رکھی ہوئی ہے حتیٰ کہ بیماری اور مصیبت میں بھی کیونکہ اگر انسان ہمیشہ تندرست رہے تو کبھی دنیا سے جانے کو جی نہ چاہے۔ اگر چاہے تو بھی تکلف کے ساتھ اور بیماری وغیرہ کی وجہ سے دنیا سے نفرت ہو جاتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ اپنے اصلی گھر کو جائیں تاکہ راحت نصیب ہو۔ یہ کتنی بڑی راحت اور حکمت ہے۔ (صفحہ ۳۳۱)

عطاء حق کو استحقاق سمجھنا زوال کا سبب ہے

فرمایا کہ جب تک نعمتِ خداوندی کو عطاء سمجھ کر استعمال کرتا رہے گا کبھی زوال نہ ہوگا اور جب اپنا استحقاق سمجھے گا تو چونکہ اس عطاء کی بے قدری ہوگی اس لئے زوال اس کے ساتھ ساتھ ہوگا جو بڑے خوف کی بات ہے۔ (صفحہ ۳۳۲)

ہر حال میں تفویض بہتر ہے

فرمایا کہ جس کو حق تعالیٰ فراغ نصیب فرما دیں بڑی دولت ہے، بڑی نعمت ہے لیکن اگر یہ نہ ہو تو اس میں بھی حکمت ہے۔ غرض جس حال میں رکھیں وہی رحمت ہے۔ اپنی

تجويز سے کچھ نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو پیش آئے اس پر راضی رہنا چاہیئے۔ حاصل یہ کہ ہر حال میں تجويز سے تفویض بہتر ہے۔ بعض اوقات جس چیز کو راحت کے لئے تجويز کرتا ہے وہی آلہ کلفت ہو جاتی ہے۔ (صفحہ ۳۴۷)

اصول صحیحہ میں راحت

فرمایا کہ اگر مسلمان اصول صحیحہ اور احکام شرعیہ کا اتباع کریں تو ساری دنیا بھی مل کر ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا۔ اسی ڈبہ میں چند دیہاتی مسلمان بیٹھے ہوئے تحریکاتِ حاضرہ کے متعلق آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور اپنی اپنی کہہ رہے تھے۔ میں بھی سن رہا تھا۔ ایک ان میں سے خاموش بیٹھا سن رہا تھا۔ جب سب اپنی اپنی کہہ چکے تو وہ شخص بولا اپنی اپنی تو تم کہہ چکے، اب میری بھی سن لو، کیوں اتنے بکھیرے کئے، اگر مسلمان دو باتوں کی پابندی کر لیں ساری دنیا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ایک بولا کہ بتلا وہ کیا بات ہے۔ کہتا ہے کہ ایک رہو اور نیک رہو، دیکھیں پھر کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ کیسی عجیب بات کہہ گیا۔ آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ دو جملوں میں تمام احکام شرعیہ کا خلاصہ بیان کر گیا۔ ان دیہاتیوں کا دماغ بڑا صحیح ہوتا ہے۔ الفاظ تو بوجہ بے علمی کے ان کے پاس ہوتے نہیں مگر بات پر مغز ہوتی ہے۔ واقعی اصول صحیحہ جو وقتاً فوقتاً احباب کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں ایسی ہی چیز ہیں کہ ان سے دنیا میں بھی راحت ہوتی ہے اور آخرت میں بھی راحت ملے گی۔ چونکہ مسلمانوں نے اصول صحیحہ کو چھوڑ دیا اس وجہ سے پریشان و سرگرداں ہیں۔ دوسری قوموں نے ان اصولوں کی قدر کی اور ان کو اختیار کیا وہ راحت اٹھا رہے ہیں۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں۔ جو بھی ان کو اختیار کرے گا راحت پائے گا۔ جیسے سڑک ہے، دونوں طرف درخت ہیں، بیچ میں پختہ ہے، کلکتہ سے پشاور تک ہے۔ جو بھی اس پر چلے گا راحت پائے گا۔ اس میں یہ قید نہیں کہ چلنے والا بھنگی ہے یا چمار ہے یا سید ہے یا شیخ ہے یا مغل ہے یا پٹھان ہے یا ہندو ہے یا نصرانی ہے یا مسلم یا غیر مسلم ہے۔ ایسے ہی اصول صحیحہ پر جو بھی عمل کرے گا وہی راحت پائے گا۔ (صفحہ ۳۴۷)

حضراتِ اہل اللہ حکیم ہوتے ہیں

فرمایا کہ حضراتِ اہل اللہ حکیم ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں ہر چیز کی صحیح میزان ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ باوجود یہ کہ خود سلطان التارکین، سید التارکین تھے مگر دوسروں کے لئے ان کی حالت کے موافق تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنی جائیداد غیر مشروط وقف کرنا چاہی۔ حضرت سے مشورہ کیا۔ حضرت نے اس طرح وقف کرنے سے منع فرمایا۔ یہ فرمایا کرتے تھے کہ نفس کے بہلانے کو بھی کچھ اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ کیسی حکیمانہ بات ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے حضرت سے ملازمت چھوڑ دینے کا اور توکل کرنے کا مشورہ کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ مولانا ابھی تو آپ پوچھ ہی رہے ہیں۔ پوچھنا دلیل ہے تردد کی اور تردد دلیل ہے خامی کی اور خامی کی حالت میں ملازمت چھوڑنا موجب پریشانی اور تشویشِ قلب کا ہوگا اور جب پختگی کی کیفیت قلب میں پیدا ہو جائے گی تو اور لوگ منع کریں گے اور تم رے توڑا کر بھاگو گے۔ وہ وقت ہے ترکِ اسباب کا اور یہ پختگی شیخِ کامل کی صحبت میں رہ کر نصیب ہوتی ہے۔ غرض حضرت مولانا کو تو ملازمت کے چھوڑنے کو منع فرمایا مگر خود حضرت کا توکل بدرجہ کمال بڑھا ہوا تھا۔ ایک نواب صاحب کو جو اپنی ریاست کا انتظام کر کے خود مہاجر بن کر مکہ میں رہنا چاہتے تھے، حضرت نے یہ تحریر فرمایا تھا کہ یہاں جو آؤ تو اپنے خرچ کے لئے تو ریاست سے کچھ رقم منگا لینے کے انتظام میں مضائقہ نہیں گو فی حد ذاتہ یہ بھی بے ادبی ہے اور ایسی مثال ہے جیسے کوئی کسی بڑے کریم کا مہمان ہو کر آئے اور بغل میں کھانا دبا کر لائے تاکہ میزبان کے گھر بیٹھ کر کھائیں گے۔ ظاہر ہے کہ کتنی بڑی بے ادبی ہے لیکن ایک عارض کی وجہ سے اس کی اجازت ہے۔ وہ عارض یہ ہے کہ تم ابتدا سے اسباب کے خوگر ہو اور اس عادت کے بعد اسباب کا ترک کرنا موجب تشویش ہوگا اس لئے ایسی رقم تو منگا لیا کرو لیکن خیر خیرات کرنے کی غرض سے یہاں کچھ نہ منگنا کیونکہ اس کا انتظام اور تقسیم یہ خود خلافِ جمیعت خاطر ہے جو صاحبِ طریق کے لئے سخت مضر ہے اور گو یہ فعل فی نفسہ سخاوت ہے لیکن ہر شخص کی سخاوت جدا ہے۔ یہ زہد کی سخاوت ہے اور عاشق کی سخاوت دوسری ہے جو

اس سے اکمل ہے اور یہ شعر تحریر فرمایا۔

نان دادن خود سخائے صادق ست

جان دادن خود سخائے عاشق ست

(ترجمہ: روٹی دینا اچھی سخاوت ہے اور عاشق کی سخاوت جان دینا ہے)

(صفحہ ۳۶۳)

عمر کی حالت مانند برف ہے

فرمایا کہ لوگوں کے قلوب میں مال کی قدر ہے، جان کی قدر ہے مگر وقت کی قدر نہیں۔ ایک برف کا تاجر منادی کرتا پھرتا تھا کہ بھائی مجھ پر رحم کرو، میں برف کا تاجر ہوں جس کا سرمایہ ہر وقت گھٹتا ہی رہتا ہے۔ جلدی خرید لو تا کہ اس کا بدل محفوظ ہو جائے۔ بس یہی حالت ہماری عمر کی ہے کہ ہر وقت عمر کھٹتی چلی جاتی ہے۔ اگر اس کا کچھ بدل کما لیا تو نفع میں رہا ورنہ خسارہ ظاہر ہے۔ لوگوں کو وقت کی ایسی بے قدری ہے کہ اگر کسی سے دو پیسے مانگے جائیں تو سوچ کر دے گا لیکن اگر دو گھنٹے مانگے جائیں تو چار گھنٹے دینے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ (صفحہ ۳۶۶)

(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۶)

خلفاء راشدین کی حکومت میں قوتِ اخلاص

فرمایا کہ بعضی حکومتوں میں سلاطین کی شان نہیں ہوتی، تجارت ہوتے ہیں۔ حکومت اس طرح نہیں ہوا کرتی۔ ایسی حکومت میں ایک بڑی کمی یہ ہوتی ہے کہ حبّ دنیا کی وجہ سے اس میں استغنا نہیں ہوتی تو ایسی حکومت خواہ کتنی ہی بڑی قاہر سلطنت ہو مگر لوگوں پر اس کا ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا۔ اس کا اصلی سبب وہی حبّ دنیا ہے کہ زوالِ حکومت کے اندیشہ سے رعایا کی اغراضِ غیر صحیحہ میں بھی تابع ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ سلطنت خواہ رہے یا جائے تو کیا مجال تھی کہ کوئی زبان بھی کھولتا اور جو شخص یہ سمجھے گا حکومت وہی کر سکتا ہے ورنہ خسر الدنیا والآخرة کا ظہور ہوگا۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ حبّ دنیا راسُ المعاصی ہے اور معصیت میں خاصیت ہے مسحِ عقل کی۔ یہ تجربہ کی بات ہے۔ آخر خلفاء راشدین میں کیا بات تھی، زیادہ تجربہ بھی نہ تھا اور بھی کوئی ایسی ظاہری ممتاز بات نہ تھی مگر ہر بات میں نور ہوتا تھا۔ پھر دیکھ لیجئے کیسی حکومت کر گئے کہ کسی نے دم تک نہیں مارا۔ وہ قوتِ اخلاص کی تھی۔ (صفحہ ۳۰)

سفارش کے احکام

فرمایا کہ کسی سفارش کرنا تو صرف مستحب ہے اور اگر جس سے سفارش کی جاوے اس کو سفارش سے تکلیف ہو تو اس سے بچنا واجب ہے اور عقلی شرعی مسئلہ ہے کہ جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت زیادہ اہم ہے مثلاً کسی کو ایک روپیہ دے دینا تو واجب نہیں مگر لاٹھی نہ مارنا واجب ہے۔ اس لئے ایسی سفارش کہ مخاطب کو گرائی ہونا جائز ہے۔ یہ اخلاق کا باب نہایت دقیق ہے۔ اکثر لوگ اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ (صفحہ ۳۸)

اصلاح کا باب بہت نازک ہے

فرمایا کہ اصلاح کا باب نہایت ہی نازک ہے۔ ہر شخص اصلاح نہیں کر سکتا جیسے ہر

شخص طبیب نہیں بن سکتا اور علاج نہیں کر سکتا۔ صالح بننا سہل ہے، مصلح بننا مشکل ہے جیسے تندرست ہونا آسان ہے معالج بننا مشکل ہے۔ (صفحہ ۳۹)

طلب صادق کے بغیر اصلاح ممکن نہیں

فرمایا کہ اصلاح بدون طلب صادق اور بدون اپنے ارادہ کے نہیں ہو سکتی۔ اس طریق میں اپنے کو مٹا کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں اور پھر ساری عمر کی اُدھیڑ بن ہے۔ یہ بھی نہیں کہ اس کے لئے کوئی مدت یا وقت مقرر ہے بلکہ اگر عمر نوح بھی کسی کو عطا ہو تب بھی اس اُدھیڑ بن سے فراغ نصیب نہیں ہو سکتا۔ اسی کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تادم آخر دے فارغ مباش

(صفحہ ۳۹)

سلامتی کا دار و مدار مصروفیت میں ہے

فرمایا کہ سلامتی اس میں ہے کہ شغل سے خالی نہ رہے، خواہ دنیا ہی کے کسی جائز شغل میں مشغولی ہو۔ ہر حال میں شغل بے شغلی سے اچھا ہے۔ تجربہ ہے کہ جب انسان بالکل خالی ہوتا ہے اس پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ پھر اشتغال میں سب سے بہتر تو عارف کی صحبت ہے ورنہ پھر تو نوم و غفلت محض ہو جس میں قویٰ مدر کہ محض معطل رہیں۔ غرض بیکاری سے یہ سب چیزیں بہتر اور افضل ہیں۔ (صفحہ ۴۶)

توکل کی حقیقت

فرمایا کہ توکل کی حقیقت ہے حق تعالیٰ پر نظر رکھنا خواہ بدون اسباب کے خواہ اسباب ظاہرہ کے ہوتے ہوئے کیونکہ بدون اسباب کے بھی مطلوب کے ترتب پر وہ قادر ہیں۔ دیکھئے مکڑی جالا بنا کر بیٹھ جاتی ہے تو جانوروں میں آکر چھنستے ہیں، وہ جالا کہیں اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا یا شکاری جنگل میں جال لگاتا ہے تو شکار خود آکر پھنستا ہے، وہ جال اڑ کر

نہیں پھنساتا پھرتا۔ بس مسبب الاسباب پر نظر رکھنا یہی حقیقت ہے توکل کی۔ اس کے بعد خود ترک اسباب کی اجازت یا عدم اجازت یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قوی القلب کو اسباب ظنیہ کے ترک کی اجازت ہے لیکن اسباب یقینیہ کا ترک مطلقاً اور ضعیف القلب کو اسباب ظنیہ کا ترک بھی ناجائز ہے۔ (صفحہ ۴۹)

فضولیات سے اعراض

فرمایا کہ عبث اور فضول میں تو وہ پڑے جس کو ضروریات سے غفلت ہو اور ضروریات کی فکر نہ ہو۔ دین اور آخرت کی فکر کرنے والے کو کبھی فضولیات کی فرصت نہیں ہو سکتی۔ دیکھئے یہ دل کی لگی اور ضرورت اور فکر ایسی چیز ہے کہ اگر کسی کا لڑکا مر جاوے اور ابھی اس کی تجہیز و تکفین نہ ہوئی ہو، اس حالت میں اس سے کوئی اقلیدس کی شکل سمجھنے کی درخواست کرے تو وہ کیا کہے گا۔ بس یہی اہل اللہ کی ہر وقت حالت ہے۔ ان کو اس کی فرصت کہاں کہ کسی پر کفر کا فتویٰ دیں۔ دوسری مثال سمجھئے کہ اگر کسی کی کشتی بیچ سمندر میں ڈانوں ڈول ہو، کیا اس حالت میں اس کو مناظرہ کی سوچھے گی؟ اس کی نظر تو صرف کشتی پر ہوگی۔ حضرت رابعہ بصریہؒ سے کسی نے پوچھا کہ کبھی تم نے شیطان پر لعنت بھی کی ہے؟ فرمایا کہ مجھے اپنے محبوب کی یاد ہی سے فرصت نہیں جو دشمن کی فکر کروں اور اس کی برائی کروں۔ (صفحہ ۵۵)

نفس کا شر شیطان سے زیادہ ہے

جیسے چھوٹوں کو بہت امور میں بڑوں کی ضرورت ہے ایسے ہی بڑوں کو بھی بہت امور میں چھوٹوں کی ضرورت ہے۔ خود رائی نہ بڑوں سے پسند نہ چھوٹوں سے۔ مزاحاً فرمایا کہ ہاں اگر دونوں اپنے کو خود رائی سمجھیں تو یہ بات نہایت پسندیدہ ہے بلکہ اصل مقصود ہے مگر آج کل یہی مرض خود رائی اور کبر کا زیادہ تر عام ہو گیا ہے۔ یہ نفس کم بخت بڑا ہی دشمن ہے۔ کسی کو اس پر اطمینان نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ وہ چیز ہے کہ اس نے بڑوں بڑوں کو پلک جھپکنے میں کہیں سے کہیں پھینک مارا ہے۔ میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ شیطان کو تو یہ کہتے ہو کہ وہ ہم کو بہکاتا ہے

مگر شیطان کو کس نے بہکایا ہے کہ اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ یہ نفس صاحب ہی کے تو کرشمے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفس کا شر شیطان سے بھی بڑھا ہوا ہے بلکہ جو لوگ صاحب مجاہدہ اور صاحب ریاضت کہلاتے ہیں ان کو بھی مطمئن اس نفس سے نہیں ہونا چاہیے کہ ہم نفس کشی کر چکے ہیں، اب اس سے کوئی اندیشہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ کبھی اسباب نہ ہونے کی وجہ سے دبا رہتا ہے اور اسباب ہونے پر یہ نہایت ہی سرکش ثابت ہوتا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ مجاہدات و ریاضات سے رذائل کا ازالہ نہیں ہوتا بلکہ امالہ ہو جاتا ہے اس لئے بے فکری کسی وقت نصیب نہیں ہو سکتی اور نہ بے فکر ہونا چاہیے۔ دشمن ہر وقت تاک میں ہے۔ (صفحہ ۶۳)

قرآن پاک ایک طب روحانی ہے

فرمایا کہ کہ آج کل یہ مرض بھی عام ہو گیا ہے کہ دنیوی مقاصد اور سائنس کے مسائل کو زبردستی قرآن پاک میں ٹھونسنا چاہتے ہیں جو نہایت ہی خطرناک بات ہے اور یہ اس کو فخر سمجھتے ہیں۔ میں ہمیشہ اس طرز سے منع کرتا ہوں۔ قرآن پاک کا یہی فخر ہے کہ اس میں غیر دین کچھ نہیں ہے۔ میں نے اکثر وعظوں میں اس مضمون کو نہایت بسط اور شرح کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس طرز کا مضر ہونا ثابت کیا ہے۔ لوگ دین محض کی باتوں کو کہتے ہیں کہ یہ خشک مضامین ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ تمہارے تر مضامین ایسے ہیں کہ جن میں آگے چل کر ڈوب ہی مرنا پڑے گا۔ بہت سے دشمن دوست نما ہوتے ہیں کہ دوستی کے پردے میں دشمنی کرتے ہیں۔ یہ طرز اسلام کے ساتھ دوستی نہیں دشمنی ہے۔ اگر آج ایسی چیزیں تم نے قرآن پاک سے ثابت کر دیں اور کل کو وہ تحقیق کے بعد غلط ثابت ہوئیں تو یہ تم قرآن کی تکذیب کا سامان کر رہے ہو۔ قرآن پاک تو یہی کمال ہے کہ اس میں غیر دین نہ ہو جیسے طب اکبر کہ اس کی طبی کتاب ہونے کا یہی معیار ہے کہ اس میں امراض کی پہچان اور نسخوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر اس میں جو تہ سینے کی ترکیب کو داخل کر دیا جائے تو یہ اس کا نقص ہوگا۔ ایسے ہی قرآن پاک ہے کہ اس میں طب روحانی کے سوا اور کچھ نہیں۔ (صفحہ ۷۸)

انتظام میں ہیبت کو خاص دخل ہے

فرمایا کہ یہ اہل تحریکات بہت خوش ہوتے پھرتے ہیں کہ ہماری تدابیر سے لوگوں کے دلوں سے حکومت کا خوف جاتا رہا مگر یہ بات کچھ خوش ہونے کی نہیں بلکہ خطرہ کی ہے۔ کچھ معلوم بھی ہے کہ امن کی جڑ خوف ہی ہے اور امن خود مطلوب چیز ہے۔ ایک شخص کہنے لگے کہ حکومت کا رعب تو نہیں رہا۔ میں نے کہا کہ سلیم الطبع لوگوں کے لئے تو یہ بیشک مفید ہے مگر بد معاشوں کے لئے تو سخت خطرناک ہے۔ ان کے لئے تو رعب ہی کی ضرورت ہے۔ انتظام میں ہیبت کو خاص دخل ہے۔ (صفحہ ۸۷)

عدم احتمالِ مواخذہ منافی ایمان ہے

فرمایا کہ فن کے جاننے کی ضرورت یہ ہے کہ ایک مرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں جبکہ میں دیوبند میں پڑھتا تھا، مجھ پر خشیت کا غلبہ ہوا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے جا کر عرض کیا کہ حضرت خشیت کا بیحد غلبہ ہے، کوئی ایسی بات فرمائیے جس سے تسلی اور اطمینان ہو۔ سن کر فرمایا کہ توبہ کرو تو بہ کرو کیا کفر کی درخواست کرتے ہو۔ اتنا حضرت کا فرمانا تھا کہ میں چونک گیا اور معلوم ہو گیا کہ تسلی تو عدم احتمالِ مواخذہ سے ہو سکتی ہے اور عدم احتمال خود منافی ایمان کے ہے۔ یہ ہے فن سے واقف ہونے کی ضرورت۔ غیر ماہر فن بیچارہ خدا معلوم کیا اڑنگ بڑنگ ہاںکتا۔ اس ہی وجہ سے کامل کی صحبت کی خاص ضرورت ہے۔ بدون رہبر کامل کے اس راہ میں قدم رکھنا خطرہ سے خالی نہیں۔ (صفحہ ۹۴)

ذکر اللہ سے باطن کی تعمیر ہوتی ہے

فرمایا کہ میں جب کسی کو بناؤ سنوار کرتے دیکھتا ہوں فوراً سمجھ جاتا ہوں کہ یہ شخص کمال سے کورا ہے اور فضول میں پھنسا ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ ذکر اللہ سے باطن کی تعمیر ہوتی ہے اور ظاہر پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اس کی زینت کا اہتمام نہیں رہتا۔ (صفحہ ۱۰۱)

طریق کی حقیقت سے بے خبری

فرمایا کہ طریق کی حقیقت سے ناواقفیت کی نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے علماء بیچارے تو کیا ہیں جو مشائخ کہلاتے ہیں وہ بھی اس سے بے خبر اور لاعلم ہیں۔ یہ ایک مستقل فن ہے۔ بدون اس کے جانے ہوئے ہمیشہ آدمی ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے، راہ نہیں ملتی۔ اودھ میں ایک عالم تھے۔ میں بھی ان سے ملا ہوں۔ بہت ہی سادہ مزاج اور نیک تھے۔ پہلے ہمارے ہی بزرگوں کے معتقد تھے۔ آخر میں آکر دوسروں کا رنگ غالب آ گیا تھا۔ ایک صاحب ذی علم یہاں سے تعلق رکھنے والے اسی نواح میں رہتے تھے اور میرے کہنے سے ان اودھ والے بزرگ سے ملتے تھے۔ ایک بار ان بزرگ نے ان صاحب سے پوچھا کہ تم ذکر و شغل کرتے ہو۔ کہا کرتا ہوں۔ پوچھا کہ کچھ نظر بھی آتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نظر تو کچھ بھی نہیں آتا۔ کہنے لگے کہ خیر ثواب لئے جاؤ باقی نفع کچھ نہیں۔ مجھ کو یہ سن کر حیرت ہوئی کہ عالم ہو کر ایسی بات۔ تمام اعمال سے مقصود تو یہی ثواب ہے اور ثواب سے مقصود ہے حق تعالیٰ کا قرب اور ان کی رضا، اس کے علاوہ اور وہ کون سی چیز ہے جو ان کے پیش نظر ہے جس کو نفع کہہ رہے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصل مقصود بالتحصیل ثواب ہے جو سبب ہے قرب اور رضا کا اور اصل مقصود بالتحذیر عذاب و عقاب ہے جو سبب ہے بعد حق اور عدم رضا کا۔ بس یہی ہے جو کچھ ہے، پھر نہ معلوم وہ کیا چیز ہے جس کے متعلق عالم ہو کر یہ بات کہی۔ یہ سب طریق سے عدم واقفیت کی دلیل ہے۔ یہ طریق بڑا ہی نازک ہے۔ اس میں بہت ہی سنبھل کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس ہی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے قبل اتباع کے لئے کسی شیخ اور راہبر کامل کو تلاش کر لو۔ بدون راہبر کے اس راہ میں قدم رکھنا خطرہ عظیم ہے۔ (صفحہ ۱۱۹)

طریق میں نفع کی شرط اعظم مناسبت ہے

فرمایا کہ اس طریق میں نفع کی شرط اعظم مناسبت ہے، بدون اس کے نفع نہیں ہو سکتا۔ پھر مناسبت کے بعد منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے اعتقاد اور اتباع شرط ہے۔ یہ بڑی

غلطی ہے کہ بعضے مشائخ کے یہاں جا کر محض ان کے پاس رہنے کو کافی سمجھ کر عمل نہیں کرتے۔ یہ ایسا ہے جیسے کوئی طبیب کے پاس جا کر رہے اور وہ جو نسخہ تجویز کرے یا پریز بتلائے اس پر عمل نہ کرے سو یہ تو ایک درجہ میں محض تفرق اور مشغلہ ہے اور افسوس تو یہ ہے کہ اکثر مشائخ بھی آج کل مجلس آرائی کو پسند کرتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ شیخ کے بہت لوگ معتقد ہیں مگر ان باتوں سے کیا نتیجہ، محض وقت کا ضائع کرنا ہے۔ (صفحہ ۱۲۹)

زہد و تقویٰ پر ناز مذموم ہے

فرمایا کہ کسی کو اپنی عبادت اور زہد و تقویٰ پر ناز نہیں ہونا چاہیے۔ اس کو عطیہ حق اور توفیق خداوندی سمجھ کر اس کا شکر کرنا چاہیے، اسی وقت تک خیر ہے ورنہ بڑے بڑے اسی ناز کی بدولت رہ گئے ہیں۔ نیاز پیدا کرنا چاہیے اور عبادت ہی پر کیا منحصر ہے، جتنی چیزیں ہیں مثلاً مال ہے، جاہ ہے، عقل ہے، فہم ہے، قوت ہے، حکومت ہے، حسن و جمال ہے، علم ہے، عمل ہے، یہ سب چیزیں ہیں جو فخر و تکبر اور ناز کا سبب بن جاتی ہیں اور ان ہی کی بدولت آدمی تکبر میں پھنس جاتا ہے۔ ان میں سے ایک بھی اس کے قبضہ میں نہیں لہذا ان پر ناز کے بجائے تواضع اور عبدیت اختیار کرنا چاہیے جو خدا کے نزدیک مقبول اور محمود ہے۔ (صفحہ ۱۳۱)

شیخِ کامل کا اپنے فن سے واقف ہونا ضروری ہے

فرمایا کہ شیخِ کامل وہ ہے جو فن سے واقف ہو۔ شیخ کے لئے فن جاننے کی ضرورت ہے۔ اگر فن سے ناواقف ہے، نا آشنا ہے تو وہ شیخ کہلائے جانے کے قابل نہیں اور نہ وہ حقیقت میں شیخ ہے جیسے طبیب کہ فن سے واقف ہونا اس کا ضروری ہے۔ ایسے ہی یہاں ہے کہ ولی ہونا، بزرگ ہونا، قطب ہونا، غوث ہونا الگ بات ہے، شیخ ہونا الگ بات ہے۔ فن میں مہارت ہونا شیخ ہونے کے لوازم سے ہے باقی اس کا متقی ہونا، زاہد ہونا، عابد ہونا مشیخت کی شرط نہیں۔ ہاں اگر شیخ ان اوصاف کے ساتھ بھی موصوف ہو تو اس کی تعلیم میں برکت ہوگی، نور ہوگا۔ (صفحہ ۱۳۷)

مسلمان سلاطین کو شریعت کی طرف توجہ کی ضرورت

فرمایا کہ احکام اسلام کی اگر خود مسلمان عظمت و محافظت کریں تو کبھی دوسری قومیں اس میں نہ مداخلت کر سکتی ہیں اور نہ ان کی تحقیر کر سکتی ہیں۔ خصوصاً اگر سلاطین اسلام اس طرف توجہ کریں تو پھر تو کسی کا کیا منہ ہے کہ ایک حرف بھی نکالے۔ ریاست بھوپال میں بیگم صاحبہ کے زمانہ میں طاعون کے ایک قانون کے متعلق انگریزوں نے مشورہ دیا تھا کہ اس کا نفاذ کر دیجئے۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ میں بدون قاضی کے حکم کے کچھ نہیں کر سکتی۔ کہا کہ قاضی کو حکم دیجئے۔ فرمایا کہ وہ میرے محکوم نہیں، میں ان کی محکوم ہوں اس لئے کہ وہ شریعت کے احکام جاری کرتے ہیں اور ہم سب شریعت کے غلام ہیں۔ اس جواب سے کیسی عظمت دین کی قلب میں معلوم ہوتی ہے۔ (صفحہ ۱۷۴)

معصیت ایک بری اور مہلک چیز ہے

فرمایا کہ معصیت کم بخت نہایت ہی بری اور مہلک چیز ہے۔ اس سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے۔ وہ وقت اور گھڑی بندہ کے واسطے نہایت ہی مبغوض اور منحوس ہے جس میں یہ اپنے خدا کا نافرمان ہوتا ہے۔ اگر حس ہو تو فوراً معصیت کرنے کے بعد قلب پر ظلمت محسوس ہوتی ہے اور بعض نافرمانی کا یہ بھی اثر ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے عمل کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ بڑے خوف کی بات ہے۔ اور معصیت میں ایک اور خاصیت بھی ہے کہ اس کے محکوم اس کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہوئے، وہ شوخی کرنے لگا۔ فرمایا کہ آج ہم سے کوئی گناہ ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ ہماری نافرمانی کرتا ہے۔

ایک اور خاصیت سب سے اشد ہے۔ وہ یہ کہ کبھی بے فکری اور بے خیالی سے صغیرہ سے کبیرہ صادر ہو جاتا ہے اور وہ سبب کفر کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے انسان کبھی گناہ کر کے بے فکر نہ ہو، توبہ استغفار کرتا رہے مگر یہ بھی نہیں کہ اسی کو مشغلہ بنا لے اور اسی مراقبہ میں رہا کرے بلکہ ایک بار خوب باقاعدہ توبہ کر کے کام میں لگے اور اس کے بعد پھر جب کبھی خیال

آجایا کرے اللہم اغفر لی کہہ کر پھر آگے چلے، کام میں لگے۔ اور اس توبہ کے قبول ہونے نہ ہونے کے متعلق حضرت سلطان نظام الدین قدس سرہ نے ایک عجیب بات فرمائی کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ فلاں گناہ کر لینے کے بعد جو توبہ کی تھی وہ قبول ہوگئی یا نہیں اس کا معیار یہ ہے کہ یہ دیکھے کہ اس گناہ کے یاد آنے سے نفس میں حظ پیدا ہوتا ہے یا نفرت۔ اگر نفرت ہوتی ہے تو توبہ قبول ہو چکی۔ اگر حظ ہوتا ہے تو ابھی توبہ قبول نہیں ہوئی پھر توبہ کرے۔ بڑی عجیب بات ہے مگر یہ علامت ظنی ہے۔ (صفحہ ۱۸۳)

کثرتِ مباحات کا نتیجہ

فرمایا کہ کثرتِ مباحات میں بھی زیادہ اسہاک کرنے سے قلب پر کمزورت کا اثر ہوتا ہے مثلاً ہنسنا ہے، اس کی کثرت قلب کو مردہ بنا دیتی ہے جیسے ذکر اللہ سے قلب کو طمانیت اور نورانیت حاصل ہوتی ہے جس نے تھوڑا بھی خلوت کا ذائقہ چکھ لیا ہوگا وہ اس کو محسوس کرے گا۔ اس کا اثر اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ ایک پہاڑ جیسی چیز قلب کے سامنے اڑی ہوئی ہے اور بدون استغفار یہ کیفیت نہ بدلے گی مگر ان باتوں کے احساس کے لئے ضرورت ہے کہ کچھ خلوت میسر آ چکی ہو، ذکر اللہ میں مشغول رہ چکا ہو، بدون اس کے پتہ چلنا مشکل ہے۔ ایسی حالت سے بچنے کی خاص سعی اور کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ (صفحہ ۱۹۸)

بغیر اصلاح انسانیت پیدا نہیں ہوتی

فرمایا کہ بدون اصلاح کے خواہ دوسرے محاسن و فضائل پیدا ہو جائیں مگر آدمیت پیدا ہونا مشکل ہے۔ دیکھئے گھوڑا سب میں شریف جانور ہے لیکن اس کو اگر سدھایا نہ جاوے ہرگز کام نہیں دے سکتا، خطرہ ہی رہتا ہے۔ مگر باوجود اس کے اصلاح کی طرف لوگوں کو بالکل توجہ نہیں۔ ہاں ولایت، قطبیت، غوثیت، بزرگی اس کی تلاش ہے۔ ایک مولوی صاحب گنگوہ سے یہاں آئے تھے۔ نیک آدمی ہیں۔ بزرگوں کی حکایات خوب بیان کرتے ہیں مگر اپنے متعلق ان کے یہاں کچھ نہیں، اپنے سے بالکل بے فکر حالانکہ انسان کو پہلے اپنی فکر ہونا ضروری ہے۔ لوگوں سے میری یہی لڑائی ہے کہ میں کہتا ہوں کہ دوسروں کی فکر میں ہر وقت

پڑے رہتے ہو، اپنی فکر کیوں نہیں کرتے۔ اپنے کو تو کامل مکمل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ وہ راہ ہے کہ ساری عمر بھی اگر اس میں کھپا دے تب بھی تھوڑا ہے۔ (صفحہ ۲۰۳)

مرید کو روک ٹوک نہ کرنا خیانت ہے

فرمایا کہ آج کل رسمی پیروں کے یہاں اخلاقِ مروجہ کا بڑا اہتمام ہے محض اس خیال سے کہ آنے والے غیر معتقد نہ ہو جائیں۔ یہ تو اچھی خاصی دکانداری اور مخلوق پرستی ہے۔ مجھ کو ایسی باتوں سے محمدؐ طبعی نفرت ہے اور نہ اخلاقِ مروجہ مجھ کو پسند ہیں اور اگر ایسے اخلاق اختیار بھی کئے جائیں تو آنے والوں کا کیا فائدہ۔ ان کی حرکات و سکنات پر اگر معاقبہ، محاسبہ، روک ٹوک، ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے تو اصلاح کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو جہل ہی میں مبتلا رہے۔ میں اس کو خیانت سمجھتا ہوں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی مریض طبیب کے پاس جائے، طبیب بوجہ اخلاق کے نہ کوئی کڑوی دوا لکھے اور نہ پرہیز بتلائے تو جیسے یہ خیانت ہے ایسے ہی وہ شیخ بھی خائن ہے جو طالب کی اصلاح پر توجہ نہ کرے اور اس کے معتقد یا غیر معتقد ہونے کے ڈر سے ڈانٹ ڈپٹ، روک ٹوک نہ کرے۔ مجھ کو یہ تو آسان ہے کہ اصلاح کا کام بند کردوں مگر یہ چالپوسی اور خوشامد نہیں ہو سکتی۔ غیرت آتی ہے کہ طریق کو طالب بنایا جائے۔ کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔ (صفحہ ۲۱۷)

بوڑھا پے کی طبعی خاصیت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا حضرت بوڑھا پے میں کسی کا خوف نہیں رہتا؟ فرمایا کہ مومن کے قلب میں تو ہمیشہ ایک ہی کا خوف رہتا ہے۔ چاہے جوانی ہو یا بوڑھا پاپا ہو اور وہ حق تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی بوڑھا پے میں خصوصیت کے ساتھ طبعاً بھی دوسروں کا خوف کم ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق بھائی اکبر علی مرحوم نے عجیب بات کہی تھی جو میرے ذہن میں بھی کبھی نہیں آئی تھی، وہ یہ کہ بوڑھا پے میں طبعی خاصیت ہے کہ اس پر کسی کا رعب نہیں ہوتا اور نہ اثر ہوتا ہے۔ اس کو سب نیچے نظر آتے ہیں اور اس کا سب پر اثر ہوتا ہے۔

بھائی مرحوم تھے بڑے ذہین، ذہانت ہی سے جذبات کی پہچان ہو سکتی ہے۔ بات کام کی کہی۔
واقعی بوڑھا پے کا یہ اثر ضرور ہے۔ (صفحہ ۲۷۹)

انسانیت کا پیدا ہونا مشکل ہے

فرمایا کہ بزرگی اور ولایت اور چیز ہے اور ان کا حاصل ہونا آسان بھی ہے اس لئے
کہ اس کا واسطہ ایک بہت بڑے کریم اور رحیم سے ہے۔ بندہ کی ادنیٰ توجہ سے فضل ہو جاتا
ہے۔ مشکل تو آدمیت اور انسانیت کا پیدا ہونا ہے کیونکہ اس کا تعلق مخلوق سے ہے۔ اسی کے
متعلق حقوق العباد ہیں۔ اس کا بہت اہتمام ضروری تھا مگر آج کل اسی کو دین کی فہرست سے
خالی سمجھتے ہیں۔ (صفحہ ۲۹۷)

صورت اور سیرت دونوں ٹھیک ہونے کی ضرورت

فرمایا کہ محض صورت بنانے سے کیا ہوتا ہے۔ بڑی چیز سیرت ہے مگر فلاح کامل
میں صورت اور سیرت دونوں کے ٹھیک ہونے کی ضرورت ہے ورنہ اگر محض صورت ہی
صورت ہو تو اس کے متعلق مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ فرماتے ہیں۔

گر بصورت آدمی انساں بدے

احمد و بوجہل ہم یکساں شدے

(صفحہ ۲۹۸)

دینی امور دنیا میں مغل نہیں

فرمایا کہ لوگ خواہ مخواہ دین کو بدنام کرتے ہیں کہ دنیا کے لئے دین مغل ہے۔ یہ سخت
غلطی ہے۔ اگر دین امور دنیا میں معین نہیں تو مغل بھی نہیں۔ دین کا ایسا حصہ جس میں اخلاص دنیا
کا شبہ ہے زیادہ تر وہ ہے جس میں یہ حکم ہے کہ یہ کام نہ کرو گناہ ہوگا، وہ نہ کرو گناہ ہوگا مگر وہ
چیزیں خود ایسی ہیں جو عقلاً بھی قابل ترک ہیں مثلاً جھوٹ ہے، فریب ہے، غیبت ہے علیٰ ہذا تو
ان کے ترک میں کوئی وقت صرف نہیں ہوتا جو کسب دنیا میں مغل ہو بلکہ ارتکاب میں تو کچھ وقت

صرف ہوتا بھی ہے، اسی قدر وہ دنیا میں مخل ہو سکتا ہے۔ ترک میں کچھ بھی صرف نہیں ہوتا۔ ہاں جن چیزوں کا حکم ہے مثلاً نماز ہے اس کی پابندی سے بعض کاموں میں مزاحمت ہوتی ہے تو جو کرنے والے ہیں وہ کرتے ہیں اور اگر تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں بھی کوئی مزاحمت نہیں۔ اس لئے کہ آخر اور بھی تو ایسی چیزیں ہیں جو طبعاً ضروری ہیں اور ان کو انسان کرتا ہے تو دین ہی کو کیوں تختہ مشق بنایا جاتا ہے۔ ان کو بھی چھوڑ دو مثلاً کھانا ہے پینا ہے اور حوائج ضروریہ ہیں، ان کی پابندی کیوں کرتے ہو۔ یہ سب شبہات دین سے عدم تعلق اور اعتقاد عدم ضرورت کی وجہ سے سو جھتے ہیں ورنہ ضرورت کی چیز کے متعلق امر فطری ہے کہ کبھی شبہ نہیں ہوا کرتا سو اگر دین کو بھی ضروری سمجھتے تو اس میں بھی شبہ نہ ہوتا۔ (صفحہ ۳۲۰)

اصل مذہب تعلق مع الحق ہے

فرمایا کہ مسلمانوں کا اصل مذہب تو تعلق مع الحق ہے۔ اسی تعلق سے اس کا اسی پر بھروسہ ہوتا ہے اور یہی کامیابی کی جڑ ہے۔ محمد ابن قاسم نے جس وقت ہندوستان پر چڑھائی کی تو راجاؤں کی متعدد بیویاں جو نہایت ہی حسین تھیں اسیر ہوئیں۔ فتح کر لینے کے بعد ان لڑکیوں نے خود محمد ابن قاسم کی طرف رغبت ظاہر کی مگر انہوں نے التفات بھی نہیں کیا اور ان کو صاف انکار کر دیا اور ان کو دار الخلافہ بھیج دیا کہ خلیفہ وقت کو اختیار ہے کہ وہ جس کے چاہے سپرد کر دیں۔ اس وقت عمر محمد ابن قاسم کی سترہ سال کی تھی، ان کے ساتھ بڑے بڑے پرانے تجربہ کار فن جنگ کے ماہر موجود تھے مگر سب ان کی اطاعت کرتے تھے۔ اس شہوت پر یاد آیا کہ جس وقت راجہ داہر سے مقابلہ کا اہتمام ہو رہا تھا اس وقت محمد ابن قاسم کو معلوم ہوا کہ راجہ داہر نے اپنی بہن سے شادی کی ہے۔ یہ سن کر بے فکر ہو گئے اور یہ کہا کہ اب اس کے مقابلہ میں ہم ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوں گے، اس لئے کہ وہ کافر ہی نہیں ملحد بھی ہے اور شہوت سے مغلوب ہے۔ کفر کے ساتھ تو شجاعت جمع ہو سکتی ہے مگر شہوت کے ساتھ شجاعت جمع نہیں ہو سکتی۔ یہ محمد ابن قاسم حجاج بن یوسف کے داماد تھے۔ خود حجاج باوجود اتنے بڑے ظالم ہونے کے کفار کے مقابلہ میں بہت جوشیلا تھا۔ خود ظلم تک مسلمانوں پر کرتا تھا لیکن حمیت

اسلام اور غیرتِ اسلام بھی قلب میں بچد تھی۔ دوسرے مسلمانوں کو ستائیں اس کو برداشت نہیں کر سکتا تھا اور عبادت کی رغبت میں اس شخص کی یہ حالت تھی کہ شب میں تین سو نفلیں پڑھتا تھا۔ دیکھئے اس وقت کے ظالم بھی ایسے ہوتے تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ تین سو نفلیں پڑھنے میں تو تمام شب بیداری ہی رہتی ہوگی۔ (صفحہ ۳۴۴)

نفع کے لئے مناسبت شرط ہے

فرمایا کہ اس طریق میں نفع کے لئے مناسبت شرط ہے۔ جب تک یہ نہ پیدا ہوگی نفع کا ہونا مشکل ہے۔ عدم مناسبت اس طریق میں سم قاتل ہے اور ایک چیز اس عدم مناسبت سے بڑھ کر مضر طریق ہے اور وہ معلم کے قلب کو مکدر کرنا ہے۔ اس تکدر کے ساتھ اگر ساری عمر بھی سر مارے گا کچھ نہیں ہوگا۔ بس یہ دو چیزیں اس طریق میں نفع کے لئے شرط لازم ہیں کہ مناسبت ہو اور معلم کے قلب کو مکدر نہ کیا جاوے اور اس کا اہتمام فکر اور غور سے کام لینے سے ہو سکتا ہے مگر آج کل بے فکری اور بے پروائی شیر و شکر بنے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غلطیوں کا بہت زائد صدور ہوتا ہے۔ اگر فکر اور غور سے کام لیا جائے تو غلطیاں اس وقت بھی ہوں گی مگر بہت کم، نیز اس کا اس قدر قلب پر بھی برا اثر نہیں ہوتا۔ اس خیال کے سبب کہ اس کو فکر اور اہتمام تو ہے اس لئے قلب قلیل صدور سے درگزر کر دیتا ہے۔ یہ فرق ہے فکر یا عدم فکر کی حالت میں غلطیوں کے صدور کی۔ (صفحہ ۳۶۲)

مشائخ کو اخلاق و عادات کی تعلیم دینے کی ضرورت

فرمایا کہ آج کل ان خرابیوں کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ مشائخ کے یہاں اخلاق و عادات کی تعلیم ہی نہیں، محض اوراد و وظائف کی تعلیم ہے، اسی کو دین سمجھتے ہیں۔ اور چیزوں کو دین کی فہرست سے خارج سمجھ رکھا ہے۔ اس لئے نہ خود مشائخ اس طرف توجہ کرتے ہیں اور نہ ان کے متعلقین۔ اور مرید یا متعلقین تو کیا توجہ کرتے جب خود مشائخ کی یہ حالت ہے۔ اب عام لوگوں کی حالت سنئے، وہ بھی ایسے ہی پیروں سے خوش ہیں کہ جو نہ روک ٹوک کریں،

نہ ان کے یہاں مواخذہ اور محاسبہ ہو اور ہر نذرانہ قبول کر لیا کریں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جو حکام رشوت خور ہوں تو وہ خلیق سمجھے جاتے ہیں۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب لیا ہے تو کام ضرور ہی کریں گے اور جو غریب رشوت نہ لے، اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ خشک ہے، جب لیا ہی نہیں تو توجہ ہی کیوں کریں گے۔ ایسا ہی مشائخ کو سمجھتے ہیں کہ جب نذرانہ قبول کر لیا تو ضرور ہی توجہ کریں گے اور قطبیت اور غوثیت بانٹ دیں گے اور جب نہ لیں گے تو توجہ کیوں کرنے لگے۔ اس قدر رسمیں خراب ہوئی ہیں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ (صفحہ ۳۷۵)

جملہ مہتمم مدرسہ کو مشورہ

فرمایا کہ میں تمام اہل مدارسِ دینیہ کو رائے دیتا ہوں کہ مدرسہ کی طرف سے کچھ مبلغ بھی ہونے چاہئیں۔ یہ سنتِ نبویہ ہے اور پڑھنا پڑھانا مقدمہ ہے اسی مقصود کا۔ اصل مقصود تبلیغ ہی ہے اور ایک بات اور تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ مبلغین سے چندہ کا تعلق نہ ہونا چاہیئے۔ صرف احکام بیان کرنا، ترغیب اور فضائل بیان کرنا ان کا کام ہو۔ اس سے لوگوں کو بہت نفع پہنچتا ہے مگر اہل مدارس اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ عرصہ ہوا غالباً ان تحریکات سے چودہ پندرہ برس قبل میں نے مدرسہ دیوبند والوں کو اس کا مشورہ دیا تھا کہ ملک کے تمام اطراف میں باقاعدہ مبلغین کی جماعت جاتے رہنا چاہیئے جن کا کام صرف تبلیغ ہو اور ہر شہر میں اس کی آبادی کی نسبت سے مبلغ یا ان کی آمدورفت رہنا چاہیئے مگر کوئی خاص انتظام نہیں ہوا۔ ان مدارس کے متعلق میری ایک یہ رائے ہے کہ مدارسِ دینیہ میں صنعت و حرفت کا بھی انتظام کیا جائے، خواہ طلبہ اس کام کو بعد میں نہ کریں لیکن سیکھایا ضرور جائے۔ اس لئے کہ آج کل عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سوائے اس کے ان کو اور کچھ نہیں آتا، اس لئے اپنا محتاج سمجھتے ہیں اور ان کی تحقیر کرتے ہیں۔ اگر کوئی دستکاری وغیرہ سیکھ لیں اور کسی وقت کسبِ معاش کی ضرورت ہو تو اپنے کام میں تو لگ جائیں گے اور اس طرح پر چندے کرتے اور مانگتے نہ پھریں گے کہ اس میں غایت تحقیر ہے۔ (صفحہ ۳۸۷)

نجدیوں کے بارے میں ارشاد

فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ نجدیوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے لکھا کہ محض نجدی ہیں، اگر تھوڑے سے وجدی بھی ہوتے تو خوب ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو مکہ سے آنے والوں سے ہم لوگ یوں کہا کرتے۔

باز گو از نجد از یارانِ نجد

تا در و دیوار را آری بوجد

ایک اور مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ مجھ کو اول تو محدثین سے محبت ہے اور پھر فقہاء سے اور پھر صوفیہ سے۔ میں نے لکھا کہ میری محبت کی ترتیب بالکل اس کے عکس ہے۔ پھر یہ مولوی صاحب حج کو گئے تو واپس آ کر نجدیوں کی بہت شکایتیں لکھیں۔ میں نے جواب دیا کہ ان سب شکایات کا سبب نجدیوں میں اسی چیز کی کمی ہے جس کو تم نے تیسرے درجہ میں رکھا تھا۔ باقی اپنی اپنی رائے ہے لیکن ہر حال میں ضرورت جامع کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس شخص کی صحبت اختیار کرو جو صوفی بھی ہو، فقیہ بھی ہو اور محدث بھی ہو۔ وہ شخص صحبت کے قابل ہے۔ واقعی ٹھیک فرمایا گو خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر محدثیت کا رنگ غالب ہے مگر محقق ہونے کی شان سے یہ تحقیق فرمائی اور یہ ضروری بات ہے کہ اگر حدیث نہ جانتا ہو گا تو بدعت کی طرف مائل ہو جائے گا۔ (صفحہ ۳۹۹)

لوگوں کو ترغیب دلا کر بیعت کے لئے لانے سے نفرت

فرمایا کہ ایک اس بات سے مجھ کو سخت نفرت ہے کہ لوگوں کو گھیر گھار کر لایا جائے۔ ان کو ترغیب دے کر، کرامتیں اور فضائل بیان کر کر کے معتقد بنایا جائے۔ مجھ کو تو ایسی باتوں سے غیرت آتی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ طالب مطلوب اور مطلوب طالب بن جاتا ہے۔ بازاری عورتوں کا سا پیشہ ہے کہ وہاں نانکہ چھٹی رہتی ہیں، وہ لوگوں کو پھنساتی رہتی ہیں اور خود وہ بھی شب و روز بناؤ سنگھار میں رہتی ہے تاکہ لوگ پھنسیں۔ بس یہی حالت آج کل بعض

مشائخ کے یہاں ہو رہی ہے۔ مجھ کو تو بھگد لہ اس سے طبعی نفرت ہے۔ میری تو کھلی ہوئی حالت ہے۔ اگر کسی کو پسند ہو آؤ، میرے پاس آ کر اللہ کا نام معلوم کر لو اور اگر پسند نہ ہو تو کہیں اور جاؤ۔ میں کسی کی وجہ سے اپنا طرز اور مسلک بدل سکتا ہوں اور نہ مروجہ اخلاق اختیار کر سکتا ہوں، نہ غلامی اور چالپوسی مجھ سے کسی کی ہو سکتی ہے۔ ہاں خدمت کو تیار ہوں، خادم ہوں مگر شرط یہ ہے کہ سلیقہ اور طریقہ سے خدمت لی جائے۔ بے طریقہ اور بے ڈھنگے پن سے مجھ سے نہ کوئی خدمت لے سکتا ہے اور نہ میں خدمت کر سکتا ہوں۔ صاف صاف جو بات ہے ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں۔ خود بات صاف کرتا ہوں، دوسروں سے بھی ایسی ہی صاف بات چاہتا ہوں۔ پھر چاہے کوئی میرے پاس آئے خواہ نہ آئے۔ (صفحہ ۴۱۹)

معاملات میں سوء ظن رکھنے کا مفہوم

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ معاملات میں تو سوء ظن چاہیے اور اعتقاد میں حسن ظن۔ اور معاملات میں سوء ظن سے مراد یہ ہے کہ جس کا تجربہ نہ ہو چکا ہو اس سے لین دین نہ کرے، روپیہ نہ دے تو اس معنی میں معاملات میں سوء ظن رکھے۔ باقی اعتقاد میں سب سے حسن ظن رکھے، کسی کو برا نہ سمجھے۔ یہ دونوں ایک وقت میں اسی طرح جمع ہو سکتے ہیں۔ (صفحہ ۴۲۳)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۷)

تہجد کے وقت آنکھ کھلنے کی تدابیر

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت تہجد کے وقت آنکھ نہیں کھلتی، اس کا کوئی علاج فرمائیں۔ فرمایا کہ یہ تدابیر زیادہ مؤثر ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد فوراً سو جانا چاہیئے۔ پیٹ بھر کر نہ کھایا جاوے۔ ذرا کم کھالیا جاوے۔ کھانا سویرے کھایا جاوے تاکہ ہضم ہو جائے، اس کی گرانی اور کسل باقی نہ رہے۔ پانی پیا تو جاوے، پیاس کو نہ روکا جاوے اس میں تکلیف ہوگی مگر زیادہ نہ پیا جاوے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وقت پر آنکھ کھل جائے گی۔ اب اٹھنا اپنی ہمت پر موقوف ہے۔ (صفحہ ۲۷)

طریق کی اصل حقیقت

فرمایا کہ آج کل مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود کو مقصود بنا رکھا ہے اور اوراد و وظائف کو تو طریق سمجھتے ہیں اور کیفیات و لذات کو اس کا ثمرہ اور مقصود۔ کس قدر دھوکہ ہے حالانکہ اعمال مقصود ہیں اور رضاء حق ثمرہ ہے۔ یہ ہے طریق کی حقیقت۔ پھر اگر ساری عمر بھی کیفیات اور لذات نہ ہوں تو کوئی بھی نقصان نہیں۔ کام کرنے والے کی تو شان ہی دوسری ہوتی ہے۔ وہ اس کو کب دیکھتا ہے کہ لذت آتی ہے یا نہیں۔ جی لگتا ہے یا نہیں۔ اگر اس پر کام کو موقوف رکھا جاوے تو خدا پرستی نہ ہوئی، لذت پرستی، نفس پرستی ہوئی۔ اپنی ہی پوجا پاٹ میں رہا، خدا کا کیا کام کیا۔ کیوں ان فضولیات اور عبث میں وقت خراب اور برباد کرتے ہو، کام میں لگو۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے پنسہاری یہ کہے کہ میرا تو جی نہیں لگتا اور نہ چکی پھرانے میں لذت آتی ہے تو کیا جواب ملے گا۔ یہی کہو گے کہ یہ جی لگنے کی چیز نہیں عمل کی چیز ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میں ذکر کرتا ہوں، مزا نہیں آتا۔ میں نے عرفی تہذیب چھوڑ کر کہا کہ مزا تو مندی میں ہوتا ہے۔ ذکر میں کہاں مزا ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ یہ سب طریق کی حقیقت سے بے خبری کی بنا پر لوگوں کو غلطیوں میں ابتلاء ہو رہا ہے۔ (صفحہ ۷۷)

ہر چیز کو زوال ہے

فرمایا کہ حکومت ہی کی کیا تخصیص ہے، ایک خاص حالت میں ہر چیز کو زوال ہے چاہے وہ حکومت ہو یا قوت اور شجاعت ہو، مال ہو، عزت ہو، جاہ ہو، علم ہو، عمل ہو، فضل ہو، کمال ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ شخص اس کو اپنا کمال سمجھنے لگے۔ عطیہ خداوندی نہ سمجھے اور راز اس کا یہ ہے کہ اس کو اپنا کمال سمجھ کر اس میں حقوق کی طرف نظر نہیں رہتی اسی لئے اس امانت سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل ہمارے پاس سب کچھ تھا آج کچھ بھی نہیں۔ (صفحہ ۸۵)

دعا تمام عبادت کا مغز ہے

فرمایا کہ دعا بڑی چیز ہے۔ تمام عبادت کا مغز ہے اور سب سے زیادہ آج کل اسی سے غفلت ہے اور دعا ایسی چیز ہے کہ دنیا کے کاموں کے واسطے بھی دعا مانگنا عبادت ہے۔ بشرط یہ کہ وہ کام جائز ہو۔ یہ غلطی ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ دین ہی کے کاموں کے واسطے اور آخرت ہی کی فلاح اور بہبود کے لئے دعا عبادت ہے۔ بعض لوگ بجائے درخواست دعا کے لکھتے ہیں کہ فلاں کام کے لئے کوئی مجرب عمل اور کوئی مجرب وظیفہ دے دیجئے۔ میں لکھ دیتا ہوں کہ اس قید کے ساتھ مجھ کو عمل معلوم نہیں اور دعا سے بڑھ کر کوئی وظیفہ اور عمل نہیں۔ (صفحہ ۱۱۱)

اہل عطا میں تفاوت کے لئے حساب ہوگا

فرمایا کہ ہمیں تو ہر وقت ان کی رحمت اور ان کے فضل کی ضرورت ہے۔ جو کچھ ملے گا وہ انعام ہی ہے گو نام کو جزائے اعمال ہے مگر ہمارے اعمال ہی کیا جس پر جزا کا استحقاق ہو بلکہ خود ان اعمال کو اعمال میں شمار کرنا یہ بھی انعام ہی ہے ورنہ ہمارے اعمال تو حسنات کہنے کے بھی قابل نہیں بلکہ وہ اپنے فضل سے ان کو حسنات بنا دیں گے۔ بعض اہل لطائف نے اولئک یشدللہ سیئاتہم حسنات کی یہی تفسیر کی ہے۔ پھر ایک بڑی رحمت یہ ہے کہ ہمارے اعمال محدود اور جزا غیر محدود اور میں نے جو کہا ہے کہ وہ جزا برائے نام ہے ورنہ محض عطا ہی ہے اس کی دلیل خود قرآن میں ہے جزاء من

ربک عطاء حساباً۔ اس تقریر سے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ اگر وہ جزا ہے تو عطا کیسی اور اگر عطا ہے تو پھر حساب کیسا۔ جواب یہ ہے کہ جزا صورتاً ہے اور عطا حقیقتاً اور حساب جزا یا عطا کے لئے نہیں بلکہ خود اہل عطا میں تفاوت کے لئے حساب ہوگا۔ باقی عطا بغیر حساب ہی ہوگی۔ (صفحہ ۱۴۰)

برا کہنے والوں نے کسی کو نہیں بخشا

فرمایا کہ برا کہنے والوں نے کس کو چھوڑ دیا۔ اللہ کو چھوڑ دیا، اللہ کے رسول کو چھوڑ دیا، آئمہ مجتہدین کو چھوڑ دیا۔ بعد کے علما اور بزرگان دین کس شمار میں ہیں۔ مگر کسی کے برا بھلا کہنے سے برا کیوں مانے۔ اس سے بگڑتا کیا ہے۔ معاملہ تو اللہ کے ساتھ ہے۔ مخلوق سے لینا ہی کیا ہے۔ اگر کسی کو اس کی فکر ہے تو یہ اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے پھر خدا پرستی کہاں اور یہ فکر خود ایک مستقل اور بہت بڑا عذاب ہے کہ فلاں برا نہ کہے، فلاں بھلا نہ کہے۔ کون بیٹھا ہوا ان خرافات کا مراقبہ کیا کرے۔ (صفحہ ۱۴۳)

غیر اختیاری عوارض سے ثواب میں کمی نہیں ہوتی

فرمایا کہ غیر اختیاری عارض پیش آنے سے عمل کے ثواب میں کمی نہیں کی جاتی۔ یہ ان کی رحمت ہے مثلاً بیماری ہے تو یہ اختیاری تھوڑی ہے۔ ایک غیر اختیاری چیز ہے سو اس کی وجہ سے بظاہر جو اعمال میں کمی ہوتی ہے وہ صورتاً کمی ہے حقیقتاً کمی نہیں۔ ان تشویشات میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ اس وقت اس کا مراقبہ کرے کہ میرے لئے یہی بہتر ہے جو اس طرف سے تجویز ہوئی۔ (صفحہ ۱۴۷)

خودکشی کے حرام ہونے کا سبب

فرمایا کہ جان مفت تھوڑی ہی دی جاسکتی ہے جب تک کہ یہ اطمینان نہ ہو کہ اپنے محل پر جاری ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ جان اپنی ملک نہیں کہ اس میں جو چاہو تصرف کرلو۔ دیکھئے اگر جان اپنی ہو تو خودکشی کیوں حرام ہوتی۔ ہاں یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں جان دینا

طاعت ہے تو وہاں کمزور مسلمان بھی قوتِ ایمان سے بہادر ہو جائے گا کیونکہ شجاعت میں کمی تردد سے ہوتی ہے اور بے موقع بے محل بدوں اذنِ شرعی کے جان دینا کوئی بہادری نہیں بلکہ بزدلی ہے جیسے خود کشی بہادری نہیں اور اگر یہ بہادری ہے تو ویسی ہی ہے جیسے عورتیں کنوؤں میں گر کر مرجاتی ہیں۔ کیا کوئی عاقل ان کو بہادر کہے گا اور حقیقی شجاعت صرف مسلمان میں ہے۔ اور شجاعت ہی کی کیا تخصیص ہے، تمام کمالات کی یہی حالت ہے کہ دنیا کی غیر مسلم اقوام مسلمانوں سے کسی چیز میں نہیں بڑھ سکتیں خواہ علم ہو یا عمل ہو۔ شجاعت ہو یا عقل ہو۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے اندر ایک چیز ہے جس کو ایمان کہتے ہیں اور نورِ ایمان کے اندر جو چیز نظر آوے گی وہ ظلمت اور اندھیرے میں کہاں نظر آ سکتی ہے۔ اس کے موازنہ کی سہل صورت یہ ہے کہ ایک کافر کو لیجئے اور ایک مسلمان کو لیکن وہ دونوں ایک ملک، ایک تعلیم، ایک سے قوی، ایک سی وسعت میں شریک ہوں۔ پھر موازنہ کر لیجئے، معلوم ہو جائے گا کہ کون قابل اور کون ناقابل ہے۔ (صفحہ ۱۵۰)

ایک بڑے کام کی بات

فرمایا کہ محض زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا۔ کام کرنے سے کام چلتا ہے۔ ایک بزرگ نے بہت اچھی بات لکھی ہے۔ بڑے کام کی بات ہے کہ اے عزیز؛ بزرگوں کے ملفوظات کے یاد کرنے کا اہتمام نہ کرو بلکہ اس کی کوشش کرو کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ تمہاری زبان سے بھی وہی نکلنے لگے جو ان کی زبان سے نکلا۔ اس کی ایک مثال ہے کہ ایک قلعہ ہے، اس میں رسد جمع کرنا ہے تو پانی کا ایک بہت بڑا حوض تیار کر لیا اور اس کو بیرونی پانی سے بھر لیا مگر اس سے اچھا یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا کنواں اندر کھودلو۔ گو پانی تھوڑا ہو گا مگر آتا رہے گا۔ برابر خرچ کرتے رہو نکالتے رہو، کمی نہ ہوگی۔ اسی طرح اپنے اندر کنواں کھودلو۔ (صفحہ ۱۵۳)

شریعت میں کفران کی اجازت نہیں

فرمایا کہ کسی چیز کے کھانے یا لینے سے عذر کر دینا کفرانِ نعمت تو جب ہے جبکہ

ضرورت ہو۔ اگر ضرورت ہونے پر ایسا کیا تو یہ ابتلا ہے اور اگر ایسا نہیں جیسا ایک شخص کے پاس ملنے گئے اور اس نے دودھ سوئیوں کا پیالہ بھر کر رکھ دیا اور خواہش ہے نہیں تو کیا کھانے سے عذر کر دینا کفران ہوگا۔ کفران ایسا سستا نہیں کہ چمٹتا پھرے اور سب معاملات میں بڑا معیار تو شریعت ہے۔ اگر فتویٰ سے عذر کی اجازت ہے تو پھر کفران کہاں۔ کفران کی تو اجازت شریعت میں نہیں سو جو کفران کی فرد ہوگی اس میں شریعت کی ممانعت بھی ہوگی اور یہاں ممانعت ہے نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ کفران بھی نہیں۔ پس مسلمانوں کے لئے تو بڑا اچھا معیار شریعت ہے مگر فتویٰ ایسی چیزوں میں اسی کا معتبر ہے جو جامع شریعت و طریقت ہو۔ اس لئے کہ اہل ظاہر بلا ضرورت کہیں جائز کہہ دے گا اور کہیں ناجائز۔ (صفحہ ۱۹۰)

نسبت حقیقی کے حصول کا طریق

ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا پیر مرید کو ولی بنا سکتا ہے؟ فرمایا کہ ولی مقبول کو کہتے ہیں۔ یہ کسی کے قبضہ میں نہیں کہ کوئی کسی کو مقبول بنا سکے۔ ہاں جس کو کیفیت باطنی اور عوام نسبت بھی کہتے ہیں وہ حاصل ہو جاتی ہے مگر وہ نسبت حقیقی کہ بندہ کو خدا کے ساتھ عشق کا سا تعلق ہو جائے اور حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ رضا کا تعلق ہو جاوے، یہ موقوف ہے دوام طاعت اور کثرت ذکر پر۔ یہ بدوں اس کے نصیب نہیں ہو سکتی اور یہی نسبت مطلوب ہے۔ باقی جو نسبت بمعنی کیفیت ہے وہ مطلوب نہیں۔ (صفحہ ۲۰۵)

خرافات سے بچنے کی ضرورت

فرمایا کہ میں تو اس کو پسند کرتا ہوں کہ ہر شخص کام میں لگے، چاہے وہ کام دین کا ہو یا دنیا کا۔ جو شخص مشغول ہوتا ہے وہ بہت سی خرافات سے بچا رہتا ہے۔ ایک بزرگ اپنے خدام کے ساتھ جا رہے تھے۔ ایک شخص راستہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ بزرگ نے اس کو سلام نہیں کیا۔ پھر واپسی اسی راستہ سے ہوئی۔ وہی شخص پھر بیٹھا تھا اور زمین کرید رہا تھا۔ ان بزرگ نے اس کو سلام کیا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت اس میں کیا راز تھا کہ اس شخص کو پہلے

سلام نہیں کیا اور اب کیا۔ فرمایا کہ پہلے بیکار بیٹھا تھا اس لئے اس کے قلب میں شیطان تصرف کر رہا تھا اور اب مشغول ہے گو بیکار فعل ہی سہی جو معصیت بھی نہیں اس لئے شیطان اس سے دور ہے۔ (صفحہ ۲۱۸)

سب میں سہل اور پیارا نام

فرمایا کہ سب میں سہل یہ نام مبارک ہے یعنی اللہ حتیٰ کہ اگر کوئی بہت ہی چھوٹے بچے کو بھی سکھلا دے اللہ اللہ تو سہولت سیکھ سکتا ہے۔ مسمیٰ تو اتنے بڑے شان کے کہ وہاں تک رسائی مشکل اور نام اتنا سہل کہ بچے بھی اس کے بولنے پر قادر ہیں۔ کیا برکت والا نام ہے اور کیسا پیارا سبحان اللہ۔ (صفحہ ۲۲۳)

بغیر اخلاص کے عمل کی مثال

فرمایا کہ جو عمل خلوص اور محبت سے خالی ہوگا وہ بے مغز کا بادام ہے اور بے رس کا آم ہے۔ اس کے پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے اور جب تک نہ ہو اس وقت تک اس نکالی کو بھی بیکار نہیں سمجھنا چاہیئے اس لئے کہ صورت بھی کبھی سیرت تک پہنچا دیتی ہے۔ تعمیر الظاہر والباطن کی ضرورت ہے اگر اجتماعاً نہ ہو تعاقباً ہی سہی۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عمل ریا سے بھی ہو تو اس کو بھی نہیں چھوڑنا چاہیئے، کرتا رہے اس لئے کہ ریا سے عادت ہو جاتی ہے اور عادت سے عبادت۔ (صفحہ ۲۲۶)

ادائیگی حقوق العباد کی ترتیب

فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اپنے بزرگوں کی دعا اور توجہ کی برکت سے میرے یہاں ہر چیز اپنی حد پر ہے۔ میں نے اصلاح انقلاب امت میں مریبوں میں دلائل سے یہ ترتیب ثابت کی ہے کہ اول ماں باپ کا حق ہے۔ دوسرے درجہ میں استاد کا اور تیسرے درجہ میں پیر کا حق ہے۔ ماں باپ کی مثال اینٹ مٹی جمع کرنے والے کی ہے۔ اور استاد کی مثال مکان بنانے والے کی ہے۔ اور پیر کی مثال نقش و نگار کرنے والے کی ہے۔ (صفحہ ۲۷۱)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۸)

غیر محقق شیخ کی صحبت کا اثر

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں ایک ایسے شخص کے متعلق جو پہلے ایک غیر محقق شیخ سے بیعت تھے فرمایا کہ اب چاہے کیسی ہی مفید صحبت ملے اور کیسی ہی اصلاح کی جائے مگر ان کے پہلے تعلق کا اثر کچھ نہ کچھ ضرور رہے گا اور یہی وجہ ہے کہ ان سے اس قسم کی حرکات کا صدور ہو جاتا ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ مختلف محقق بزرگوں کی خدمت میں رہ کر بھی مزاج فاسد ہو جاتا ہے چہ جائیکہ کسی غیر محقق سے تعلق رہا ہو۔ اس وقت تک جو بری باتیں پیدا ہو چکی ہیں ان کا اثر بھی رہ جاتا ہے گو ان کے صدور کی نیت نہ ہو مگر بری باتیں تو بلا نیت کے بھی بری ہی ہیں اس لئے اول ہی تعلق کے وقت ضرورت ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے خوب سوچ سمجھ کر دے۔ کسی اہل باطل کے ہاتھ میں پھنس جانے سے اصلاح کے بعد بھی وہ رنگ ضرور رہتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جب ہنڈیا پک گئی اور خراب ہو گئی تو ٹھیک کرنے پر بھی وہ خراب رہتی ہے۔ ایک دوسری مثال بھی ہے کہ ایک تو کنواری لڑکی سے نکاح کیا جاوے اور ایک بیوہ عورت سے۔ کنواری لڑکی کو تو جس ڈھنگ پر چاہو لے آؤ لیکن بیوہ عورت خواہ دوسرے خاوند پر عاشق ہی ہو جائے مگر اس میں پہلے خاوند کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور رہتا ہے۔ اسی طرح جو مرید پہلے کسی شیخ سے متعلق رہ چکا ہو وہ جب آوے گا خواہ اس کی کیسی ہی اصلاح ہو جائے مگر پہلے شیخ کے تعلق کا اثر اس میں کچھ نہ کچھ ضرور رہتا ہے اس لئے پہلے ہی دیکھ بھال کر کسی سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے۔ (صفحہ ۳۴)

حق تعالیٰ شانہ کی قدرت

فرمایا کہ میں تو اس پر بھی حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس کو ان کا بڑا فضل اور نعمت سمجھتا ہوں کہ عین وقت پر ضرورت کی بات دل میں ڈال دیتے ہیں، کہیں گاڑی اٹکنے

نہیں دیتے۔ ایک ہندو جو اپنے مذہب کا جاننے والا معلوم ہوتا تھا اور صاحبِ ریاضت و ریاست بھی تھا مجھ سے ملنے آیا اور ایک معمر شخص جو غالباً اس کو گرو معلوم ہوتا تھا اس کے ساتھ تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔ میں نے کہا کہ کہئے وہ سوال کیا ہے۔ کہا کہ آپ قرآن پاک کو کلام اللہ کہتے ہیں اور کلام ہوتا ہے زبان سے اور ساتھ ہی اس کے اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ خدا جو ارح سے مبرا اور منزہ ہے تو پھر کلام کس چیز سے کیا گیا جبکہ زبان نہیں۔ میں نے کہا کہ انسان تو متکلم ہے بواسطہ زبان کے جس سے معلوم ہوا کہ اصل متکلم زبان ہے تو یہ بتلاؤ کہ اس زبان کے کون سی زبان ہے جس سے یہ متکلم ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ متکلم ہونے کے لئے زبان شرط نہیں۔ بدون زبان کے بھی تکلم ممکن ہے۔ پھر جب زبان بدون زبان کے تکلم پر قادر ہے تو کیا حق تعالیٰ کی قدرت زبان سے بھی کم ہے۔ وہ بدون زبان کیوں کلام نہیں کر سکتا۔ وہ سمجھ گیا اور ساتھی سے کہنے لگا کہ دیکھئے علم اس کو کہتے ہیں۔ اس کے سمجھ جانے کی وجہ سے اور آگے میری ہمت بڑھی۔ میں نے کہا کہ اور دیکھئے۔ آدمی دیکھتا ہے بواسطہ آنکھ کے مگر آنکھ بلا واسطہ آنکھ کے دیکھتی ہے۔ اس کے کون سی آنکھ ہے جس سے یہ دیکھتی ہے تو جب آنکھ کو قدرت ہے کہ بدون آنکھ کے دیکھ سکے تو کیا خدا کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ وہ بدون آنکھ کے دیکھ سکیں۔ اسی طرح کان کو سمجھ لیجئے۔ (صفحہ ۴۳)

نفس سے ہمیشہ ہوشیار رہنے کی ضرورت

فرمایا کہ نفس سے ہمیشہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ جب موقع پائے گا اور اسباب دیکھے گا ضرور اپنا کام کئے بدون نہ رہے گا۔ جو لوگ اپنی اصلاح کامل کر چکے ہیں بے فکری تو ان کے لئے بھی خطرہ سے خالی نہیں مگر پھر ایک درجہ میں ان کے لئے سہولت ہے کہ وہ عین وقت پر بھی علم اور تجربہ کی وجہ سے اس کو قابو میں کر سکتے ہیں ورنہ ہمارے نفس کی حالت منہ زور گھوڑے کی سی ہے۔ جب قابو سے نکل جاتا ہے آگے پیچھے کچھ نہیں دیکھتا۔ جو کچھ ضرر

بھی اس سے صادر ہو جاوے کم ہے اس لئے ہر وقت ہوشیار رہنے اور انتظام رکھنے کی ضرورت ہے۔ جنہوں نے اس کی حقیقت پہچان لی ہے وہ ہر وقت اس کی تگ و دو میں رہتے ہیں۔ اس سے بے فکری کسی وقت بھی اور کسی کو بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کبھی بے فکری ہوگی دھوکا کھائے گا۔ سانپ سے کیا بے فکری، وہ تو موقع پاتے ہی اپنا کام کرے گا۔ بس یہی حالت اس نفس کی ہے۔ یہ تو اسی وقت تک قابو میں ہے جب تک کہ اس کی فکر میں ہے اور جس طرح یہ تاک میں ہے اس کی بھی کوئی تاک میں ہو ورنہ یہ تو اثر دھا ہے، شیطان اس قدر خطرناک نہیں جتنا یہ ہے۔ (صفحہ ۵۰)

راہِ طریق میں خود بینی رہن ہے

فرمایا کہ اس راہ میں خود رائی اور خود بینی سخت رہن اور سم قاتل ہے۔ ایسا شخص کہ جس کے اندر یہ چیزیں ہوں گی وہ قطعاً محروم رہے گا۔ کوئی حصہ اس کا اس راہ میں اس کو نصیب نہ ہوگا۔ پہلا قدم اس راہ میں فنا ہے اور اپنے کو مٹانا ہے۔ (صفحہ ۵۱)

حب جاہ تکبر سے ناشی ہے

فرمایا کہ یہ بھی آج کل لوگوں میں ایک عام مرض ہو گیا ہے کہ اس کی بڑی فکر رہتی ہے کہ کوئی ہم کو برا نہ کہے۔ یہ مرض حب جاہ کہلاتا ہے اور یہ مرض تکبر سے ناشی ہے اور بڑا ہی مہلک مرض ہے۔ اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے۔ دنیا میں بھی اس کی بدولت جو کفایتیں ہوتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں اور آخرت تو اس کی بدولت بہت ہی خراب اور برباد ہو جاتی ہے۔ اس کی تو فکر ہی نہ ہونا چاہیے۔ کوئی کچھ کہے، کہا کرے، اس سے بگڑتا کیا ہے۔ ایک فوری کلفت تو اس میں یہ ہے کہ آدمی اس سوچ میں فکر میں پڑ کر کسی کام کا نہیں رہتا۔ بڑا حصہ وقت کا اس میں خراب اور برباد ہوتا ہے۔ کسی وقت قلب کو چین اور سکون ہی میسر نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں پر اس کا مدار ہے کہ اس کو اچھا سمجھیں اور یہ غیر اختیاری چیز ہے اور جب یہ معلوم ہے کہ یہ غیر اختیاری چیز ہے تو اس کے درپے ہونے کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا اور

نتیجہ نہ ہونے کی حالت میں اس میں مشغول ہونا کم از کم فعلِ عبث تو ضرور ہوگا اور فضول اور عبث سے بچنا خود نصف طریق ہے۔ (صفحہ ۵۱)

کامل کی علامت

فرمایا کہ جس قدر جس کو حضور ﷺ کے ساتھ تشبہ ہو اسی درجہ وہ کامل ہے مگر آج کل لوگوں نے تعریف گڑھ رکھی ہے کہ جس کو ہر وقت استغراق رہے، کسی چیز کی خبر نہ ہو۔ اب حقیقت سنئے۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز میں قرأت طویل کروں مگر کسی بچہ کے رونے کی آواز سن کر خیال ہوتا ہے کہ اس کی ماں نماز میں پریشان نہ ہو اس لئے قرأت کو طویل نہیں کرتا تو حضور ﷺ کو تو بچوں کے رونے تک کی خبر ہو اور لوگوں نے کمال کی مثال میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ بعض بزرگوں کو نماز میں تیر نکلنے تک کی خبر نہیں ہوئی۔ اگر کسی کو یہ اطلاع نہ کی جاوے کہ دونوں واقعے کس کے ہیں تو وہ تیر کی خبر نہ ہونے والے کو کامل سمجھے گا حالانکہ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ سے بڑھ کر کون کامل ہو سکتا ہے مگر پھر بھی حضور ﷺ کو بچوں تک کے رونے کی خبر ہوئی۔ لہذا ذرا سوچ سمجھ کر کچھ زبان سے نکالنا چاہیئے اور ان کیفیات یعنی استغراق وغیرہ کی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ کوئی کمال کی چیز نہیں اور جب کمال کی نہیں تو بیچاری مقصود کیا ہو سکتی ہے۔ لوگوں کی یہ سب بیخبری ہے کہ ان چیزوں کو مقصودِ اعظم بنا رکھا اور سمجھ رکھا ہے۔ (صفحہ ۶۲)

حالتِ فراغ میں بھی دعا اور الحاح و زاری کی ضرورت

فرمایا کہ دعا اور التجا اور توبہ تو بالکل ہی متروک ہو گئیں۔ دنیا دار تو کیا دینداروں میں بھی یہ چیزیں نہیں رہیں۔ کچھ لوگوں میں خشکی اور افسردگی سی آگئی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کام میں برکت و حلاوت نہیں معلوم ہوتی۔ ہر چیز میں روکھاپن سا معلوم ہوتا ہے۔ یہ دو چیزیں دعا اور توبہ حقیقت میں مصائب و شرور کے مقابلہ میں ڈھال اور ہتھیار ہیں مگر ان ہی سے لوگوں کو غفلت ہے۔ (صفحہ ۸۲)

قبولِ حق سے استنکاف بڑی مہلک چیز ہے

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ کم از کم اپنی کوتاہی کا اعتراف تو ہونا ضروری ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا کفارہ ہے۔ باقی خودداری اور قبولِ حق سے استنکاف یہ تو بڑی ہی مہلک چیز ہے۔ نورِ باطن و نورِ قلب کو بالکل ہی فنا کر دیتی ہے۔ باطن اس سے بالکل برباد ہو جاتا ہے۔ معلوم بھی ہے کہ یہ خودداری کبر سے ناشی ہے۔ آج کل کبر کا نام خودداری رکھا ہے۔ شیطان نے بھی تو یہی خودداری کی تھی۔ پھر اس کا جو انجام ہوا ظاہر ہے۔ (صفحہ ۱۱۷)

قلبِ مسافر خانہ نہیں

فرمایا کہ اصل تو یہ ہے کہ میں بلا ضرورت قلب کے مشغول رہنے سے گھبراتا ہوں۔ اس کا تحمل نہیں۔ باقی کام کی مشغولی سے نہیں گھبراتا چاہے شب و روز مجھ سے خدمت لئے جائے عذر نہیں البتہ جس بات سے قلب کو مشغولی ہو ایک لمحہ اور ایک سکینڈ کے لئے اس کی برداشت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنے والوں سے میری کم بنتی ہے۔ وہ بات صاف نہیں کرتے، میرے قلب کو بلا وجہ مشغول رکھنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے اس کا تحمل نہیں اس لئے لڑائی ہو جاتی ہے۔ قلب تو ایک ہی ذات کے لئے ہے۔ وہ کوئی سرائے یا مسافر خانہ تھوڑا ہی ہے کہ سب کی اس میں کھپت ہو سکے اور باوجود برداشت نہ ہونے کے میں جس قدر ضبط کرتا ہوں یہ کہنے اور بیان کرنے سے سمجھ میں آنے والی بات نہیں، خود برداشت کر کے دیکھنے کی چیز ہے۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ واقعی میں کس قدر برداشت کرتا ہوں۔ (صفحہ ۱۲۱)

اصل دولت اعمال کی پابندی سے نصیب ہوتی ہے

فرمایا کہ بدون مجاہدہ اور ریاضت کے صرف کسی متصرف کی توجہ سے بھی کام ہو سکتا ہے لیکن نادراً اور النادر کا معدوم۔ باقی توجہ سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کی عمر کچھ نہیں ہوتی۔ وہ ایک وقتی چیز ہے اور نہ توجہ سے رسوخ ہو سکتا ہے جو اصل اور روح ہے۔ طریق کی

دولت مجاہدات، ریاضات اور اعمال کی پابندی ہی سے نصیب ہوتی ہے۔ اس کو کبھی زوال نہیں ہوتا ان شاء اللہ تعالیٰ بشرطیکہ یہ اس کی نگرانی کرتا رہے۔ (صفحہ ۱۶۲)

مصنوعی تواضع اور تکبر میں صورتِ اعتدال

فرمایا کہ میں نہ تکبر کو پسند کرتا ہوں اور نہ ایسی تواضع کو جس میں ذلت ہو۔ یہاں نہ متکبروں کا گذر ہے اور نہ ایسے متواضع کو جگہ ملتی ہے جو ذلت کا درجہ اختیار کرے یا اس نیت سے تواضع اختیار کرنا کہ جس سے بے نفس ہونے کی شہرت ہو۔ یہ بھی تکبر کا ایک شعبہ ہے۔ ہر چیز میں اعتدال کی ضرورت ہے جس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ نہ ایسی وضع رکھے کہ کبر کی شکل ہو اور نہ تواضع کی شکل تکلف سے بنائی جاوے۔ بس بے تکلف جو فطری عادت ہو اس پر عمل کرے۔ اس میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی، نہ کبر نہ مصنوعی تواضع ورنہ جس صورت میں بھی تکلف ہوگا اسی میں حد سے تجاوز ہوگا۔ (صفحہ ۱۷۵)

مسلم اور غیر مسلم کے اخلاق میں فرق

فرمایا کہ اگر آدمی خدا کے راضی کرنے کو اخلاق اختیار کرتا ہے تو اس میں رسوخ بھی ہوتا ہے اور جس شخص کے اخلاق اپنی اغراض کے لئے ہوں کہ جیسا موقع دیکھا ویسا کر لیا اس کا کیا اعتبار۔ مسلم من حیث المسلم اور غیر مسلم کے اخلاق میں یہی ایک فرق ہے۔ غیر مسلم اپنی غرض کے لئے کرتے ہیں اور مسلم خدا کے لئے۔ (صفحہ ۱۸۰)

نعمتِ ادب پر اظہارِ تشکر

فرمایا کہ مجھ کو نہ ایسا علم ہے اور نہ اس درجہ کا عمل ہے البتہ ایک چیز ہے جو خدا تعالیٰ نے دی ہے، خواہ اس کو کوئی دعویٰ بھی سمجھ لے۔ وہ ایک چیز یہ ہے کہ مجھ میں ادب ہے۔ یہ خدا کی بڑی نعمت ہے جو مجھ کو عطا فرمائی گئی ہے۔ کسی مشرب کسی مسلک کے اللہ اللہ کرنے والے ملے، مجھ سے سب خوش رہے اور سب نے دعائیں دیں۔ میں غیر مسلک کے اللہ اللہ کرنے والوں سے بھی ملا ہوں۔ گو اعتقاد سے نہ ملتا تھا مگر ادب سے ملتا تھا۔ اعتقاد اور چیز ہے ادب اور

چیز ہے۔ ادب میں سب کا کرتا ہوں باقی اعتقاد یہ جس سے ہے اس سے ہے۔ (صفحہ ۲۱۰)

اشاعت حق کے لئے ضرورتِ جہاد

فرمایا کہ ایک فاضل فلسفی نے یورپ کے شبہ سے متاثر ہو کر مجھ سے پوچھا کہ جہاد کیا چیز ہے۔ میں نے کہا کہ اشاعتِ حق ضروری ہے اس لئے اس کے موانع کا ارتقا بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ کفار مغلوب ہو کر رہیں۔ اس کی صورتیں ہیں یا جزیہ دیں، اس سے بھی مغلوب ہی سمجھے جائیں گے یا اگر جزیہ نہ دیں تب ان سے قتال ہوگا۔ پس یہ جہاد ہے۔ کہنے لگے کہ اگر صلح کر لیں تب بھی مانع مرتفع ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ صلح کرنے سے مغلوب نہ ہوں گے کیونکہ جب چاہیں صلح توڑ دیں۔ سو جو مقصود ہے کہ مغلوب ہو کر رہیں وہ مقصود صلح سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس جواب سے ان کو بہت تسلی ہوئی۔ (صفحہ ۲۴۲)

رضا ہمیشہ دائمی رہتی ہے

فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ رضاء دائمی کی دعا فرما دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ رضا میں دائم کی قید کیسی۔ رضا تو دائم ہی ہوتی ہے۔ وہ راضی ہو کر پھر ناراض نہیں ہوتے۔ سبحان اللہ کیسی کام کی بات فرمائی۔ یہ حضرات حکیم تھے۔ جو بات فرماتے تھے جامع اور مانع ہوتی تھی۔ (صفحہ ۲۵۶)

انسان بننا فرض ہے

فرمایا کہ انسان بننا فرض ہے بزرگ بننا فرض نہیں اس لئے کہ انسان نہ بننے سے دوسروں کو تکلیف ہوگی اور بزرگ نہ بننے سے اپنے ہی کو تکلیف ہوگی وہ یہ کہ دوزخ میں جائے گا، خود تکلیف اٹھائے گا۔ انسان ہوگا تو اس سے دوسروں کو تکلیف نہ ہوگی۔ اس لئے میں انسان بنانے کی کوشش کرتا ہوں، بزرگ نہیں بناتا۔ (صفحہ ۲۶۵)

گمنامی میں بڑی عافیت ہے

فرمایا کہ گمنامی بڑی عافیت کی چیز ہے اور شہرت میں دینی اور دنیوی دونوں ضرر

ہیں۔ مشہور آدمی پر مخلوق کا حسد اور غصہ اس طرح نازل ہوتا ہے جیسے مشک کے دہانہ سے پانی گرتا ہے۔ اسی وجہ سے گمنامی کی ترغیب دیتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے شہرت سے بچو۔ ایسے رہو کہ کوئی جانے بھی نہیں کہ کوئی رہتا بھی ہے۔ مگر یہ اس شہرت کے لئے ہے جو اپنے اختیار اور قصد سے ہو۔ باقی غیر اختیاری شہرت، وہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ اپنے کو مٹائے ہوئے فنا کئے ہوئے رہتے تھے مگر اس پر بھی دنیا میں شہرت اور ان کے علوم غلغلہ تھا۔ جس طرف کو چلے گئے سب ماند ہو جاتے تھے سو یہ غیر اختیاری ہے اور یہ مضر بھی نہیں۔ اس لئے کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور انہیں کی نصرت اور حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ (صفحہ ۲۸۱)

بریکار وقت کھونا بہت برا ہے

فرمایا کہ بریکار وقت کا کھونا نہایت برا ہے۔ اگر کچھ بھی کام نہ ہو تو انسان گھر کے کام میں لگ جائے۔ گھر کے کام میں لگنے سے دل بھی بہلتا ہے اور عبادت بھی ہے۔ یہ مجموعوں میں بیٹھنا خطرہ سے خالی نہیں۔ کسی کی حکایت کسی کی شکایت، بعض مرتبہ غیبت تک نوبت آجاتی ہے۔ اس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔ (صفحہ ۲۸۹)

انتظام بڑی برکت کی چیز ہے

فرمایا کہ انتظام بڑی برکت کی چیز ہے۔ خدا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر انتظام نہ ہو تو سلطنت بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ دیکھ لیجئے ہندوستان میں کتنے زمانہ تک مسلمانوں کی سلطنت رہی لیکن زوال کا سبب بے فکری اور بد انتظامی ہی ہے۔ اسی طرح جس گھر میں بد انتظامی ہوگی اس میں بھی برکت نہ ہوگی۔ اس وقت بھی مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سبب یہی دو چیزیں ہیں بے فکری اور بد انتظامی۔ بے فکری کے معنی ہیں کہ سوچے نہیں کہ انجام کیا ہوگا۔ اور بد انتظامی کے معنی ہیں کہ دیکھے نہیں کہ آمدنی کیا ہے اور خرچ کیا ہے، بے سوچے خرچ کرے۔ انتظام کے معنی یہ ہیں کہ یہ سوچے کہ اگر میں خرچ نہ کروں گا تو اس میں کوئی ضرر

ہے دینی یا دنیوی۔ اگر ضرر ہے تب تو خرچ کرے ورنہ نہیں۔ آج کل فضول خرچی کا نام رکھا ہے بلند حوصلگی۔ اس بلند حوصلگی کے نتائج سنئے کہ اپنے مال سے گذر کر دوسروں کے مال پر نظر ہوتی ہے۔ قرض لیتے پھرتے ہیں۔ پھر نوبت یہاں تک آتی ہے کہ عادی ہو جانے کی وجہ سے اگر ویسے قرض نہیں ملتا تو سودی قرض لینا پڑتا ہے۔ اس کا جو انجام ہے ہر شخص پر ظاہر ہے کہ دنیا اور دین دونوں کو برباد کرنے والی چیز ہے۔ (صفحہ ۲۹۸)

بسا اوقات صورت کا بھی اثر ہوتا ہے

فرمایا کہ بسا اوقات صورت کا بھی اثر ہوتا ہے، اچھی کا بھی بری کا بھی۔ اس کے متعلق بزرگوں نے ایک عجیب مسئلہ لکھا ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص صوفیوں کی صورت اختیار کرے خواہ ریا سے ہو یا مکاری سے ہو اس کی بھی تحقیر نہ کرو۔ اس لئے کہ آدمی صورت اسی کی اختیار کرتا ہے جس کی عظمت اور احترام قلب میں ہوتا ہے۔ سو یہ نقل کرنا اس کی تو دلیل ہو گئی کہ اس کے دل میں اس جماعت کی عظمت ہے اور اس سے نیچریوں کے شبہ کو جواب بھی نکل آیا وہ جو حدیث من تشبه بقوم فهو منهم میں اشکال کیا کرتے ہیں کیونکہ اگر ان کے قلب میں اہل باطل کی عظمت اور احترام نہ ہوتا تو ان کے ساتھ شبہ نہ کرتے۔ (صفحہ ۳۰۵)

دوستی اور دشمنی میں ضرورت اعتدال

فرمایا کہ حد سے گذر کر ہر چیز مذموم ہے۔ حدیث میں تعلیم ہے کہ حد سے گذر کر دوستی مت کرو ممکن ہے کہ کسی دن بغض ہو جاوے۔ اسی طرح حد سے گذر کر دشمنی مت کرو ممکن ہے کہ پھر تعلقات دوستی کے ہو جائیں تو اس وقت شرمندگی ہوگی کہ ہم نے اس شخص کے ساتھ کیوں دشمنی کی تھی۔ غرض اسلامی تعلیم میں ہر طرح کی راحت ہی ہے۔ کیسی پاکیزہ اور عجیب تعلیم ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ باتیں ہیں قابلِ وجد۔ لیکن ڈھولک اور سارنگی کے وجدیوں کو ان چیزوں کی کیا خبر۔ ان کو تو حظوظِ نفسانی میں ابتلا ہے۔ حقائق سے بالکل کورے ہیں۔ (صفحہ ۳۱۱)

تبلیغ کا ایک ادب

فرمایا کہ تبلیغ کا کام بڑا کام ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ مبلغ کو اپنا کام کر دینا چاہیئے۔ کسی ثمرہ کا انتظار نہ کرنا چاہیئے۔ ثمرہ جن کے قبضہ میں ہے جب حکمت اور مصلحت ہوگی وہ مرتب فرمادیں گے اور اگر نہ مرتب فرمائیں تو یہ بھی ایک ثمرہ ہے کہ کوئی ثمرہ نہیں۔ سو آدمی کو اس کنج و کاوش میں نہ پڑنا چاہیئے۔ آدمی اپنا کام کر لے جو کہ اختیاری ہے۔ ثمرہ غیر اختیاری کے درپے نہ ہو۔ (صفحہ ۳۱۶)

ضرر سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے

فرمایا کہ ایک بی بی کا خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ بعض عورتیں ایسی ہیں کہ وہ قرض لے جاتی ہیں اور پھر واپس نہیں دیتیں۔ اب میں یہ کرتی ہوں کہ جب کوئی قرض مانگنے آتی ہے کہہ دیتی ہوں کہ میرے پاس نہیں۔ اس جھوٹ سے بچنے کا علاج فرمایا جاوے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اس جھوٹ سے گناہ ہی نہیں ہوتا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ضرر سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ لوگ شریعت کو تنگ بتلاتے ہیں۔ کیا یہ تنگی ہے اور اس میں ایک تاویل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس وقت میرے پاس جیب میں نہیں مگر ایسی تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے۔ (صفحہ ۳۱۷)

غم و کلفت اور پریشانی دور کرنے کا مراقبہ

فرمایا کہ اس قدر کنج و کاوش اور رنج و غم کی کون سی ضرورت ہے۔ میں اکثر ایک مراقبہ کا بیان کیا کرتا ہوں جس میں تمام غموں اور کلفتوں اور پریشانیوں کا علاج ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر یہ متحضر ہو جائے کہ حق تعالیٰ مجھ کو چاہتے ہیں (اور یہ واقعہ بھی ہے کہ وہ ہر مومن سے محبت کرتے ہیں واللہ ولی السمومنین نص ہے) تو تمام غموں کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کو کوئی کر کے دیکھے تو معلوم ہوگا کہ تمام غم اور حزن ہباء منشوراً ہو گئے یا نہیں۔ اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے اور دیکھ لیجئے کہ بچہ کو یہ اعتماد ہوتا ہے کہ ماں کو مجھ سے محبت ہے اور وہ مجھ کو چاہتی ہے۔ پھر ماں بہت سی باتیں ناگوار بھی کرتی ہے۔ مار

پیٹ تک کر لیتی ہے لیکن ان ناگوار باتوں کے ہوتے ہوئے بھی بچہ کو اطمینان ہوتا ہے اور ماں کی محبت کی ایک خاص شان ہوتی ہے کہ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتی کہ بچہ کو میری قدر بھی ہوگی یا نہیں۔ برابر بچہ کو نفع پہنچاتی رہتی ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ بندہ کو نفع پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان کو بھی اس کی پرواہ نہیں کہ بندہ قدر کرے گا یا نہیں۔ بس ایسی محبت کا مراقبہ کیا کرے۔ یہ میں ساری عمر کا تجربہ بیان کر رہا ہوں کہ جس قدر نفع اس مراقبہ سے ہو سکتا ہے غالباً اور کسی مراقبہ سے نہیں ہو سکتا۔ اس میں سارے غموں کا ازالہ ہے۔ کوئی غم ہو، پریشانی یا رنج ہو سب کا علاج اس مراقبہ میں ہے۔ عجیب و غریب مراقبہ ہے لیکن کر کے دیکھنے کا ہے۔ بدون کئے کوئی کام نہیں ہوا کرتا۔ (صفحہ ۳۵۲)

اخلاص سے قتال مع الکفار جہاد اکبر ہی ہے

فرمایا کہ آج کل عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قتال مع الکفار جہاد اصغر ہے اور مجاہدہ نفس جہاد اکبر ہے گویا قتال مع الکفار کو علی الاطلاق اس مجاہدہ نفس سے جو خلوت میں ہو درجہ میں گھٹا ہوا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ قتال مع الکفار اگر بلا اخلاص ہے تب تو واقعی میں وہ مجاہدہ نفس سے درجہ میں کم ہے اور مجاہدہ نفس اس سے افضل ہے اور ایسے ہی قتال مع الکفار کو جہاد اصغر اور اس کے مقابلہ میں مجاہدہ نفس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ لیکن اگر قتال مع الکفار اخلاص کے ساتھ ہو تو ایسی حالت میں قتال مع الکفار کو جہاد اصغر کہنا غیر محققین صوفیاء کا غلو ہے بلکہ ایسا قتال مع الکفار جہاد اکبر ہی ہے اور ایسا قتال اس مجاہدہ نفس سے جو خلوت میں ہو افضل ہے کیونکہ جو قتال مع الکفار اخلاص کے ساتھ ہوگا، وہ مجاہدہ نفس کو بھی شامل ہوگا تو ایسے قتال کو دونوں جہادوں کی فضیلت جمع ہو جائے گی۔ (صفحہ ۳۵۸)

(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۹)

بزرگوں کی صحبت میں نفع ہی نفع ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کسی بزرگ کے پاس بیٹھنے میں کسی خاص نیت کی ضرورت ہے۔ فرمایا کہ یہی نیت کافی ہے کہ ہم کو نفع ہو۔ اب وہ نفع عام ہے جس قسم کا بھی نفع ہو جائے۔ علمی، عملی، حالی۔ اور بزرگوں کی صحبت میں تو نفع ہی نفع ہے۔ نقصان کا تو بجز اللہ وہاں نام بھی نہیں۔ (صفحہ ۱۸)

اپنی فکر مقدم ہے

فرمایا کہ دوسروں کی فکر میں آدمی کیوں پڑے، پہلے اپنی فکر مقدم ہے۔ اپنی ہی کیا خبر ہے کہ کیا انجام ہو۔ حق تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرماویں یہ بڑی دولت ہے۔ بطورِ ظرافت کے فرمایا کہ لیکن خاتمہ بالخیر میں خیر سے پہلے بل ہے۔ آج کل اس کی ضرورت ہے کہ ایک بل یعنی گوشہ میں بیٹھا ہوا اللہ اللہ کئے جائے۔ اس ہی میں عافیت ہے۔ بڑا ہی پر فتن زمانہ ہے۔ اس وقت درجات و مقامات تو کیا حاصل ہوتے ایمان کے لالے پڑ رہے ہیں۔ ہر وقت متوجہ الی الحق رہنا چاہیئے۔ توبہ استغفار کرتا رہے اور سلامتی ایمان کی دعا کرتا رہے۔ ہزاروں لاکھوں روپ میں دجال ایمان اور دین پر ڈاکہ ڈالتے پھرتے ہیں۔ ایک فتنہ فرو نہیں ہوتا کہ دوسرا آکھڑا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ ہی محافظ اور حافظ ہیں۔ وہی اپنی رحمت سے دستگیری فرمائیں گے۔ (صفحہ ۳۵)

ایک کام کی بات

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مبتدی کو اس کی ضرورت ہے کہ جس قدر چیزیں قلب کو مشوش اور پریشان کرنے والی ہیں ان سے حتی الامکان اجتناب کرے۔ حاصل یہ ہے کہ اختیار سے اپنے قلب کو ایسی باتوں میں نہ پھنسائے۔ یہ میں نے تجربہ کی بنا پر عرض کیا ہے۔ کام کی بات ہے۔ (صفحہ ۴۱)

مخلوق کی ہر محبت مذموم نہیں

فرمایا کہ مخلوق کی ہر محبت مذموم تھوڑا ہی ہے مثلاً بھوک ہوتی ہے تو کیا کھانے سے محبت نہیں ہوتی۔ پیاس ہوتی ہے تو کیا پانی سے محبت نہیں ہوتی تو کیا یہ مذموم ہے تو یہ زہد نہیں کہ ان چیزوں کی رغبت نہ ہو بلکہ باوجود رغبت کے پھر حد سے نہ نکلے یہی مجاہدہ ہے جس پر اجر ہے۔ غرض زہد وہ ہے جس میں جہد ہو ورنہ دیوار ہے جو مستحق اجر نہیں۔ دیکھئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اموالِ مغنومہ دیکھ کر یہ آیت پڑھی زین للناس حب الشهوات الخ اور عرض کیا کہ آپ نے ان چیزوں کی رغبت پیدا کی ہے، ہم اس کا ازالہ نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ ان چیزوں کی رغبت اور محبت آپ کی محبت کا سبب ہو جاوے۔ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زین کا فاعل حق تعالیٰ کو قرار دیا اور دعا کی کہ ان چیزوں کو معین بنا دیجئے آخرت کا۔ اسی کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است
کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

شہوت و غضب جو انسان میں پایا جاتا ہے ان ہی کی وجہ سے تو تقویٰ انسان کے لئے باعثِ قرب اور سببِ درجات بلند ہونے کا بنتا ہے۔ لوگ ان موانع کو اجر کے کم ہونے کا سبب سمجھتے ہیں حالانکہ اجر کا سبب انسان کے لئے یہی موانع ہیں کیونکہ ان ہی کی بدولت تو مجاہدہ کا تحقق ہوا جو روح ہے اجر کی۔ اسی طرح ایک غلطی اس کے جانبِ مقابل میں ہے کہ بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اصلاح کے بعد اجر نہ ہوگا کیونکہ مجاہدہ تو نہ رہا جو روح تھی اجر کی۔ جواب یہ ہے کہ جو مجاہدہ اصلاح کے لئے کیا گیا تھا اس کا اثر حکماً آخرت تک باقی رہے گا جیسے مٹی کے قبلِ قصد و ارادہ جو ہوتا ہے اس کا اثر ختم مٹی تک ممتد رہتا ہے گو ہر قدم پر جدید قصد نہیں ہوگا۔ (صفحہ ۴۷)

جذب بڑی نعمت ہے

فرمایا کہ جذب کوئی معمولی چیز نہیں۔ بڑی دولت ہے، بڑی نعمت ہے۔ بدوں

جذب کچھ بھی نہیں ہوتا۔ شیطان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ محض سالک تھا، اس میں جذب نہ تھا اس ہی لئے گمراہ ہوا۔ جذب کی قدر کرنا چاہیے اور جو ذریعہ ہے جذب کے پیدا ہونے کا اس کی بھی قدر اور احترام کرنا چاہیے اور وہ اہل اللہ کی صحبت ہے۔ ان کی صحبت کی برکت سے جذب حق پیدا ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اصل وصول جذب ہی سے ہوتا ہے اور ایسا واصل پھر راجع نہیں ہوتا۔ مولانا رومیؒ نے عجیب مثال لکھی ہے کہ جیسے بالغ ہو کر پھر نابالغ نہیں ہوتا۔ شیطان واصل ہی نہ تھا کیونکہ اس میں جذب نہ تھا اسی وجہ سے گمراہ ہوا۔ (صفحہ ۴۸)

چھوٹے بچوں کو بزرگوں کی صحبت سے نفع

ایک اہل علم نے دریافت کیا کہ بعض لوگ جو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی بزرگوں کی خدمت میں اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں حالانکہ وہ بچے ان بزرگ کی باتوں کو سمجھتے تک نہیں تو کیا ان بچوں کو بھی بزرگوں کی خدمت میں بیٹھنے سے نفع ہوتا ہے؟ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ بہت نفع ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ خواہ کوئی بچہ ہو یا بڑا انسان کے دماغ کی مثال پریس کی سی ہے کہ جیسے پریس میں محض اتصال سے ہر چیز اتر آتی ہے اسی طرح دماغ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ارتسام کی خاصیت رکھی ہے کہ جو چیز انسان کے دماغ کے سامنے آتی ہے وہ چیز اس کے دماغ میں مرسم ہو جاتی ہے اور گو اس وقت بچپن میں اس بچہ کو ان مرتسمات کا احساس نہ ہو مگر جب وہ بچہ سن شعور کو پہنچتا ہے تو اس وقت ان چیزوں کا جو کہ اس کے دماغ میں پہلے سے موجود ہیں، اس کو احساس ہونے لگتا ہے اور پھر وہ ان خیالات اور تصورات سے متاثر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن ایسا آتا ہے کسی ادنیٰ محرک سے اس سے اسی قسم کے افعال کا ظہور ہونے لگتا ہے تو جب کوئی بچہ کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوگا اور ان بزرگ کے اقوال کو وہ سنے گا اور افعال کو دیکھے گا تو گو وہ اس وقت اس کی سمجھ میں ان اقوال و افعال کی حقیقت نہ آئے مگر محض اس سننے اور دیکھنے ہی کا یہ اثر ہوگا کہ ایک نہ ایک دن اس بچہ سے بھی اس قسم کے افعال کا ظہور ہونے لگے گا۔

اور دماغ کے اس ارتسام کی خاصیت ہی کی وجہ سے بزرگوں نے لکھا ہے کہ بچہ کے سامنے کوئی حرکت ایسی نہ کرے جو بے حیائی کی ہو کیونکہ اس وقت جو چیز اس کے سامنے آئے گی وہ اس کے دماغ میں محفوظ ہو جائے گی۔ پھر بڑے ہو کر اس سے ویسے ہی بے حیائی کا ظہور ہونے لگے گا۔ (صفحہ ۱۰۱)

فن سلوک میں اصل مجاہدہ ترکِ معاصی ہے

فرمایا کہ فن سلوک میں اصل مجاہدہ ترکِ معاصی ہے کہ خواہ کتنا ہی نفس کا تقاضہ ہو مگر حق تعالیٰ کی نافرمانی کے پاس نہ جائے۔ باقی رہے دوسرے مجاہدات کہ وہ تقلیلِ طعام اور تقلیلِ منام اور تقلیلِ کلام اور تقلیلِ اختلاط مع الانام ہیں سوان چاروں مجاہدات میں سے کوئی مقصود بالذات اور فی نفسہ ضروری نہیں مگر چونکہ یہ مجاہدات معین ہوتے ہیں ترکِ معاصی میں اس لئے ان کو اس ضرورت کی وجہ سے اختیار کیا جا رہا ہے۔ پھر ان میں سے جواول کے دو ہیں یعنی تقلیلِ طعام و منام، یہ چونکہ اول تو بہت ضعیف درجہ میں معین ہیں ترکِ معاصی میں، دوسرے بوجہ ضعفِ قویٰ آج کل کے طبائع میں ان کا تحمل نہیں اس لئے مشائخ کے تعامل سے یہ دونوں مجاہدہ بالکل ترک کر دیئے گئے ہیں اور یوں شاذ و نادر کسی خاص ضرورت کے موقع پر ان کا استعمال اب بھی ہو سکتا ہے بخلاف تقلیلِ کلام اور تقلیلِ اختلاط مع الانام کے کہ ان پر اب بھی عمل کرایا جاتا ہے۔ غرض اس طریقِ تصوف میں سب سے بڑا مجاہدہ ترکِ معاصی ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل بڑی بزرگی اس کو سمجھتے ہیں کہ کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں باقی ترکِ معاصی کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں کرتے حالانکہ اس طریقِ باطن کا مقصود اصلی رضائے باری تعالیٰ ہے اور وہ بغیر ترکِ معاصی کے نصیب نہیں ہو سکتی۔ (صفحہ ۱۱۰)

نیک لوگوں کی دو قسمیں

فرمایا کہ نیک لوگ دو قسم کے ہیں یعنی میں نے ان کی دو قسمیں کر رکھی ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو محض کتاب دیکھ کر نیک ہوئے ہیں۔ نہ انہوں نے کسی بزرگ کی صحبت اٹھائی نہ

وہ کسی بزرگ کی زیر تربیت رہے اور دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ وہ بزرگوں کی صحبت میں بھی رہے اور انہوں نے ان بزرگ سے اپنی تربیت بھی کرائی ہے، میں ان دونوں قسموں میں فرق سمجھتا ہوں کیونکہ جو دین کی سمجھ بزرگوں کی صحبت میں اور تربیت میں رہ کر حاصل ہوتی ہے وہ دورہ کرنری کتابوں کے مطالعے پر اکتفا کر لینے سے نہیں حاصل ہوتی اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک تو وہ شخص ہے کہ جس نے طب کی کوئی کتاب دیکھ کر بلا مشورہ طبیب محض اپنی رائے سے مقویات کا استعمال کیا ہو اور ایک وہ کہ جس نے کسی طبیب کے زیر علاج رہ کر اس کی رائے سے مقویات کھائی ہوں، ان دونوں میں بڑا فرق ہوگا۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ محض کتابوں کے مطالعہ کو کافی نہ سمجھا جاوے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھی انتظام ضروری ہے کہ کچھ دنوں بزرگوں کی صحبت میں رہ کر ان سے اپنی تربیت کرائی جائے۔ اکبر حسین اللہ آبادی مرحوم نے خوب کہا ہے کہ ۷

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(صفحہ ۱۱۵)

معیت حق تعالیٰ شانہ رونق بڑھانے کے لئے کافی ہے

فرمایا کہ جو لوگ مدعی تصوف ہیں اور مقتدا کہلاتے ہیں اور اپنے مجمع کی رونق بڑھانا چاہتے ہیں اور اس وجہ سے اپنے پاس والوں کو امر بالمعروف اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ مبادیہ لوگ ناخوش ہو کر ہم کو لوگوں میں سخت نہ مشہور کر دیں اور مبادیہ ہمارے پاس یہ لوگ آنا بند کر دیں تو ان کو چاہیئے کہ سوچیں کہ جب وہ قبر میں تنہا ہوں گے اور کوئی ان کا مونس و غمگسار نہ ہوگا تو کیا اس وقت بھی اس مجمع سے رونق حاصل کی جاسکے گی۔ اگر جواب نفی میں ہو تو پھر جس چیز سے وہاں رونق حاصل ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی معیت بس اس چیز سے یہاں بھی اپنی رونق بڑھانی چاہیئے۔ بس وہ چیز یعنی اللہ تعالیٰ کی معیت رونق بڑھانے

کے لئے کافی ہے لہذا جس شخص کے اندر جو بات قابل اصلاح ہو اس کی اصلاح کی طرف سے بے پرواہی نہ کرنا چاہئے خواہ مجمع گھٹے یا بڑھے۔ (صفحہ ۱۲۸)

جذبات پر مواخذہ نہ ہوگا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص اپنے اخلاقی سنیہ اور رذائلِ نفس کی اصلاح نہ کرائے اور وہ رذائل اس شخص کے اندر ہمیشہ موجود بھی رہیں تو کیا قیامت میں اس پر مواخذہ ہوگا کہ تو نے اپنی اصلاح کیوں نہ کی؟ جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس شخص نے ان رذائلِ نفس کے مقتضاء پر عمل بھی کیا ہے یا نہیں۔ اگر عمل کیا ہے تب تو اس شخص پر مواخذہ ہوگا اور اگر عمل نہیں کیا بلکہ ہمیشہ وہ ان رذائل کے مقتضاء کی مخالفت کرتا رہا تو اس شخص سے مواخذہ نہ ہوگا۔ مثلاً کسی شخص کے اندر غصہ کا مرض تھا، اس مرض کے علاج کی اس کو ضرورت تھی مگر اس شخص نے اس مرض کی کسی سے اصلاح نہ کرائی مگر اس شخص نے اپنے غصہ کے مقتضاء پر بھی کبھی عمل نہیں کیا بلکہ اپنے غصہ کے موقع پر ہمیشہ ضبط سے کام لیا اور کبھی بیجا غصہ نہیں کیا تو اگرچہ غصہ کا رذیلہ اس شخص کے اندر ہمیشہ رہا مگر چونکہ اس نے بیجا غصہ کے مقتضاء پر عمل نہیں کیا اس لئے اس شخص سے مواخذہ نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ جذبات پر مواخذہ نہ ہوگا بلکہ اعمال و افعال پر ہوگا مگر باوجود اس کے پھر جو ان جذبات کی اصلاح کی ضرورت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جذبات کی اصلاح سے نفس کی مقاومت اور مقابلہ آسان ہو جاتا ہے جس سے رذائلِ نفس کے مقتضاء کی مخالفت باسانی ہو سکتی ہے اور اگر اصلاح نہیں کی جاتی تو پھر نفس کی مقاومت کرنا دشوار ہو جاتی ہے اس لئے وہ نفس کا مقابلہ نہیں کر سکتا بلکہ نفس سے مغلوب ہو جاتا ہے اور ان رذائل کے مقتضاء پر اکثر عمل ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۴۲)

بزرگوں سے عقیدت کا مفہوم

ایک بار حضرت والا مجلس کے اندر مختلف حقائق و معارف بیان فرما رہے تھے۔ اسی کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ یہ جو بعض علوم مجھ کو عطا ہوئے ہیں یہ سب حضرت حاجی صاحب

کی صحبت کی برکت ہے۔ اس وقت مجلس شریف میں ایک بزرگ اہل علم بھی جو حضرت والا سے بے تکلف ہیں تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کی صحبت تو اور حضرات کو بھی نصیب ہوئی مگر بعض کو یہ علوم حاصل نہیں ہوئے جو جناب کو حاصل ہوئے۔ جواب ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ بزرگوں کی صحبت میں تو رہتے ہیں مگر جیسی عقیدت ان بزرگ سے ہونا چاہیے وہ نہیں ہوتی۔ عقیدت تو یہ ہے کہ بزرگوں کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے کو فنا کر دے۔ اس پر ایک اہل علم نے دریافت کیا کہ حضرت ایسی عقیدت کہ جس سے اپنی رائے شیخ کی رائے کے مقابلہ میں بالکل فنا ہو جائے اس کے حاصل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا کہ بس یہی طریقہ ہے کہ اول اول بے تکلف اپنی رائے کو شیخ کی رائے کے مقابلہ میں فنا کرے یعنی بیچ سمجھے۔ پھر چند روز بعد یہ تکلف حال بن جائے گا۔ (صفحہ ۱۵۹)

بعض تو اضع بھی تکبر ہے

فرمایا کہ بعض تو اضع بھی تکبر ہے۔ بعض اوقات تو اضع اس لئے اختیار کی جاتی ہے کہ ہمیں لوگ متواضع سمجھیں۔ یہ تکبر ہے۔ اسی طرح اپنے کو متواضع سمجھنا بھی تکبر ہے۔ چمار کو کبھی یہ خیال تک نہیں آتا کہ میں اپنے کو چمار سمجھتا ہوں۔ (صفحہ ۱۷۹)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۰)

شہرت کے متعلق مذاق

فرمایا کہ امت کی خدمت اور ان کے دین کی حفاظت کرنا چاہیے۔ اپنی شہرت میں کیا رکھا ہے۔ شہرت کے متعلق تو بس یہ مذاق چاہیے کہ نہ زندگی میں کسی کو خبر ہو کہ فلاں شخص بھی دنیا میں ہے یا فلاں شخص نے یہ کام کیا ہے، نہ مرنے کے بعد کسی کی زبان پر نام تک آئے کہ کون تھا اور کون مر گیا، کیا کام کر گیا۔ اور امت کی حفاظت وہ چیز ہے کہ اس کے لئے اپنے عزیزوں کی بھی پرواہ نہ چاہیے۔ چاہے کوئی کتنا ہی محبوب ہو، وہ اگر ہمارا محبوب ہے تو دین اس سے زیادہ محبوب ہے تو بڑے محبوب کا لحاظ چاہیے یا چھوٹے محبوب کا۔ (صفحہ ۱۹)

سب سے زیادہ قابلِ نفرت چیز تکبر ہے

فرمایا کہ سب سے زیادہ نفرت کی چیز میرے ذہن میں تکبر ہے۔ اتنی نفرت مجھے کسی گناہ سے نہیں جتنی اس سے ہے۔ یوں اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں زنا، شربِ خمر وغیرہ لیکن نفرتِ طبعی جتنی تکبر سے ہے کسی سے نہیں۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ تکبر شعبہ شرک کا ہے۔ اپنے کو بڑا سمجھنا خدا کے بڑے ہوتے ہوئے ایک درجہ کا شرک نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ متکبر آدمی بندہ ہوتے ہوئے بھی اپنے لئے وہ صفت ثابت کرتا ہے جو خدائے تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ ایک اور سلسلہ میں فرمایا کہ ابو جہل کا تکبر فرعون سے بھی بڑھا ہوا تھا کیونکہ فرعون تو مرتے وقت کچھ ڈھیلا بھی ہو گیا تھا گو اس وقت اس کا ایمان مقبول نہ ہوا لیکن ابو جہل نے تو مرتے وقت بھی یہ حسرت کی کہ کاش میرا قاتل کا شتکار نہ ہوتا کیونکہ انصار کے ایک نوجوان لڑکے نے اس کو قتل کیا تھا۔ ان حضرات میں زیادہ تر کا شتکار ہوتے تھے۔ نیز میں نے اپنے استاد سے سنا تھا کہ جب ایک صحابی اس کی گردن کاٹنے لگے تو اس نے یہ خواہش کی کہ میری گردن ذرا نیچے سے کاٹی جاوے تاکہ جب مقتولین کے سر رکھے جاویں تو میرا سر سب سے اونچا نظر آوے۔ کیا

ٹھکانہ ہے اس تکبر کا۔ حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں جس وقت اس کا سرکاٹ کر حاضر کیا گیا تو آپ نے بھی فرمایا کہ مات فرعون هذه الامة. (صفحہ ۵۴)

واردات و کیفیات اضیافِ غیبی ہیں

بلسلسلہ کلام کوئی بات فرمانے کو تھے کہ دفعۃً وہ بات ذہن سے نکل گئی اور کچھ دیر سوچنے پر بھی یاد نہ آئی۔ اس پر فرمایا کہ بزرگوں کی وصیت ہے کہ جس مضمون کو بھول جاوے اس کے پیچھے نہ پڑے۔ یوں سمجھے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو اس مضمون کو بیان کروانا منظور نہیں۔ پھر اسی سلسلہ میں فرمایا کہ قلب کے تقاضہ پر عمل کرنے نہ کرنے کے متعلق بھی یہ تفصیل ہے کہ جو سالک فنائے نفس تک نہ پہنچا ہو اس کو تو اپنے قلب کے تقاضے کے خلاف کرنا چاہیئے اور جس پر خدا نے فضل کر دیا ہو اس کو وہی کرنا چاہیئے جو تقاضہ قلب پر ہو۔ مثلاً اگر رونے کا جوش ہو تو اس کو رو کو مت خوب روؤ۔ ایسے ہی مقام والوں کے متعلق ایک بزرگ یوں کہتے ہیں کہ واردات اور کیفیات اضیافِ غیبی ہیں۔ ان کا اکرام یہی ہے کہ ان کے مقتضاء پر عمل کیا جاوے ورنہ یہ ایسے نازک مزاج مہمان ہیں کہ ادنیٰ بے التفاتی سے خفا ہو کر چلے جاتے ہیں۔ (صفحہ ۱۰۱)

شیخ کے تعلیم کی اتباع کی ضرورت

فرمایا کہ طریق کا مسئلہ تو یہ ہے کہ شیخ کی تعلیم کا اتباع کرے، چاہے وہ سمجھ میں آوے یا نہ آوے لیکن اس میں میری ایک ترمیم ہے جو اہل طریق سے منقول تو نہیں ہے لیکن ضروری ہے کیونکہ شریعت ایسی چیز تو نہیں کہ بے سمجھے اس کے خلاف کرے۔ اگر شیخ کی تعلیم میں کوئی خلجان ہو تو اول تو اس کو بطور خود دور کر دے۔ اگر دور ہو جائے فہماور نہ شیخ سے ادب کے ساتھ ظاہر کر دے۔ اگر وہ سچا شیخ ہوگا تو سمجھائے گا یا بدل بتلائے گا۔ اگر پھر بھی اطمینان نہ ہو تو اس شیخ کو چھوڑ دے لیکن بدوں گستاخی کئے جس کو ہجرا جمیلا کہتے ہیں۔ گو تحقیق اور جانچ کے بعد اگر شیخ کا انتخاب کیا جاتا ہے تو شاذ و نادر ہی ایسا خلجان واقع ہوتا ہے کیونکہ

شیخ محقق خود تہمت سے بچنے کا خیال رکھتا ہے اور اس کا خیال رکھنا ضروری بھی ہے کیونکہ خود حضور سرور عالم ﷺ نے اس کا اہتمام فرمایا ہے باوجود اس کے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بالکل حضور کے غلام اور حضور پر فدا ہو جانے والے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ بحالت اعتکاف مسجد میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے بیٹھے بات چیت کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں دو صحابی ادھر سے گذرے۔ آپ ﷺ نے فوراً فرمایا ذرا ٹھہرو۔ پھر آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو تو رخصت کیا اور ان دونوں سے فرمایا کہ یہ صفیہ ہیں جن سے میں باتیں کر رہا ہوں، کوئی اجنبی عورت نہیں ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت کو یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی۔ بھلا آپ پر توبہ توبہ کوئی اور گمان بھی ہو سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، شیطان انسان کے خون کے ساتھ رگ رگ میں دوڑتا پھرتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں میرے خلاف کوئی وسوسہ نہ ڈال دے جس سے تمہارے ایمان میں خلل پڑ جائے۔ اسی لئے میں نے بات صاف کر دی۔ (صفحہ ۱۰۴)

گناہوں سے حفاظت کے اہتمام کی ضرورت

فرمایا کہ صوفیہ نے گناہوں کے وساوس کے متعلق یہ معیار قائم کیا ہے کہ اگر ایک ہی گناہ کا بار بار وسوسہ آئے تو وہ نفس کی جانب سے ہے ورنہ شیطان کی طرف سے ہے کیونکہ نفس تو اسی گناہ کا بار بار تقاضہ کرتا ہے جس سے اس کو لذت ملتی ہے اور شیطان کو لذت سے کچھ مطلب نہیں، اسے تو بہر گنا مقصود ہے اس لئے کبھی کسی گناہ کا وسوسہ ڈالتا ہے کبھی کسی گناہ کا کیونکہ جو گناہ بھی کوئی کرے گا اس کا مقصود ہر صورت میں حاصل ہے۔ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس تحقیق سے کوئی فائدہ نہیں۔ بس گناہوں سے حفاظت کا اہتمام چاہیے۔ چاہے وہ گناہ نفس کی طرف سے ہوں یا شیطان کی طرف سے۔ اگر اس کی تحقیق ہو بھی گئی کہ فلاں گناہ نفس کی طرف سے ہے اور فلاں شیطان کی طرف سے تو اس تحقیق سے فائدہ کیا ہوا۔ ہمت تو ہر صورت میں گناہ سے بچنے کی ضرور کرنا ہوگی سو ہمت کر کے ہر گناہ سے بچے اور اس

تحقیق کے درپے نہ ہو۔ معیار مذکور کو سن کر عرض کیا گیا کہ اس کے مطابق تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر گناہ نفس ہی کے تقاضہ سے ہوتے ہیں کیونکہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ ایک ہی گناہ کا بار بار میلان ہوتا رہتا ہے۔ اس پر فرمایا کہ جی ہاں اصل منبع تو نفس ہی ہے کیونکہ شیطان کو بھی تو اس کے نفس ہی نے نافرمانی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ پھر فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ بھی رہتا ہے اور ایک شیطان بھی۔ فرشتہ تو گناہ سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے اور شیطان گناہ کے ارتکاب کی ترغیب دیتا ہے۔ غرض دونوں میں مناظرہ ہوتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ جس طرف یہ خود ہو جاتا ہے اسی کو غلبہ ہو جاتا ہے لیکن میں ہر حال میں یہی کہتا ہوں کہ خواہ تحقیق کا کچھ ہی حاصل نکلے مگر حفاظت کا اہتمام ہر صورت میں چاہیئے۔ جب ہمارا مال چوری میں چلا گیا تو پھر اس سے ہمیں کیا کہ اس گاؤں کا چور لے گیا یا اس گاؤں کا۔ ہمارا نقصان تو ہو ہی گیا۔ (صفحہ ۱۰۷)

سب مسلمانوں کے لئے ایک جامع دعائے خیر

ایک صاحب نے رخصت کے وقت عرض کیا کہ حضرت دعا میں یاد رکھئے گا۔ فرمایا کہ میں یاد رکھنے کا وعدہ نہیں کر سکتا کیونکہ دعا کرنا کیسے یاد رہے گا۔ پھر فرمایا کہ رسموں کا ایسا غلبہ ہو گیا ہے کہ حقائق بالکل نظر سے غائب ہو گئے ہیں۔ اب اسی کو دیکھ لیجئے کہ چلتے وقت یہی کہنے کی رسم پڑ گئی ہے کہ دعا میں یاد رکھئے گا اور اس پر کوئی روک ٹوک نہیں کرتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ دعا کرنا بھلا کیسے یاد رہے گا۔ میں تو جھوٹا وعدہ محض رسماً کبھی نہیں کرتا۔ صاف کہہ دیتا ہوں کہ اس وقت تو دعا کئے دیتا ہوں کہ اللہ ہر طرح کا فضل کرے۔ باقی آئندہ کے لئے عام دعا تو ہر بھلائی کی سب مسلمانوں کے لئے پانچوں وقت بدون کہے ہی کرتا رہتا ہوں چنانچہ اس کے لئے ایک خاص دعا بھی تجویز کر رکھی ہے اللھم کل خیر لکل مسلم و مسلمة۔ بجائے اس کے کہ دوسرے کے اوپر یاد رکھنے کا بوجھ رکھا جائے جب جی چاہا کرے خود ہی دعا کے لئے کیوں نہ خط لکھ دیا کریں۔ اب ان کے نفس کو تعجب ہوگا کہ بھلا یہ نیا شخص

نکلا اور کسی نے تو کبھی انکار کیا ہی نہیں لیکن میں تو اپنے انکار کا ایک معقول سبب بیان کر رہا ہوں۔ جنہوں نے انکار نہیں کیا ان کے فعل کا سبب ان سے دریافت کیا جائے۔ اور کچھ نہیں جب رسموں کا غلبہ ہو جاتا ہے تو کم و بیش سب ہی ان سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ہم تو بہت بزرگوں کی مجلس میں گئے لیکن کہیں ایسی باتوں پر روک ٹوک نہیں ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ بھائی میں تو اپنی مجلس کو بزرگوں کی مجلس نہیں بنانا چاہتا، آدمیوں کی مجلس بنانا چاہتا ہوں۔ (صفحہ ۱۱۸)

مشائخ میں شمار ہونے سے زیادہ ملا ہونا پسند ہے

فرمایا کہ مجھے مشائخ میں شمار ہونے سے زیادہ کوراملا ہونا پسند ہے۔ عرض کیا گیا کہ مشائخ تو بڑے عارف اور محقق ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ محقق ہونے پر قرب تھوڑا ہی ہے چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے محقق تھے۔ ان کو بعد وفات کسی نے خواب میں دیکھا تو سوال کیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔ آپ نے کہا

فنیۃ الحقائق و الارشادات و نفدت الرموز و العبارات و ما نفعنا الا

رکعات فی جوف الیل

یعنی سارے علوم و حقائق وغیرہ فنا ہو گئے۔ یہاں کچھ کام نہ آئے۔ اگر کام آئیں تو صرف وہ چھوٹی چھوٹی رکعتیں کام آئیں جو میں آدھی رات کو پڑھا کرتا تھا یعنی تہجد۔ تو محقق ہونے پر قرب نہیں بلکہ خلوص پر ہے۔ عرض کیا گیا کہ خلوص تو بہت مشکل ہے کیونکر حاصل ہو۔ فرمایا کہ نہیں خلوص کیا مشکل ہے کیونکہ وہ تو اختیاری ہے۔ خلوص یہی تو ہے کہ جو کام ہو بس محض اللہ کے لئے ہو۔ سو اپنی نیت کو درست کر لے پس خلوص حاصل ہو گیا۔ (صفحہ ۱۲۲)

شرعی رخصتوں کے اختیار کرنے میں طریق اعتدال

ایک اہل خصوصیت سے جو اہل علم بھی ہیں، بعض شرعی رخصتوں کے اختیار کرنے پر فرمایا کہ رخصتوں پر عمل کرنے کی ایک حدیث میں تو فضیلت اور محبوبیت وارد

ہے اور ایک حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ مجھے بہت دنوں تک اشکال تعارض کا رہا لیکن پھر الحمد للہ ایک بزرگ کے ایک منقول ملفوظ سے یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ جو رخصت منصوص ہو اس کی تو فضیلت ہے اور جو رخصت خود تاویل سے گھڑی ہوئی ہو اس کی ممانعت ہے کیونکہ وہ نفسانیت اور ضعفِ دین سے ناشی ہے۔ اس تفصیل کے بعد پھر کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ اس تحقیق سے میرا بڑا جی خوش ہوا کیونکہ بہت دنوں کا اشکال جاتا رہا۔ (صفحہ ۱۳۰)

گفتگو میں ضرورتِ اعتدال

فرمایا کہ جتنے آدمی زیادہ بولتے ہیں ان کا دماغ کچھ معتدل نہیں ہوتا۔ مگر اتنا بھی کم نہ بولنا چاہیے کہ دوسرا آدمی منظر ہی رہے کہ نواب صاحب کچھ بولتے ہی نہیں۔ ایک بار زیادہ بولنے کی خرابی اس مثال سے واضح فرمائی تھی کہ جو ہانڈی ہمیشہ ابلتی ہی رہے گی اس کا سارا مصالحہ نکل جائے گا اور بالکل پھیکی بے لطف رہ جائے گی۔ (صفحہ ۱۳۱)

شیخ کو بھی ذکر و شغل کی ضرورت ہے

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب سے میں نے سنا ہے کہ جو شیخ خود کچھ نہ کرے اس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی گو خود اس کو حاجت نہ رہے لیکن اس غرض سے اس کو ذکر و شغل کرتے رہنا چاہئے کہ خود تلقی کر کے آگے کو القا کرے۔ ورنہ اگر خود کچھ نہ کرے گا تو دوسروں کو کیا القا کرے گا۔ (صفحہ ۱۳۲)

فیضِ مشائخ سے اکثر چار اشخاص محروم رہتے ہیں

فرمایا کہ آج کل شیوخ کے یہاں بھی شاہانہ انتظامات ہیں۔ خدام میں کوئی عصا بردار ہے، کوئی مصلیٰ بردار ہے، کوئی نعل بردار ہے اور مشائخ نہ ہونے کی وجہ سے سب بردار ہیں۔ اور ہمارے حضرات کے یہاں الحمد للہ سب دردار ہیں۔ اسی واسطے بزرگوں کے جو خدام خاص ہوتے ہیں وہ اکثر محروم رہتے ہیں کیونکہ شیخ صاحب ان کی اصلاح اس خوف

سے نہیں کرتے کہ اگر یہ اینٹھ گئے تو پھر ہمارا کام کون کرے گا۔ کتب فن میں بعض بزرگوں کا قول لکھا ہے کہ مشائخ کے یہاں اکثر یہ چار اشخاص محروم رہتے ہیں، بیٹا، بیوی، خادم خاص اور ایک کوئی اور لکھا ہے جو اس وقت یا نہیں آتا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یا تو یہ بالکل محروم رہتے ہیں یا اگر یہ فیض حاصل کرتے ہیں تو پھر دوسرے سب طالبوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ غرض شیخ کی طرف سے تو یہ مانع اصلاح پیش آتا ہے کہ وہ اپنے خدام خاص کی اس ڈر سے اصلاح نہیں کرتے کہ اگر یہ اینٹھ گئے تو پھر ہمارا کام کون کرے گا اور دوسرے معتقدین کی طرف سے یہ مانع پیش آتا ہے کہ لوگ ان کی خوشامد کرتے ہیں کہ حضرت یہ چیز پہنچا دیجئے، یہ دعا کر دیجئے۔ اس سے ان کا دماغ اور بھی خراب ہو جاتا ہے اور اچھے خاصے مرثی ہو جاتے ہیں، رشوتیں کھاتے ہیں۔ ایسی باتوں کی روک تھام کی سخت ضرورت ہے۔ شیوخ کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔ (صفحہ ۱۳۵)

ایک اہم بات

فرمایا کہ اگر کسی کی ایسی طبیعت ہو کہ کسی سے بھی مناسبت نہ ہو وہ کسی سے کیسے مستفید ہو یا محروم ہی رہے۔ اس کا جواب عام اہل طریق کے نزدیک توفنی میں ہے مگر میں نے قواعد سے اس کے لئے بھی ایک طریق تجویز کیا ہے۔ وہ یہ کہ ایسے شخص کے لئے بہتر ہے کہ کسی شیخ سے تعلق نہ کرے کیونکہ کسی شیخ سے تعلق کرنا وصول الی اللہ اور قرب حق کی شرط نقلی یا عقلی نہیں ہے محض شرط عادی ہے۔ اصل شرط شریعت پر عمل کرنا ہے۔ شریعت ہی پر عمل کی تسہیل و تعدیل کے لئے شیخ سے تعلق کیا جاتا ہے۔ خود یہ تعلق مقصود بالذات نہیں۔ بس یہ شخص اپنے طور پر شریعت پر عمل کرتا رہے البتہ عادی ایسے شخص سے کچھ غلطیاں یا اس کو کہیں کہیں تشویش ضرور ہوگی جو شیخ سے حل ہوتی ہیں تو ایسے میں یہ شخص کیا کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک اپنی سمجھ کام دے، اصلاح کی کوشش کرے۔ جہاں کوشش کام نہ دے یہ دعا کرتا رہے کہ اے اللہ حقیقت تک رہبری فرمائیے اور غرضوں کو معاف فرمائیے۔ پھر اس پر

بھی اگر لغزشیں ہو جائیں گی تو عند اللہ مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ یہ اپنی سی کوشش کر چکا۔ لیجئے اس کا بھی ایک طریق نکل آیا مگر یہ سبیل غایت مجبوری میں ہے ورنہ اصل تو یہی ہے کہ کسی محقق کو اپنا شیخ بنائے اور جب بنالے تو بس پھر یہ ہے کہ۔

یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی

یا فرو شو جامہ تقویٰ بہ نیل

باقی اس اصل عادی کو لازم بتانا کہ بدون پیر کے بخشش ہی نہ ہوگی محض جہالت کا فتویٰ ہے۔ جاہلوں نے شریعت کے مقابلہ میں ایک اپنی شریعت نئی ایجاد کر لی ہے۔ البتہ ایسے شخص کے لئے جس کے لئے کسی شیخ سے تعلق نہ رکھنا تجویز کیا گیا ہے یہ ضرور ہے کہ کسی کی گستاخی نہ کرے خواہ کسی سے اعتقاد بھی نہ ہو۔ (صفحہ ۱۹۲)

بیماری میں اجر و ثواب

ضعف علالت کے متعلق فرمایا کہ دیر دیر تک سوچا کرتا ہوں اس کے بعد مشکل سے وضو کے لئے اٹھا جاتا ہے۔ لکھنے پڑھنے کے کام کم کر دیئے تھے تاکہ ذکر اللہ کے لئے وقت ملے کیونکہ کبھی وقت ہی نہیں ملا۔ بڑی ہوس تھی لیکن جب فارغ ہو گیا تو اب یہ عوارض ہو گئے۔

گر گریزی ہم امید راحت

زان طرف ہم پشت آید آفت

جتنا اس وقت بھاگتے دوڑتے تلاوت اور ذکر اللہ وغیرہ ہو جاتا وہ بھی اب مختل ہو گیا۔ اب بوجہ ضعف اس کی ہمت ہی نہیں۔ بندہ کے حساب لگانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ ہم لوگوں میں قابلیت ہی نہیں ہے کہ مجرد ذکر اللہ کے لئے اپنے کو فارغ رکھیں کیونکہ حدیثوں میں بیماری پر بھی اجر آیا ہے اور بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔ مشہور تو یہ ہے کہ جب صبر کرے تب اجر ملتا ہے مگر بعض محققین کی یہ تحقیق ہے کہ مرض کا اجر علیحدہ ہے اور صبر کا الگ۔ مرض الگ چیز ہے اور صبر الگ چیز۔ مرض غیر اختیاری چیز ہے اور صبر اختیاری چیز۔ دونوں

ایک نہیں۔ میں قواعدِ فن سے کہتا ہوں کہ عدم صبر میں بھی مرض کا اجر ملے گا گو بے صبری کا مواخذہ الگ ہوگا۔ اس سے مرض کا اجر کیوں فوت ہو جاوے گا۔ جیسے آج کل رمضان کا مہینہ ہے۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ روزہ تو رکھتے ہیں مگر نماز نہیں پڑھتے تو نماز نہ پڑھنے کا مواخذہ الگ ہوگا اور روزہ رکھنے کا اجر الگ ملے گا۔ (صفحہ ۲۱۵)

زوالِ سلطنت کی وجہ

ایک خادم کی ایک ادنیٰ انتظامی غفلت سے بہت دیر تک پریشانی رہی۔ پھر فرمایا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی بہت اہتمام چاہئے۔ سلطنت جو گئی ہے میرے نزدیک چھوٹی چھوٹی چیزوں کے اہتمام کی غفلت ہی سے گئی ہے کیونکہ چھوٹی چھوٹی چیزیات کی طرف سے جو غفلتیں ہوتی رہتی ہیں وہ سب مل کر ایک بہت بڑا مجموعہ غفلتوں کا ہو جاتا ہے جو آخر میں رنگ لاتا ہے اور زوالِ سلطنت کا موجب ہو جاتا ہے۔ نیز جب چھوٹی چھوٹی باتوں کا اہتمام نہیں ہوتا تو غفلت کی عادت پڑ جاتی ہے۔ پھر بڑے بڑے امور میں بھی غفلت ہونے لگتی ہے اور وہ براہِ راست نخل ہیں سلطنت کے انتظام میں۔ اس لئے چھوٹی چیزوں کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ جب چھوٹی چیزوں کا اہتمام ہوگا تو بربنائے عادت بڑی چیزوں کا تو اہتمام ضروری ہی ہوگا۔ اس میں ایک بڑا راز یہ بھی ہے کہ چھوٹے امور میں کوتاہی کرنے سے باہمی معاملات میں بھی یہی عمل ہوتا ہے جس سے باہم کدورت پیدا ہوتی ہے۔ اس صورت میں باہم الفت نہیں رہتی اور مدارِ سلطنت کا باہمی اتفاق پر ہے۔ اس اہتمام کی تائید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار شب کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ آکر باتیں کرنے لگے تو آپ نے فوراً چراغ گل کر دیا کیونکہ اس وقت آپ بیت المال کا کام کر رہے تھے اور چراغ میں تیل بھی بیت المال ہی کا تھا۔ لیجئے یہ کبھی کوئی بڑی بات تھی لیکن جو شخص ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا اہتمام کرے گا وہ بڑے بڑے امور کو تو کیوں نظر انداز کرے گا۔ (صفحہ ۲۲۷)

عبادات میں اجر عمل و اخلاص پر موقوف ہے

فرمایا کہ عبادات میں اجر لذت پر موقوف نہیں ہے عمل و اخلاص پر ہے۔ بزرگوں کی تو اس باب میں یہاں تک نظر گئی ہے کہ ایک بزرگ خلوت میں یہ دعا کرتے سنے گئے کہ اے اللہ مجھے تفویض تو عطا فرما یہ لیکن لذتِ تفویض سے اپنی پناہ میں رکھے۔ تفویض تو نصیب ہو مگر اس میں جو لذت ہوتی ہے اس سے محفوظ ہوں تاکہ خالص تفویض نصیب ہو۔ اس میں نفس کی اتنی بھی آمیزش نہ ہونے پاوے کہ وہ لذت سے خوش ہو۔ سبحان اللہ کیا اخلاص تھا۔ (صفحہ ۲۵۰)

جملہ تکالیف کے خاتمہ کی تدبیر

ایک صاحب نے ایک خانگی معاملہ کے متعلق عرض کیا کہ اس سے حضرت کو تکلیف ہوئی ہوگی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ نہیں صاحب مجھ کو کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھ کو ایک ایسی چیز دی ہے کہ اس کے سبب سے مجھ کو کسی ایسی بات سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جہاں یہ سوچا کہ اس میں ثواب ہوگا بس ساری تکلیف گھل جاتی ہے۔ پھر کچھ تکلیف نہیں رہتی۔ (صفحہ ۲۸۰)

حج اکبر کا مفہوم

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حج اکبر کسے کہتے ہیں تو فرمایا کہ حج اکبر عوام تو اس حج کو کہتے ہیں کہ جو جمعہ کو واقع ہو مگر یہ کوئی شرعی اصطلاح نہیں بلکہ شرعی اصطلاح میں تو مطلق حج کو حج اکبر کہتے ہیں جو مقابلہ میں ہے عمرہ کے کہ عمرہ کو اصطلاحِ شریعت میں حج اصغر کہا گیا ہے تو اس مقابلہ میں مطلق حج کو حج اکبر فرمایا گیا ہے خواہ وہ حج جمعہ کو واقع ہو یا غیر جمعہ کو، ہر حالت میں حج کو حج اکبر کہیں گے البتہ اس حج میں جو جمعہ کو واقع ہو ایک خاص فضیلت ضرور ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا حج بھی جمعہ ہی کو ہوا تھا۔ (صفحہ ۲۸۵) مصلح کے لئے کسی شیخ کا اجازت یافتہ ہونا شرط ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کا ادراکِ باطنی صحیح ہو

اور کسی بزرگ سے اس کی تربیت ہوئی ہو، اس کو اس بات کا شرح صدر ہو جائے کہ مجھ کو افادہ کی صلاحیت حاصل ہوگئی تو گوان بزرگ نے اس کو اجازت تعلیم و تربیت باطنی نہ دی ہو مگر اس شخص کے لئے اس میں مضائقہ نہیں کہ وہ لوگوں کو افادہ باطنی کرے لیکن اس زمانہ میں کہ سلامت فہم کم ہے ایسی گنجائش مناسب نہیں بلکہ کسی بزرگ کی اجازت کو شرط کہنا چاہئے۔ (صفحہ ۲۹۸)

غیر محرم کی طرف نظر بد کسی صورت میں جائز نہیں

فرمایا کہ بعض لوگ جو غیر محرم کی طرف نظر بد کرنے کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کہا کرتے ہیں کہ صاحب ہم کیا کریں، معذور ہیں اس لئے کہ جب کوئی غیر محرم عورت سامنے آ جاتی ہے تو اس کی طرف دیکھنے کو نفس کا اس قدر تقاضہ ہوتا ہے کہ خلاف پر قدرت نہیں رہتی۔ شاید مقصود ان کا اپنے اس عذر کے بیان کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ اضطراب میں جیسے مردار کا کھانا حلال ہو جاتا ہے اسی طرح نظر بد بھی جائز ہو جانی چاہئے۔ مگر اس کا جواب ظاہر ہے کہ شدتِ جوع سے تو عادتِ تین ہے کہ آدمی ہلاک ہو جاوے لہذا شدتِ جوع میں (کہ جس بھوک کی شدت کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ ہو) مردار کا کھانا شریعت نے حلال کر دیا ہے لیکن نظر بد کو روکنے سے موت کا واقع ہو جانا منظون بھی نہیں لہذا نظر بد کے تقاضے کی وجہ سے نظر بد کو حلال نہیں کیا جاسکتا اور راز اس کا یہ ہے کہ حکم واقعات اکثر یہ پر لگایا جاتا ہے اور جو بات شاذ و نادر ہو کر کرتی ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ شدتِ جوع میں مردار تو حلال ہو گیا مگر شدتِ شہوت میں زنا کو حلال نہیں کیا گیا کیونکہ شدتِ شہوت کی وجہ سے موت کا واقع ہو جانا عادت کے خلاف ہے بخلاف شدتِ جوع کے کہ اس سے ہلاکت ہو جانا اکثر ہے لہذا نظر بد سے بچنا مطلقاً بھی ضروری ہے اگرچہ نظر بد سے روکنے سے فرضاً ہلاکت ہی کا اندیشہ کیوں نہ ہو۔ (صفحہ ۲۹۸)

صرف الفاظ کافی نہیں

ایک صاحب حوادث مثلاً بیماری وغیرہ سے پریشان تھے۔ ایک دوسرے صاحب

نے ان کے متعلق فرمایا کہ پریشان کیوں ہو۔ بس یہ مذاق رکھئے جیسا کہ غالب نے کہا ہے کہ۔
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ الفاظ بول دینا تو بہت آسان ہے مگر وقت پر اس سے کام نہیں چلتا بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ دل میں اتر جائے، دل میں رچ جائے اور یہ بس کی بات نہیں۔ پھر آگے اس کے میسر ہونے کا طریقہ ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اللہ ہی سے مانگنا چاہئے اور پھر اگر دل میں رچ جائے تو اس پر بھی ناز نہ کرے کیونکہ اگر وہ چاہیں تو سب سلب کر لیں۔ (صفحہ ۳۳۲)

لوگوں میں اپنی اصلاح کا اہتمام نہیں

فرمایا کہ جس شخص سے اپنی اصلاح میں کوتاہی ہوتی ہو کم از کم اس کو یہ تو چاہئے کہ وہ اپنی کوتاہی کا مشاہدہ کرے اور شکستہ ہو کر رہے۔ بڑوں کی طرح نہ رہے بلکہ بروں کی طرح رہے اور اس میں بھی فقط دل میں برا سمجھنا کافی نہیں بلکہ اپنے ساتھ بروں کا سا برتاؤ بھی کرنا چاہئے۔ اصل یہ ہے کہ لوگوں میں اپنی اصلاح کا اہتمام نہیں۔ میری تو یہ رائے ہے کہ ہزار میں صرف دو تین ہی طالب اصلاح ہوتے ہیں ورنہ کوئی کسی چیز کا طالب ہوتا ہے کوئی کسی چیز کا۔ (صفحہ ۳۳۹)

اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ حسن ظن کی ضرورت

ایک صاحب کو حضرت والا نے ان کے کسی مضمون کے جواب میں تحریر فرمایا کہ تم کو مجھ سے اتنی مناسبت تو ہے کہ تم سے مجھ کو ایذا نہ پہنچے۔ انہوں نے اس کا یہ مطلب لیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا مجھ سے ناراض ہیں تب ہی تو یہ تحریر فرمایا۔ حضرت والا نے اس پر ان کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ میں تم کو جو کچھ لکھا کروں وہ سوچ سوچ کر لکھا کروں کہ کہیں تم اس کا مطلب یہ نہ لے لو وہ نہ لے لو۔ پھر ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اس وقت اس واقعہ سے کہ ان کے سونے ظن سے میں ناراض ہو گیا بہت فائدہ ہوا۔ حق تعالیٰ نے

اس سے ایک علم عظیم عطا فرمایا۔ وہ یہ کہ بندہ کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ حسنِ ظن ہی رکھے اگرچہ وہ حسنِ ظن جھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ جب وہ حق تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھے گا تو اس کو حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جائے گی جو حسنِ ظن کا اثر ہے۔ پس جب اس کو حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جائے گی تو حق تعالیٰ بھی اس محبت فرمائیں گے۔ ایک بار ایک ایسا ہی مضمون اور ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ جب بندہ کے اوپر حق تعالیٰ کے ہر قسم کے احسانات ہیں اور پھر بھی بندہ حق تعالیٰ کے ساتھ اپنا گمان نیک نہ رکھے بلکہ یہی خیال کرتا رہے کہ حق تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں تو یہ کتنا برا خیال ہے۔ (صفحہ ۳۴۰)

مغفرت کے لئے حق تعالیٰ بہانہ ڈھونڈتے ہیں

ایک اہل علم رونے لگے کہ نہ معلوم میرا خاتمہ کیسا ہوگا۔ فرمایا کہ میں مستقبل پر قسم تو نہیں کھاتا مگر اس کو قسم کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بخشنے کے لئے تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں اور عذاب کے لئے بہانہ نہیں ڈھونڈتے۔ ان کو کیا کام پڑا کہ کسی کو عذاب دیں۔ فرماتے ہیں مایفعل اللہ بعد ابعذابکم اور اس میں شکر اور ایمان کا کوئی خاص درجہ بیان نہیں کیا لہذا اگر ادنیٰ درجہ بھی ایمان اور شکر کا ہوگا تو وہ بھی مغفرت کے لئے کافی ہے۔ (صفحہ ۳۴۳)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۱)

غصہ کا ایک علاج

فرمایا کہ اگر کسی کو کسی پر غصہ ہو تو چاہئے کہ اس کے سامنے سے ہٹ جائے یا اسے ہٹا دے اور ٹھنڈا پانی پی لیوے۔ اور اگر زیادہ غصہ ہو تو یہ سوچ لے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی ہمارے اوپر حقوق ہیں اور ہم سے غلطی ہوتی رہتی ہے۔ جب وہ ہمیں معاف کرتے رہتے ہیں تو چاہئے کہ ہم بھی اس کی غلطی سے درگزر کریں ورنہ اگر حق تعالیٰ بھی ہم سے انتقام لینے لگیں تو ہمارا کیا حال ہو۔ (صفحہ ۱۰۰)

آج کل لوگوں میں قناعت نہیں ہے

فرمایا کہ پہلے لوگ چاہے وہ دیندار ہوں یا دنیا دار قانع بہت ہوتے تھے۔ نہایت ہشاش بشاش رہتے تھے اور بے فکری سے گزر کرتے تھے۔ آج کل کے لوگوں کے قلوب ہوسوں سے پُر ہیں اور ان کا پورا ہونا اختیار میں نہیں اس لئے پریشان رہتے ہیں۔ کوئی وقت چین سے نہیں گذرتا۔ پہلے صرف لوگوں کو دوروٹی کی ضرورت تھی اور آج کل کے لوگ چاہتے ہیں کہ رہنے کو ایک اعلیٰ درجہ کا محل ہو، سواری کو ایک موٹر ہو، حشم و خدم ہوں۔ تمام عمر اس کے جمع کرنے کی فکر میں گزر جاتی ہے۔ بس اس کے مصداق ہوتے ہیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے

نہ معلوم ان لوگوں نے اتنی فکریں اپنے ذمے کیوں لے رکھی ہیں۔ صرف چار گز کپڑا اور دوروٹی کے سوا ان کی قسمت میں کیا ہے اور پریشانی کھاتے ہیں۔ (صفحہ ۱۱۱)

مواقعِ مشتبہ میں حق و باطل کا معیار

فرمایا کہ مواقعِ مشتبہ میں حق و باطل کا ایک معیار عجیب اور صحیح بتلاتا ہوں۔ اگر کوئی

عالم بھی نہ ہو تو اس معیار سے جانچ لے۔ جو چیزیں نئی ایجاد ہوں تو اس میں یہ دیکھو کہ اس کے موجد کون ہیں، عوام ہیں یا علماء صلحاء تو جس چیز کے علماء اور صلحاء موجد ہوں جیسے مدرسہ، خانقاہ، دارالافتاء وغیرہ وغیرہ۔ ان کا بنانا علماء کے دل میں آیا، یہ دین ہے اور جس کے موجد عوام ہوں جیسے عرس، فاتحہ، تیجہ، دسواں وغیرہ کہ ان کا اجراء عوام کے ذریعہ ہوا، یہ غیر دین ہے۔ یہ ایسا معیار ہے کہ ہر نئے معاملہ کے حکم کو اس پر جانچ سکتے ہیں۔ (صفحہ ۱۱۴)

ریاء کی حقیقت

فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اس طرح عبادت کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ لوگ دیکھیں۔ نماز بھی چھپ کے پڑھتا ہوں۔ تسبیح پڑھنے میں اگر کوئی آجاتا ہے تو اس کو کپڑے میں چھپا لیتا ہوں۔ تاکہ ریاء نہ ہو۔ میں نے لکھا ہے کہ کبھی اسلام چھپانے کو کبھی جی چاہا کیونکہ دولتِ اسلام تو بڑی چیز ہے۔ اس میں بھی تو ریاء ہے۔ محققین کا قول ہے کہ عام آدمی تو اظہارِ عبادت کو ریاء سمجھتے ہیں اور خواص اخفاءِ عبادت کو ریاء سمجھتے ہیں کیونکہ اخفاء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس کی نظر مخلوق پر ہے اور اصل طریق یہ ہے کہ اپنی طرف سے نہ اظہار کا قصد کرے نہ اخفاء کا۔ اپنے کام سے کام رکھے۔

ریاء فقط اظہارِ عبادت سے تھوڑا ہی ہوتی ہے بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی عبادت کو اس نیت سے ظاہر کرنا کہ لوگ میری بزرگی کے معتقد ہو جائیں۔ باقی رہا نفس اظہار سو وہ کوئی ریاء نہیں اور اگر کسی کے اعتقاد کا بلا اختیار خیال آئے تو وہ وسوسہ ریاء ہے ریاء نہیں۔ بس اپنی طرف سے قصداً اظہار نہ کرے نہ یہ کہ کونوں میں چھپتا پھرے۔ دیکھا اس طریق میں کیسے کیسے دھوکے ہیں۔ بلارہبر اس طریق میں چلنا بہت مشکل ہے۔

شیطان بڑی دور کی سمجھاتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو ذکرِ جہر تعلیم کیا تو اس نے کہا کہ اس میں تو ریاء ہوگی۔ فرمایا کہ جب ذکر خفی کرو گے اور لوگ دیکھ کر یہ کہیں گے کہ نہ معلوم اس وقت شاہ صاحب عرش کی سیر کر رہے ہیں یا کرسی کی تو کیا یہ ریاء نہ ہوگی، بس جاؤ اپنا کام کرو۔ (صفحہ ۱۴۵)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۲)

شیخ کے پاس ہدیہ لے جانا ضروری نہیں

فرمایا کہ بعض لوگ جو التزام کرتے ہیں کہ جب شیخ کے پاس جائیں کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور پیش کریں، اس میں دو خرابیاں ہیں۔ ایک کا تو نقصان طالب کو پہنچتا ہے مثلاً یہ کہ اتفاق سے کچھ ہدیہ موجود نہیں اور شیخ سے ملنے کو جی چاہا تو رہ گئے، نہ ملے۔ دوسری خرابی شیخ کے حق میں یہ متصور ہو سکتی ہے کہ جب ان پر نظر پڑی، جی میں خیال آیا کہ کچھ ملے گا۔ اس ضمن میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ بعض لوگ جو مصافحہ کرتے ہوئے روپیہ ہاتھ میں دے دیتے ہیں، یہ پسندیدہ نہیں کیونکہ مصافحہ سنت ہے اور اس سنت اور عبادت کا اجتماع اور تلوٹ ایسی چیز کے ساتھ ٹھیک نہیں جو صورت میں دنیا ہو۔ (صفحہ ۱۷)

کسی غرض کے لئے ہدیہ دینا مناسب نہیں

فرمایا کہ بعض لوگ ہدیہ پیش کرتے ہیں اور ان کا مقصد کسی دنیوی غرض کی تحصیل ہوتی ہے۔ سو یہ ہدیہ نہیں رشوت ہے۔ اور بعض کی غرض جوابِ استفتاء وغیرہ ہوتی ہے۔ سو یہ اجرت ہے۔ اور بعض کی غرض ثوابِ آخرت ہوتی ہے۔ یہ صدقہ اور خیرات ہے۔ ہدیہ صرف وہ ہے کہ جو بلا غرض دنیوی و اخروی صرف تطہیبِ خاطرِ مسلم کے لئے محبت سے ہو۔ (صفحہ ۱۸)

شیخ پر اعتقاد و اعتماد ضروری ہیں

فرمایا کہ طالب کے واسطے چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ دو تو بیعت سے پہلے اور دو بیعت کے بعد ہمیشہ تک۔ پہلی دو چیزیں اعتقاد و اعتماد ہیں۔ اگر شیخ پر اعتقاد نہ ہوگا تو فائدہ نہیں ہوگا۔ اعتقاد یہ ہونا چاہئے کہ اس کی تعلیم و تربیت میرے لئے سب سے انفع ہے۔ یہی معنی ہیں شیخ کو اوروں سے کامل سمجھنے کے۔ دوسرے اعتقاد ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر اعتقاد نہ ہوگا اس کی تعلیم و مشورے میں خلجان رہے گا۔ اب دوسری جن دو چیزوں کی ضرورت بعد

بیعت کے ہے، وہ اطلاع اور اتباع ہیں۔ کیونکہ بدون اطلاع کے شیخ طالب کے لئے کوئی تجویز یا ترمیم کیسے کرے گا۔ اس لئے کہ ہر شیخ کو صاحب کشف ہونا اور صاحب کشف کے لئے ہر وقت کشف ہونا ضروری نہیں کہ بغیر اطلاع کے اس کو خبر ہو جایا کرے۔ پھر اطلاع کے بعد اتباع ہے کہ جو شیخ نے بتلایا بس اس سے کمی بیشی نہ کرے اور اپنی رائے سے کچھ نہ کرے۔ اور اگر امر شیخ کے اتباع میں دشواری یا مشقت یا ضرر دیکھے تو اس کی بھی شیخ کو اطلاع کرے۔ شیخ کوئی مناسب تجویز کر دے گا۔ (صفحہ ۲۸)

تکثیر نوافل کی بجائے معاصی سے رکنا اہم ہے

فرمایا کہ تکثیر اعمال و اشغال و نوافل تو نفس پر آسان ہے کیونکہ یہ وجودی شے ہے۔ دوسرے بھی اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس لئے اس میں نفس کو حظ بھی ہوتا ہے اور اس میں عجب یا ریاء یا طلبِ جاہ کا موقع بھی مل سکتا ہے۔ اور جو اعمال عدی ہیں جیسے معاصی سے رک جانا مثلاً کوئی شخص غیبت نہیں کرتا، یہ امور نفس پر بہت گراں ہیں۔ کیونکہ اس میں ایک تو حظ نہیں۔ دوسرے ریاء یا طلبِ جاہ محتمل نہیں۔ اس لئے نفس کو موقعِ ریاء یا طلبِ جاہ کا نہیں ملتا حالانکہ احادیث میں اس کا اہتمام زیادہ آیا ہے اور اس کو ورع کہتے ہیں۔ (صفحہ ۳۹)

اصل مطلوبِ رضا ہے

فرمایا کہ سالک کو کسی چیز کی ہوس نہ ہونا چاہئے۔ کوئی ذوق و شوق کا متمنی ہے۔ کوئی رقتِ قلب کی خواہش کرتا ہے۔ کسی کو کشف و کرامات کی تمنا ہے۔ کوئی جنت کو مقصود سمجھ کر اس کا طالب ہے حالانکہ کسی چیز کی بھی طلب و ہوس نہ کرنا چاہئے کیونکہ عبد کے معنی ہیں مالک کے سامنے سر جھکا دینے کے اور جو حکم ہو اس پر بہ سر و چشم قبول کر کے عمل کر لینے کے۔ پھر عبد ہو کر کسی چیز کی ہوس کرنا کہ مجھے یہ ملے وہ ملے۔ یہ ہوس حقیقت میں فرمائش ہے مالک پر اور یہ کیونکر جائز ہوگا۔ اگر کوئی شبہ کرے کہ حدیث شریف میں آیا ہے اللہم انی اسئلك رضاك والجنة، یہاں پر جنت کا سوال کیا گیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس سوال کی مثال

ایسے ہے جیسے کوئی سوال کرے کہ فلاں صاحب سے کہاں ملاقات ہوگی؟ جواب ملے کہ باغ میں۔ اس پر وہ شخص باغ میں جانے کا آرزو مند ہے تو حقیقت میں وہ باغ مقصود بالذات نہ ہوگا بلکہ مقصود وہ صاحب ہیں مگر چونکہ وہ باغ میں ملیں گے اس لئے اس کی تمنا ہوتی ہے جو اس مقام پر رہتے ہیں۔ اسی طرح حدیث شریف میں مقصود رضا ہے جس کو جنت پر مقدم فرمایا ہے مگر چونکہ اس کا حصول جنت میں ہوگا لہذا جنت کا بھی سوال کیا گیا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں و رضوان من اللہ اکبر۔ یہاں پر رضا کو جنت سے اکبر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑی چیز یہی ہے۔ پھر یہ نکتہ بیان کیا کہ اس اکبر کی تحصیل کے لئے ذریعہ بھی اکبر ہونا چاہئے۔ سو فرماتے ہیں و لذكر الله اكبر۔ معلوم ہوا کہ وہ ذریعہ ذکر اللہ ہے۔ تمام احکام پر عمل کرنے سے ذکر اللہ ہی مقصود ہے۔ (صفحہ ۴۸)

مکمل گوشہ نشینی اختیار کرنا مناسب نہیں

فرمایا کہ آدمی کو بالکل گوشہ نشین ہونا ٹھیک نہیں۔ ہر کام کو اپنے اوقات مقررہ پر کرے۔ دنیا کا کام اپنے وقت میں، درود و وظائف اپنے وقت میں، حتیٰ کہ گاہ گاہ لطیف اور مختصر مزاج بھی اپنے اور دوسرے مسلمان کی تفریح اور تطہیبِ قلب کے لئے اپنے موقع میں کر لینا مفید ہے۔ اس طرح پر سب کام چلتا رہے گا ورنہ بالکل گوشہ نشین ہونے سے بعض اوقات طبیعت میں شوق اور امنگ کا مادہ ضعیف ہو جاتا ہے اور بدول اس کے کام چلنا دشوار ہے۔ (صفحہ ۵۵)

مراقبہ احساناتِ الہیہ

فرمایا کہ انسان پر شب و روز کے اوقات میں حق تعالیٰ کی جانب سے طرح طرح کے انعامات و احسانات ہوتے رہتے ہیں مثلاً کھانا، پینا، سونا، طرح طرح کے عیش و آرام وغیرہ۔ ان انعامات کو جو پیش آتا جائے سوچا کرے کہ یہ انعام ہوا، یہ انعام ملا۔ اس سوچنے سے عرفانِ حق میں ترقی ہوتی ہے۔ اور جتنی نعمتیں روزانہ ملتی رہتی ہیں سب منجانب اللہ ہیں۔ اس فکر اور تدبیر سے غافل نہ رہے۔ پھر دیکھئے کہ کس قدر معرفت حاصل ہوتی ہے۔ (صفحہ ۷۰)

مزاروں پر پھول چڑھانا عبث ہے

فرمایا کہ ایک صوفی غیر متشرع الہ آباد کے میرے پاس گنگوہ میں آئے اور پھولوں کا ایک ہار مجھے دے کر کہا کہ آج ایک باغ میں سے پھول لایا تھا۔ کچھ تو حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے ہاں چڑھائے اور کچھ اس میں کا بچا ہوا تمہارے پاس لے آیا۔ میں نے ان سے ان کے مذاق کے موافق کہا کہ اگر کوئی شخص نہایت لطیف المزاج اسی روپیہ تولہ کا عطر لگاتا ہوا اور آپ اس کے پاس بالکل معمولی اور خراب چار آنہ تولہ کا عطر لے جا کر اس کے کپڑوں میں لگا دیں تو کیا اس کو ناگوار نہ ہوگا۔ سو یہ حضرات اولیاء اللہ جنت کے روائح (خوشبویات) سے مشرف ہو چکے ہیں اور ان روائح اور دنیا کے پانچ پھولوں میں یہی نسبت ہے تو ان کے قبور پر ان پھولوں کا چڑھانا ان کو کیسے گوارا ہوگا۔ بات ان کی سمجھ میں آگئی اور کہنے لگے کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ (صفحہ ۸۱)

ابدی جہنم بغاوت اور کمالاتِ خداوندی کے انکار کی سزا ہے

فرمایا کہ بظاہر اس پر کہ کفار جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے اتنا بڑا گناہ کون سا کیا کہ سزائے دائمی تجویز کی گئی کیونکہ زندگی محدود اور گناہ محدود پھر سزائے غیر محدود کا کیوں حکم ہوا؟ جواب یہ ہے کہ کفر و شرک کی حقیقت ہے بغاوت۔ دنیا میں بھی قاعدہ ہے کہ سلاطین باغی کو جلاوطن، عبور دریائے شور وغیرہ کی سزا دیتے ہیں۔ چونکہ سلاطین بجز اس کے کہ عمر بھر کے لئے سزا دے سکیں، زیادہ پر قدرت نہیں رکھتے اس وجہ سے زائد سے مجبور ہیں مگر اتنا ظاہر ہو گیا کہ بغاوت کی سزا غیر محدود ہونی چاہئے اور یہ امر بمقتضائے عقل ہے چنانچہ جو سلاطین پابند ملت بھی نہیں وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس کی حقیقت میں غور کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ مالک حقیقی ہیں اور ان کے صفات غیر متناہی ہیں اور ہر صفت کا ایک حق ہے۔ اب جو شخص ایسے مالک جامع کمالاتِ غیر متناہیہ کے حقوق کو ضائع کرے گا اس کی سزا بھی غیر متناہی ہونی چاہئے۔ پس یہ سزا عین موافق عقل کے ہوئی۔ (صفحہ ۹۰)

دنیا کے مفاخر بے حقیقت ہیں

فرمایا کہ دنیا کی جتنی راحتیں اور لذتیں ہیں کسی کے لئے بھی تو بقاء نہیں۔ اس وقت کھانے پینے کی سب نعمتیں موجود، دوسرے وقت وہ نعمتیں فنا ہو گئیں۔ جس قدر لذتیں ہیں فوری ہیں۔ اس وقت نہایت لذیذ معلوم ہوا، کچھ دیر میں فنا ہو گیا، گویا کچھ بھی نہ تھا اور شادی وغیرہ کی رسموں میں اہل دنیا کس قدر تکلف کرتے ہیں۔ بس ایک شب گزرتی ہے نہ وہ تکلفات رہتے ہیں نہ وہ ساز و سامان اور ازراہ فخر جس قدر کام ہوتا ہے اس کی برائی بعد میں سن لیجئے۔ آج ایک شخص نے ایک لاکھ روپیہ صرف کر کے شادی کی۔ بڑا نام ہوا کہ ایسا تو کسی نے نہیں کیا۔ بڑا انتظام تھا۔ اس کے بعد پھر کسی نے اس سے زیادہ سامان کیا تو لوگ کہتے ہیں جی فلاں شخص کی کیا حقیقت اس سامان کے مقابلے میں جو یہاں سامان ہے، اس لاکھ روپیہ صرف کرنے والے کے ہاں کہاں تھا۔ بس سارا فخر مٹ گیا یہ حالت ہے اہل دنیا کے مفاخر کی اور یہ حالت ہے لذتوں کے بقاء کی۔ لہذا انسان کو آخرت ہی سے کام رکھنا چاہئے اور اسی کی طلب میں رہنا چاہئے کہ دائمی راحت و لذت ہے، کبھی اس کو فنا ہی نہیں۔ (صفحہ ۹۳)

اخلاقِ رذیلہ کا ازالہ مقصود ہے ازالہ نہیں

فرمایا کہ بعض لوگ اس کو کمال سمجھتے ہیں کہ انسان میں کوئی رذیلہ باقی ہی نہ رہے، نہ اس کو شہوت ہو، نہ غضب ہو حالانکہ یہ غلطی ہے۔ کمال یہ ہے کہ شہوت اور غضب کا استعمال بے موقع نہ ہو اور یہ کہ شہوت و غضب کا ہیجان دب جائے اور اگر شہوت کا بالکل ازالہ مقصود ہوتا تو حضور ﷺ یہ تعلیم نہ فرماتے کہ اگر کسی غیر عورت کو دیکھ کر طبیعت میں ہیجان پیدا ہو تو فوراً اپنی بیوی سے مشغول ہو جائے۔ بلکہ یوں فرماتے کہ جب ہیجان معلوم ہو تو شہوت کو بالکل مٹانے کی فکر میں لگے۔ اور اس غلطی میں پڑ کر بہت سے لوگ چونکہ دیکھتے ہیں کہ ہنوز ہمارے اندر شہوت باقی ہے، اپنے شیخ سے اور اس کی تعلیم سے بدگمان ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ذکر سے ہم کو کچھ نفع نہیں ہوا اور اس سمجھ کی بدولت ذکر چھوڑ دیتے ہیں۔ (صفحہ ۱۲۲)

فقراء بھی فی الجملہ ہمارے محسن ہیں

فرمایا کہ کسی کے ساتھ احسان کر کے اس پر احسان رکھنا برا اور مذموم ہے۔ لیکن احسان رکھنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اپنے محسن ہونے کا وسوسہ بھی دل میں نہ آئے اور محسن الیہ کی مخالفت اور عناد پر طبعاً رنج بھی نہ ہو۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کی مخالفت کے وقت اس کی ایذا رسانی کا عزم محض اس بنا پر نہ کرے کہ ہم نے اس کے ساتھ احسان کیا تھا اور اس کے احسان ماننے کی امید نہ رکھی جائے اور طبعاً رنج ہونا یا اپنے محسن ہونے کا وسوسہ پیدا ہونا ایک طبعی اور لازمی امر ہے جس سے چارہ نہیں، لیکن بصورتِ مخالفت محسن الیہ کی ایذا رسانی کے درپے ہو جانا اور اسی طرح سے شکریہ کی امید رکھنا اور شکریہ پر اس کو لساناً یا حالاً مجبور کرنا اپنے اختیار میں ہے اور اس پر مواخذہ ہے۔ گویا ما حاصل یہ ہے کہ اگر نفس میں اپنے محسن ہونے کا خیال پیدا ہو تو اس پر دوسرے امور اختیار یہ ایذا یا اظہار یا طلب شکریہ وغیرہ کو مرتب نہ کرے اور اس خیال کو اس طرح مٹا دے کہ واقعی میں اس شخص کا احسان مجھ پر ہے کہ اس نے میرے ہدیہ وغیرہ کو قبول کر لیا جس سے میرا یہ ذخیرہ آخرت میں پہنچ گیا ورنہ اگر فقراء متفق ہو کر سب کے عطایا رد کر دیا کریں تو آخرت میں جمع کرنے کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔ (صفحہ ۱۱۷)

تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کو سناتا ہے

فرمایا کہ تلاوتِ قرآن میں دل لگنے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ شروع کرنے قبل یوں سوچے کہ اگر مجھ کو میرے چند احباب قرآن پڑھنے کو کہیں اور میں ان کو سنانے کی غرض سے قرآن پڑھوں تو کس انداز سے پڑھوں گا۔ آیا خوب بنا کر اور ترتیل سے یا یوں ہی بلا توجہ۔ اس کے بعد سوچے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو قرآن پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور وہ سن رہے ہیں اور ان کا خوش کرنا احباب کے دل خوش کرنے سے زیادہ ضروری ہے اور اس خیال کے بعد تلاوت شروع کر دے۔ اگر درمیانِ تلاوت میں اس خیال سے ذہول ہو جائے تو تلاوت بند کر کے پھر اس خیال کو تازہ کر لے۔ چند روز میں ان شاء اللہ یہ کیفیت راسخ ہو جائے گی۔ (صفحہ ۱۲۳)

بزرگوں کے پاس جاتے ہوئے ہدیہ کا التزام درست نہیں

فرمایا کہ لوگوں کی عادت ہے کہ جب بزرگوں کے پاس جائیں گے تو بالالتزام کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور لے کر جائیں گے حالانکہ یہ التزام اچھا نہیں ہے۔ اس میں ہدیہ لے جانے والے اور ہدیہ لینے والے اور دیگر متعلقین سب کا نقصان ہے۔ ہدیہ لے جانے والے کا نقصان تو یہ ہے کہ ہر وقت اس کی طبیعت میں ہیجانِ محبت ہوتا نہیں (جیسا کہ ہر طبیعت کی حالت کا مشاہدہ اس کا شاہد ہے) اس لئے اس التزام سے کسی نہ کسی وقت یہ ہدیہ اس کی طبیعت پر گونہ بار ضرور ہوگا پس اس صورت میں وہ ہدیہ ہدیہ نہیں رہا۔ کیونکہ ہدیہ اس کو کہتے ہیں جو کہ جوشِ محبت سے دیا جائے نہ وہ کہ نرمی وضع داری سے دیا جائے۔ اور لینے والے کا نقصان یہ ہے کہ یہ ملتزم جب کبھی اس کے سامنے جائے گا اس کو فوراً یہ وسوسہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ضرور کچھ میرے لئے لایا ہوگا اور جب تک وہ شخص کچھ پیش نہ کر دے اس کو ابتلاء فی الوسوسہ رہتا ہے جس سے چند روز کے بعد حرص پیدا ہو جانے کا احتمال ہے اور دیگر متعلقین کا یہ نقصان ہے کہ اگر ان سے یہ التزام نہ ہو سکے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ ہم پر اس قدر توجہ نہیں کریں گے جس قدر اس شخص پر کریں گے اور اکثر غریب لوگ اس شخص کی بدولت بزرگوں کے پاس آتے ہوئے رکتے ہیں کہ جب ہم سے ہدیہ لے جانا ممکن نہیں تو کس منہ سے جائیں۔ (صفحہ ۱۲۷)

مصلح کے پاس جاتے ہوئے کسی کو ساتھ لے جانا مناسب نہیں

فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خادم سے فرمایا کہ جب آیا کرو تو تنہا آیا کرو، کسی کو ہمراہ لے کر نہ آیا کرو۔ مجھے خیال ہوا کہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ اس وقت کوئی مصلحت سمجھ میں نہ آئی لیکن چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ارشاد نہایت مصلحت پر مبنی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شخص کی استعداد اور مطلوب جدا ہوتا ہے اور اس کے موافق اس شخص سے برتاؤ کرنا مناسب ہوتا ہے اور اگر کسی دوسرے شخص کے ساتھ ہو تو بسا اوقات ایک کی رعایت سے دوسرے کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرنا پڑتا ہے اور وہ نامناسب ہوتا ہے۔ چنانچہ تجربے کے بعد مجھے خود اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ (صفحہ ۱۳۵)

کفار کو دنیوی نعمتیں صورتاً ملتی ہیں

فرمایا کہ کفار کو جو بعض اوقات نعمت دی جاتی ہے اور مومن کو تکلیف، وجہ اس کی یہ ہے کہ کفار سے جو نیکیاں عدل اور رحم اور سخاوت ہوتی ہیں یہ ان کی جزا ہے اور مومن کو بوجہ بعض معاصی تکلیف دی جاتی ہے۔ کفار سے جو نیکیاں صادر ہوتی ہیں بوجہ اس کے کہ باغی ہیں ان سے ان ہی کا صدور غنیمت سمجھا جاتا ہے لہذا رزق میں وسعت دی جاتی ہے اور معاصی مومن کے بوجہ اس کے کہ موافق سے ان کا صدور ہوا نہایت مبغوض عند اللہ ہوتے ہیں اس لئے اس پر تنگی کی جاتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کفار کو صورتِ نعمت عطا فرمائی گئی اور مومن کو حقیقتِ نعمت عطا ہوئی۔ اگر کسی کو جیل خانہ کا حکم ہو اور کروڑوں نعمتیں اس کے پاس جمع ہوں تو سب ہیچ ہیں۔ بخلاف ایک مزدور کے کہ گواس کو رزق میں کمی ہو مگر چونکہ جیل خانہ کا حکم نہیں ہوا اس لئے وہ کس قدر راحت و چین میں ہے۔ یہی فرق ہے کفار اور مومن میں۔ (صفحہ ۱۴۷)

علماء کا نفقہ قوم پر واجب ہے

فرمایا کہ اکثر اہل دنیا پوچھا کرتے ہیں کہ فی زمانہ عربی پڑھ کر انسان کیا کرے اور کہاں سے کھائے۔ اس کا جواب ضابطہ کا یہ ہے کہ اہل دنیا سے وصول کر کے اور ان کے اموال سے لے کر کھائے۔ اس لئے کہ عربی پڑھنے والے دین کی اشاعت اور حفاظت میں مصروف ہوتے ہیں۔ لوگوں کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں تو یہ لوگ عوام اور اہل اسلام کی ضرورتوں میں مجبوس ہیں اور یہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ جو شخص کسی کی ضرورتوں میں مجبوس ہو اس کا نان و نفقہ اس شخص کے ذمہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر زوجہ کا نفقہ شوہر پر اور قاضی کا نفقہ بیت المال میں اور شاہد کا نفقہ من لہ الشهادة پر ہوتا ہے۔ پس جب علماء مسلمانوں کے مذہبی کام میں مجبوس ہیں اور ان کے مذہب کی حفاظت کرتے ہیں، روزمرہ کی جزئیات میں ان کو مذہبی حکم بتاتے ہیں اور یہ شغل ایسا ہے کہ اس کے ساتھ دوسرا کام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ دوسرے کام میں جو لوگ لگے ہیں ان سے یہ کام نہیں ہوتا تو ان کا نان و نفقہ بھی عام مسلمانوں کے ذمہ واجب ہوگا۔ تو علماء

سے یہ پوچھنا کہ عربی پڑھ کر کیا کیجئے گا اور کہاں سے کھائیے گا، اپنی حماقت کا ظاہر کرنا ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کی فکر اور جس پر توجہ خود مسلمانوں کے ذمہ تھی اس کو بجائے خود سمجھنے کے علماء کے سامنے پیش کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ آپ ہمارا کام کرتے ہیں لیکن ہم اپنی حماقت سے اس کو اپنا کام نہیں سمجھتے۔ اور باوجود یہ کہ آپ کی ضروریات کا تکفل ہمارے ذمہ ہے بوجہ آپ کے محبوس ہونے کے لیکن ہم اپنی عقلندی سے اس تکفل کو اپنے ذمہ نہیں سمجھتے۔ پھر فرمایا کہ جس طرح اہل دنیا پر علماء کی ضروریات کا تکفل ضروری ہے اسی طرح علماء پر بھی یہ ضروری ہے کہ تعلیم و تعلم سے اصلی غرض خدمتِ دین رکھیں۔ نفس پروری اور جاہ طلبی نصب العین نہ ہو۔ نیز اہل دنیا سے اسی قدر لیں کہ جس قدر ان کے حوائج ضروریہ کو کافی ہو۔ تزیین، تجل و ہوائے نفس کے درپے نہ ہوں۔ (صفحہ ۱۵۱)

علماء لوگوں کو عقائدِ کفریہ سے آگاہ کرتے ہیں

فرمایا کہ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ مولوی لوگ تو کافر بناتے ہیں۔ سو جناب کافر بناتے نہیں بلکہ کافر بتاتے ہیں۔ ایک نقطہ ہی کو آپ لوگ اڑا جاتے ہیں یعنی کافر تو لوگ خود بنتے ہیں مگر خود خبر نہیں ہوتی کہ ہم کافر ہو گئے۔ مولوی بتا دیتے ہیں۔ جیسے کوئی اندھا جا رہا تھا، آگے کوئی خندق تھی مگر نظر نہ آتی تھی۔ کسی نے کہا دیکھو آگے خندق ہے۔ اندھے نے کہا کہ کیا دلیل ہے کہ آگے خندق ہے۔ بس دلیل یہی ہے کہ آگے چلنے دے، جب گرے گا خود معلوم ہو جائے گا۔ اس کو خود سوچتا نہیں تو آنکھوں والوں کے کہنے پر اعتماد کرنا چاہئے تھا۔ سو جناب ہم لوگ متنبہ کرتے ہیں کہ دیکھو یہ کفر کی بات ہے۔ اس سے تو بہ کر لو ورنہ آگے چل کر دوزخ کے گڑھے میں گر دو گے۔ (صفحہ ۱۶۵)

کفار کی تمام ریاضتیں بے کار ہیں

عرض کیا گیا کی آیا کثرتِ تصور سے اللہ تعالیٰ کی حضوری اور کسی قسم کا قرب کفار یعنی جو گویہ وغیرہ کو بھی حاصل ہو جاتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں، لیکن اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک شخص

تو بحیثیت مقرب وزیر کے بادشاہ کے پاس بیٹھا ہوا اور دوسرا بحیثیت مجرم کے کٹہرے میں کھڑا ہے۔ بظاہر دونوں کو قرب حاصل ہے لیکن ایک فرمانبردار مورِ دِ عنایت ہے اور دوسرا فرمانِ مورِ دِ عتاب۔ عرض کیا گیا کہ جوگی وغیرہ کو بھی اس حضور میں ایسا ہی حظ حاصل ہوتا ہوگا جیسا کہ صوفی کو۔ فرمایا کہ ایک شخص کے پاس پیتل کا ڈلا ہے اور وہ اس کو سونا سمجھ کر خوش ہو رہا ہے اور دوسرے کے پاس واقعی سونے کا ڈلا ہے اور وہ بھی خوش ہو رہا ہے۔ دونوں کی خوشی یکساں ہے لیکن ایک کی خوشی واقعی ہے اور دوسرے کی غیر واقعی۔ جس وقت حقیقت کھلے گی تو پیتل والے کی سب خوشی خاک میں مل جائے گی۔ (صفحہ ۱۷۲)

اللہ کے نام کی تاثیر ہر حال میں ظاہر ہوتی ہے

فرمایا کہ تھوڑی سے دیر صرف پندرہ منٹ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ کر لیا جائے۔ دیکھئے تو سہی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ کھٹائی کا نام لینے سے منہ میں پانی بھر آئے اور اللہ کا نام لینے سے قلب میں اثر پیدا نہ ہو ممکن نہیں۔ (صفحہ ۱۷۵)

نماز کا پابند ہونے کے لئے تعویذ نہیں تدبیر کی ضرورت ہے

فرمایا کہ ایک صاحب میرے پاس آئے اور اس بات کے لئے تعویذ مانگا کہ میں نماز کا پابند ہو جاؤں۔ میں نے کہا کہ جناب اللہ تعالیٰ کے کلام میں تو سب کچھ اثر ہے لیکن مجھ کو تو کوئی ایسا تعویذ لکھنا نہیں آتا کہ اس میں ایک سپاہی پلیٹ کر آپ کو دے دوں اور وہ نماز کے وقت اس میں سے ڈنڈا لے کر نکلے اور کہے کہ اٹھو نماز پڑھو۔ ہاں البتہ ایک تدبیر بتلا سکتا ہوں جس سے آپ چار ہی روز میں پورے پابند ہو جائیں۔ لیکن وہ تدبیر صرف پوچھنے کی نہیں عمل کرنے کی ہے۔ آپ ایسا کیجئے کہ ایک نماز قضا ہو تو ایک فاقہ کیجئے، دو قضا ہوں تو دو فاقہ کیجئے۔ تین قضا ہوں تو تین فاقہ، چار ہوں تو چار، پھر دیکھئے جو ایک نماز بھی قضا ہو۔ اور وہ صاحب چونکہ واقعی طالب تھے انہوں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ کہتے تھے کہ واقعی تین چار روز میں ہی پورا پابند ہو گیا۔ (صفحہ ۱۷۵)

مصلحت کی وجہ سے بعض محارم شرعی سے بھی پردہ کرنا چاہئے

فرمایا کہ عورتیں گو غیروں سے پردہ کرتی ہیں مگر اپنوں سے پردہ نہیں کرتیں۔ حالانکہ زیادہ خرابی اپنوں ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ رات دن کے گھر کے آنے جانے والے ہوتے ہیں۔ اس لئے جتنے غیر محرم عزیز قریبی ہوں ان سے پردہ لازمی ہے۔ بلکہ فقہاء نے بہ مصلحت بعض محارم شرعی سے بھی پردہ ضروری قرار دے دیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ محارم شرعی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جن سے طبعی نفرت ہوتی ہے۔ اور ویسے کوئی بیل جانور ہی ہے تو دوسری بات ہے مثلاً ماں بہن وغیرہ۔ ان کی طرف طبعاً میلان نہیں ہوتا۔ دوسری قسم وہ ہے جن سے محض نفرت شرعی ہوتی ہے جیسے جوان داماد، جوان ساس، سوتیلی ماں، بیٹے کی بیوی وغیرہ۔ ان رشتوں میں محض رشتے کی وجہ سے شرعی حرمت ہے۔ ورنہ اگر بہو بیٹے کے نکاح میں نہیں آتی تو خود باپ اس سے نکاح کر سکتا تھا۔ اسی طرح سوتیلی ماں اگر باپ کے نکاح میں نہ آتی تو اس سے خود بیٹا نکاح کر سکتا تھا۔ لہذا ایسی صورتوں میں کوئی طبعی نفرت نہیں، صرف شرعی ممانعت ہے۔ سو چونکہ ایسی حالت میں مفسدہ کا احتمال بعید نہ تھا، چنانچہ ایسے ناگفتہ بہ واقعات ہوئے ہیں اس لئے فقہاء نے ایسے محارم شرعی سے بھی پردہ کرنے کا حکم لگایا ہے۔ بلکہ بعض نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ چچا اپنی جوان بھتیجی کو بھی بے حجابانہ نہ دیکھے۔ کم از کم وہ اپنے لڑکوں کے لئے تجویز کرنے کی نظر سے تو اسے دیکھے گا۔ (صفحہ ۱۸۳)

توجہ کا تعلق قوت خیالیہ سے ہے

فرمایا کہ الحمد للہ میں نے بھی کبھی تصویرِ شیخ نہیں کیا۔ کیونکہ تصویرِ شیخ میں اپنی پوری توجہ کوشش کے واسطے مجتمع کرنا ہوتا ہے اور اس درجہ کی توجہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کا حق ہے۔ یہی حال مرید کو توجہ دینے کا ہے۔ اس میں بھی ہمہ تن متوجہ ہوئے بغیر نفع نہیں ہوتا اور ایسی کامل توجہ ایک مخلوق کی طرف کرنا اس سے خدا تعالیٰ سے شرم آتی ہے۔ البتہ حق تعالیٰ سے دعا کرنا اور خلوص کے ساتھ تعلیم و تلقین کرنا یہ طریقہ سنت کے موافق ہے اور بہت نافع ہے۔ رہی توجہ تو اس کا تعلق محض قوت خیالیہ

سے ہے جو مشق سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کو مقبولیت سے کچھ نسبت نہیں۔ البتہ چونکہ اچھے کام میں صرف کی جاتی ہے اس لئے اچھی ہے جیسے کشتی و پہلوانی کہ فی نفسہ عبادت نہیں لیکن اگر اعداء دین کے مقابلہ میں اس سے کام لے تو حسنہ ہے۔ باقی غیر مسلم تک بھی اس کو حاصل کر سکتا ہے۔ کوئی غیر متقی بھی اگر کسی کو دین کی توجہ دے تو گو وہ خود ایسا نہیں لیکن توجہ کے اثر سے دوسرے کے قلب میں دینداری پیدا کر سکتا ہے لیکن اس کے اثر کو بقاء نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۱۸۵)

اعزہ سے ملنا ترک نہ کرے

کسی نے سوال کیا کہ اعزہ سے ملنا کیا سنت ہے؟ جواب میں فرمایا کہ ہاں کیونکہ صلہ رحمی ہے۔ اگر وہ بد اعمال ہوں تو بھی اپنی جانب سے کھنچا ہوا رہنا اچھا نہیں۔ خواہ وہ امراء ہی کیوں نہ ہوں۔ ترکِ تعلق مناسب نہیں۔ اور اگر وہ اعزہ تمسخر دین کا کرتے ہوں تو اس کو چاہئے کہ ان کو سمجھائے کہ میں آپ صاحبوں کے پاس بسبب رشتہ داری آتا ہوں۔ آپ ایسا نہ کریں ورنہ میں نہیں آنے کا۔ اگر وہ نہ مانیں تو نہ جائے۔ باقی اجنبی امراء سے ترکِ تعلق اچھا ہے۔ ہاں اگر وہ خود بلائیں تو چلا جائے یا وہ خود اپنے یہاں آئیں تو ان کا اکرام کرے۔ (صفحہ ۱۹۱)

سفر حج سفر عشق ہے

فرمایا کہ سفر حج میں لوگ بہت بہت پریشانیاں اٹھاتے ہیں۔ سخت دقتیں پیش آتی ہیں۔ یوں چاہئے کہ پختہ ہو کر سب کاموں کو اللہ کے سپرد کر دے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت آسانی سے سب امور طے ہو جائیں گے۔ چنانچہ ہمیں بہت سہولت رہی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ بڑے بڑے امراء وزنی اسباب کو اپنی کمروں پر لادتے تھے۔ نوکروں نے بھی ان کو جواب دے دیا۔ لوگ روپے کے زعم میں آ جاتے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس سفر کو سفر عشق سمجھے۔ پھر سب تکالیف راحت معلوم ہوں گی۔ (صفحہ ۱۹۲)

مراقبہ موت پر دوام نہ کرے

فرمایا کہ مراقبہ موت کا ایسا شخص ہر روز نہ کرے جس پر اس کے دوام سے یہ اثر ہو کہ

وہ ایک معمولی بات ہو جائے۔ اس کی تائید حدیث لاتجعلوا بیوتکم قبوراً سے ایک خاص تفسیر پر ہوتی ہے کہ گھروں میں قبریں نہ بناؤ کہ اس سے قلب پر تذکر موت کا خاص اثر نہیں رہتا اور چونکہ اس تفسیر کو کسی نے رد نہیں کیا اس لئے اس مضمون کا فی نفسہ صحیح ہونا ثابت ہو گیا۔ اور اس کی مثال طبیات میں ایسی ہے کہ کشتہ یا اور کوئی دوائے حار و قوی پر اگر دوام کیا جائے تو اثر نہیں کرتا اور ایسے شخص پر دوسری دوا تو اثر کرتی ہی نہیں۔ مگر یہ ان مراقبات میں سے ہے جو مقصود نہ ہوں بلکہ واسطہ مقصود ہوں۔ جس طرح دوا کہ مقصود نہیں ہوتی اور مراقبہ موت بھی ایسا ہی ہے کہ واسطہ ہے مقصود کا یعنی ذکر آخرت کا اور عجب نہیں اکثروا فرمانا اور دوام و انہ فرمانا اسی سبب سے ہو۔ بہ خلاف ان مراقبات کے جو خود مقصود ہوں جیسا کہ مراقبہ حق تعالیٰ کے کمالات اور انعامات کا کہ وہ مثل غذا کے ہیں جن پر دوام مقصود ہے۔ (صفحہ ۲۰۷)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۳)

غریب آدمی کو اپنے پاس کسی کی امانت نہ رکھنی چاہئے

فرمایا کہ جو لوگ محتاج اور تہی دست ہیں ان کو چاہئے کہ اپنے پاس کسی کی امانت نہ رکھیں کیونکہ اس میں اندیشہ ہے کہ کسی ضرورت میں نفس خرچ کر لینے کی رائے دے اور اگرچہ خرچ کرتے وقت ارادہ ادا کرنے کا ہوتا ہے لیکن ہر وقت میسر آنا تو آسان نہیں۔ علیٰ ہذا قرضہ بھی حتیٰ الوسع نہ لینا چاہئے اور اگر لیا جائے تو اس کو بہت جلد ادا کر دینا چاہئے کیونکہ جب ہزاروں کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور قرض خواہ بہت زیادہ ہو جاتے ہیں تو اس وقت قرض دار کی نیت ٹھیک نہیں رہتی۔ سمجھتا ہے کہ سب سے تو سبکدوش نہیں ہو سکتا، رسوائی تو ضرور ہوگی۔ اب ایک کی رسوائی اور دس کی رسوائی برابر ہے تو کسی کو بھی ادا نہ کرو۔ (صفحہ ۳۸)

روحانی مرض کے زائل ہونے پر فخر نہ کرے

فرمایا کہ مقصود تصوف یہ ہے کہ اخلاق کی اصلاح ہو جائے لیکن یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔ ہاں اس پر شکر کرنا چاہئے۔ دیکھو اگر کسی کو مرض سے صحت حاصل ہو تو کبھی اس کو فخر کرتے نہ دیکھا ہوگا۔ ہاں شکر کرتے ہیں کہ خدا نے ایک مرض سے نجات بخشی۔ اس میں فخر کی کیا بات ہے۔ اور اگر کسی کو کرامات اور معارف بھی میسر آجائیں تو اس پر بھی کیا فخر کیا جائے کیونکہ وہ اپنے اختیار سے بالکل خارج ہیں۔ بلکہ اس دولت کے حصول کے بعد یوں سمجھنا چاہئے کہ بادشاہ نے ایک چمار کو گراں بہا لعل دے دیئے ہیں کہ وہ جب چاہے واپس لے لے تو اس سے یہ چمار فخر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بندے کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کی مہربانی اور عطیے پر ہر وقت شکر کرے اور ہمیشہ ترساں ولرزائاں رہے کہ ایسا نہ ہو مجھ سے اس امانت کے ادائے حقوق میں کوتاہی ہو جائے۔ باقی فخر وغیرہ یہ سب خرابی ناواقفی کے سبب سے ہے۔ (صفحہ ۴۶)

مال و جاہ ضرورت سے زائد ہوں تو باعثِ ضرر ہیں

فرمایا کہ حبِ مال و جاہ سے یعنی ان کو مقصود بالذات سمجھنے سے اکثر تصبیغِ دین تک نوبت پہنچ جاتی ہے حالانکہ یہ دونوں مقصود بالعرض ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے مال کو جلبِ منفعت کا ذریعہ پیدا کیا ہے اور اکثر لوگوں کو اتنا مال یا اس کے اسبابِ سہولت حاصل بھی ہیں۔ پھر زیادہ طلبی میں کیوں کاوش کرے۔ ہاں اگر کسی کو اتنا بھی میسر نہ ہو تو اس کو کوشش کرنا مضائقہ نہیں لیکن جب بقدرِ ضرورت حاصل ہو جائے تو پھر زیادہ کوشش چھوڑ دینا چاہئے اور اسی طرح جاہ کو خدا تعالیٰ نے دفعِ مضرت کا ذریعہ پیدا کیا ہے۔ اس سے ایسی منفعت حاصل کرنا جس سے دوسروں کو ضرر ہو حرام ہے مثلاً اس سے آمدنی وصول کرنے لگے یا اس کے دباؤ سے کوئی کام نکالنے لگے۔ جاہ صرف اس قدر درکار ہے کہ مفسدین کے شر سے محفوظ رہے سو الحمد للہ ہم کو اس قدر جاہ بھی حاصل ہے مثلاً پولیس اگر بیگار میں پکڑنا چاہے تو چماروں اور مہتروں کو پکڑے گی اور ہم کو چھوڑ دے گی۔ باقی اس سے زیادہ اس کے درپے ہونا تکبر تک پہنچا دیتا ہے۔ نیز جب جاہ زیادہ ہو جاتی ہے تو اس سے دو طور پر نقصان ہوتا ہے۔ ایک تو معتقدین اور محبین سے کہ کوئی ہاتھ چومتا ہے، کوئی پیر چومتا ہے، کوئی گھٹنوں بیٹھ کر وقت ضائع کرتا ہے۔ علیٰ ہذا کوئی غوث کہتا ہے، کوئی قطب سمجھتا ہے۔ پھر اس اعتقاد سے کہ جو یہ کہہ دیں گے ضرور ہو جائے گا، طرح طرح کی فرمائشیں ہوتی ہیں اور جب یہ تمام اوصاف اس ذی جاہ کے کانوں تک پہنچتے ہیں تو اس کو بھی گونہ مسرت ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں اور اس میں پندار اور عجب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا ضرر مخالفین اور معاندین سے پہنچتا ہے کہ ان کو رشک اور حسد شروع ہو جاتا ہے اور یہ شخص اس کے ازالے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے اثر سے محفوظ رہنا چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے کام سے رہ جاتا ہے اور ان زوائد میں مشغول ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۵۲)

تین باتوں کا التزام کرنے والا محروم نہ ہوگا

فرمایا کہ اگر کوئی شخص تین باتوں کا التزام کر لے تو ان شاء اللہ محروم نہ رہے گا جو جنید بغدادیؒ نہ بن سکے۔ ایک تو یہ کہ معاصی کو بالکل ترک کر دے کیونکہ اس سے قلب میں ایک قسم کی ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ عاصی اگر عبادت بھی کرتا ہے تو اس کے نور کی مثال مثل نور فانوس مشبک کے ہوتی ہے کہ اس کا نور مخلوط بالظلمۃ ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ خلق خدا پر بدگمان نہ ہو کہ یہ کبر سے پیدا ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جب فرصت ہو تو کچھ ذکر و شغل جس قدر ممکن ہو کر لیا کرے اور حضراتِ صوفیاء کرام سے ملتا جلتا رہے۔ (صفحہ ۵۴)

(فرہنگ: مشبک: جالی دار، وہ چیز جس میں بہت سے سوراخ ہوں)

ہر صالح مصلح نہیں ہوتا

ایک صاحب نے ایک پیر کی نسبت کہا کہ ان مدعی مشیخت میں اتباعِ شریعت نہیں ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر اتباعِ شریعت بھی ہوتا تب بھی صرف اس سے مرتبہ مشیخت حاصل ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس اتباع سے صرف صفتِ صلاح پیدا ہوتی ہے اور ہر صالح کے لئے مصلح ہونا ضروری نہیں۔ دیکھئے تندرست تو دنیا میں بہت ہیں مگر سب طبیب نہیں۔ بس یہ ضروری نہیں کہ جو نیک ہو وہ شیخ بھی ہو۔ (صفحہ ۶۷)

اصلاحِ عملی زیادہ نافع ہوتی ہے

فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص بلا استیذان کے حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں خیمے میں چلے آئے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم نے اذن کیوں نہیں لیا؟ پھر فرمایا کہ باہر جاؤ اور اذن طلب کرنے کے بعد پھر آؤ اور ایک دوسرے شخص سے اشارہ فرمایا کہ ان کو طریقہ سکھا دو۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام اور ہر معاملہ کا طریق جداگانہ ہے۔ اسی طریق کے موافق چلنا چاہئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اصلاحِ عملی زیادہ نافع ہے۔

اسی ملفوظ کے ذیل میں فرمایا کہ نیک اخلاقی کے یہ معنی نہیں کہ آدمی لوگوں کا خاک پا

ہو جائے کہ جس کا جس طرح جی چاہے اس سے برتاؤ کرے۔ حضراتِ انبیاء کرام خصوصاً ہمارے نبی کریم ﷺ سے زیادہ وسیع الخلق کون ہوگا مگر پھر بھی دیکھئے کہ آپ نے کس طرح اس شخص کی غلطی پر سکوت نہیں فرمایا۔ پس آپ کی سنت کے موافق رہنا چاہئے۔ (صفحہ ۱۰۰)

صرف نسبت مع اللہ کی طلب ہونی چاہئے

فرمایا کہ انسان کو چاہئے کہ پوری توجہ سے اپنے کام میں لگا رہے۔ جو کچھ اس کی تقدیر میں ہے خود حاصل ہوگا۔ باقی حالات امور مواجید کا خواہاں نہ ہو کیونکہ یہ امر اختیاری نہیں ہے بلکہ نسبت مع اللہ کی طلب ہونی چاہئے۔ جب یہ حاصل ہو جائے گی تو معلوم ہوگا کہ اس میں کیا لذت ہے اور معلوم ہوگا کہ اس کے مقابلے میں سب حالات ہیچ ہیں کیونکہ یہ دائم اور باقی ہے اور اس نسبت کا اثر یہ ہوگا کہ دوسروں کے حقوق ضائع کرنے سے ایسا بھاگے گا جیسے بکری بھیڑیے سے۔ (صفحہ ۱۱۲)

نفس بھروسہ کے قابل نہیں

فرمایا کہ انسان کو اپنے نفس پر ہرگز بھروسہ اور اطمینان نہ کرنا چاہئے اگرچہ کوئی کتنا ہی بڑا صاحبِ کرامت ہو، کتنا ہی بڑا عالم ہو، فہیم ہو، بزرگ ہو مگر نفس کسی کا کسی حالت میں بھی اطمینان کے قابل نہیں۔ (صفحہ ۱۱۶)

برا آدمی نیک کے پاس آئے تو اسے نفع ہوگا

ایک شخص نے اعتراض کیا کہ شریعت میں صحبت بد کی نہی آئی ہے اور صحبت نیک کا امر آیا ہے۔ پس اگر برا آدمی نیک آدمی کے پاس جائے اور نیک اس سے اجتناب نہ کرے تو وہ نیک نہ رہے گا۔ چونکہ منیٰ عنہ کا ارتکاب کیا اور اگر نیک آدمی اس سے بچا تو پھر صحبت نیک سے کس طرح منفعہ ہو۔ پس ہر حال میں صحبت نیک کا میسر آنا سخت دشوار ہے۔ جواب میں فرمایا کہ شہادت تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب ہمیشہ متاثر ہوتا ہے اور مطلوب مؤثر ہوتا ہے۔ پس جب برا آدمی طالب بن کر نیک کے پاس آیا ہے تو اس کو نفع ہوگا۔ اس لئے اس کو اس بد کی صحبت

سے اجتناب ضروری نہ ہوگا اور چونکہ وہ نیک اس بد کی صحبت کا طالب نہیں ہے لہذا وہ صحبت اس کو مؤثر نہ ہوگی تو یہ اجتماع مضر نہ ہوگا اور نہ ممنوع ہوگا بلکہ عین امتثال امر ہے۔ (صفحہ ۱۲۹)

کثرتِ عبادت نہیں قلتِ عبادت سے منع کیا گیا ہے

فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے صوم وصال سے اور تمام شب کی بیداری سے منع فرمایا ہے۔ اس سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے کثرتِ عبادت سے منع فرمایا ہے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ارشاد سے نکثیر عبادت کا طریق بتلایا ہے اور تقلیل عبادت سے روکا ہے کیونکہ جب ایک شخص اپنی وسعت سے زیادہ بیدار رہے گا یا صوم وصال کر کے بھوکا رہے گا تو نتیجہ ہوگا کہ قویٰ کمزور ہو کر معمولی عبادت کی بھی طاقت نہ رہے گی اور قدرِ قلیل بھی فوت ہو جائے گا اور اعتدال کے ساتھ کام کرنے سے عمر بھر دوام کر سکے گا۔ (صفحہ ۱۳۲)

کسی کو گھیر گھار کر لانا پسندیدہ نہیں

ایک صاحب نے عرض کیا کہ جناب کی واپسی سفر کے وقت اپنے بھائی کو مطلع کر دوں کہ وہ فلاں اسٹیشن پر آ کر ملاقات کر لیں۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر وہ خود رغبتِ ملاقات ظاہر کریں تو مضائقہ نہیں۔ باقی گھیر گھار کر کسی کو لانا، میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس زمانے میں خود غرض لوگوں نے یہ شیوہ اختیار کر لیا ہے کہ دوسروں کے ذریعے سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اسی وجہ سے اس قسم کی حرکات سے لوگوں کو خود غرضی کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ اور یہ طرزِ دین کی شانِ مطلوبیت کے خلاف ہے اور یہی وجہ ہے کہ مین اس باب اعتقاد میں کسی کی ترغیب کو بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ اس میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ شخص مشیرِ اصل میں شیخ کی ایماء سے گھیر گھار کرتا ہوگا۔ (صفحہ ۱۳۹)

نسبت مع اللہ کا القاء ایک دم نہیں ہوتا

فرمایا کہ نسبت مع اللہ کا القاء ایک دم سے نہیں ہوتا بلکہ رفتہ رفتہ ہوتا ہے کہ دیکھنے

والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کی کیا حالت ہوگئی، مگر چند روز کے بعد خود بھی معلوم ہونے لگتا ہے کہ میں کیا سے کیا ہو گیا۔ جیسے بچہ روزانہ بڑھتا ہے لیکن دیکھنے والوں کو اس کا پتہ بھی نہیں چلتا مگر جو دس برس پہلے اس کو دیکھ چکا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس میں کتنا فرق ہو گیا ہے۔ (صفحہ ۱۴۹)

معصیت کے تقاضے پر ہرگز عمل نہ کرے

فرمایا کہ بعض اوقات سالک کی طبیعت میں معصیت کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے نفس کو روکتا ہے۔ اس روکنے سے تقاضہ اور بھی بڑھتا ہے۔ اس وقت نفس اور شیطان یہ رائے دیتے ہیں کہ اگر تم اس وقت اس کام کو کر لو گے تو نفس تقاضے سے خالی ہو جائے گا اور دوسری عبادات میں مشغول ہو جائے گا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ اس تقاضے کو معدوم کر دینا اور اس تاویل سے اس معصیت کو جائز بلکہ اس کے ارتکاب کو اس وقت ضروری سمجھ کر کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہ سخت غلطی بلکہ الحاد ہے۔ کیونکہ اس ارتکاب سے وہ ذلیلہ جڑ پکڑ لیتا ہے اور پھر انسان کبھی اس کے ازالے پر قادر نہیں ہوتا۔ ایسے موقع پر نفس کو ہرگز اجازت ارتکاب نہ دینی چاہئے اور کامل ہمت سے روکنا چاہئے۔ باوجود روکنے کے بھی اگر تقاضائے نفس نہ بجھے تو اس کی کچھ پرواہ نہ کرے کیونکہ انسان سے تقاضائے نفس پر مواخذہ نہیں ارتکاب جرم پر مواخذہ ہے۔ نیز اس صورت میں خفیف ہونے کے بعد پھر ہمیشہ کو ذلیلہ نفس خود بخود دب جاتا ہے۔ اس تقاضے کا یہی علاج ہے۔ (صفحہ ۱۵۲)

وساوس کا علاج ذکر میں مشغولی ہے

فرمایا کہ انسان چاہتا اور کوشش وسعی کرتا ہے کہ اس کے دل میں سوائے خیال محبوب یعنی باری تعالیٰ کے اور کوئی خیال نہ آنے پائے۔ اس کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کرتا ہے، دعا کرتا ہے، کامیاب نہیں ہوتا تو جزبہ ہوتا اور پریشانی میں پڑتا ہے حالانکہ وہ غور نہیں کرتا کہ قلب کی حالت شارع عام کی سی ہے کہ اس پر جس طرح بادشاہ کا گزر رہے خوف و خطر اور بے روک ٹوک ہوتا ہے اسی طرح ایک ادنیٰ مزدور بلکہ چمار اور مہتر بھی چلتا ہے اور جس طرح بادشاہ کے گزرنے سے سڑک عیب دار نہیں ہوتی، چمار کے گزرنے سے بھی اس میں کچھ عیب نہیں

پیدا ہوتا بلکہ بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہو جاتا ہے کہ ایک چمار کے نکل جانے کے لئے شاہی سواری روک لی جاتی ہے اور سر شور گھوڑوں کی لگام کس لی جاتی ہے۔ یوں ہی قلب کی شاہراہ میں شاہی سواری یعنی خیالِ محبوب کے دوش بدوش ایرے غیرے، لایعنی اور دنیاوی خیالات بھی راہ چلتے ہیں اور بعض اوقات ان رذیلوں کے لئے شاہی گھوڑوں کی لگام روک لی جاتی ہے کہ یہ نکل جائیں اور اس کے لئے رستہ صاف ہو جائے۔ پس جب قلب کی یہ حالت ہے تو اس میں کسی خیال کے آنے کو برا نہ سمجھے، نہ اس کی طرف التفات کرے۔ حتیٰ کہ اس کے دفع کا بھی مستقل اہتمام نہ کرے بلکہ ذکر میں مشغول رہے۔ اگر باوجود شغل کے بھی خیال آئے تو سمجھے کہ سڑک سے ایک چمار کے گزارنے کے لئے بادشاہ رک گیا ہے اور پھر ذکر میں مشغول ہو جائے کہ دفع و سواوس کی موثر تدبیر یہی ہے۔ (صفحہ ۱۵۳)

دل پر جبر کر کے گناہ سے بچنے میں زیادہ مجاہدہ ہے

فرمایا کہ جن لوگوں کو نسبت مع اللہ حاصل ہوتی ہے، وہ اگر مائل الی المعصیت نہ ہوں اور جن پر خوفِ خداوندی کی تیغ ہر دم کشیدہ ہے، وہ اگر پاک باز ہوں تو کوئی ان کا بڑا کمال نہیں۔ اگرچہ خدا کا ان پر احسان ضرور ہے کہ ان پر ایسی کیفیات کا طریان ہو کر ان کے لئے حال لازم بن گئیں۔ البتہ جن لوگوں کو ہنوز نسبت مع اللہ حاصل نہیں ہوئی اور پھر بھی وہ معاصی کے چھوڑ دینے کی ہمت کرتے ہیں اور اپنے دل پر جبر کر کے اپنے کو صالح بناتے ہیں، وہ صاحبِ کمال ہیں۔ اگرچہ اصل توفیق ان کو بھی خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ ان کے اپنے اختیار میں کچھ نہیں۔ (صفحہ ۱۶۵)

بوڑھوں سے پردہ کرنے کی زیادہ ضرورت ہے

فرمایا کہ میرے خیال میں اجنبی معرخص سے اجنبی عورت کو پردہ کرنا بہ نسبت جوان کے زیادہ ضروری ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جوان آدمی میں اگر شہوت زیادہ ہوتی ہے تو اس میں ضبط کی قوت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں اگر تھوڑا سا دین بھی ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس کو روکتا ہے برخلاف بوڑھے شخص کے کہ اس میں میلانِ قلب تو بوجہ غوامض پر اطلاع ہونے

کے زیادہ ہوتا ہے اور ضبطِ نفس اس میں کم ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر بوڑھے لوگوں کے ناگوار واقعات زیادہ سنے گئے ہیں اور بعض دفعہ بوڑھوں کو انتشارِ عضو نہ ہونے سے شہوت نہ ہونے کا دھوکہ ہو جاتا ہے مگر یہ خیال غلط ہے۔ عدم انتشار بوجہ ضعفِ اعصاب کے ہوتا ہے۔ باقی شہوت ضرور ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ حرمتِ مصاہرت میں مس کے وقت فقہاء نے جوان کے لئے انتشارِ آلہ اور بوڑھے کے لئے تحرکِ قلب کو علامت لکھا ہے۔ نیز جوان مرد سے عادتاً بھی عورتیں زیادہ پرہیز کرتی ہیں اور بوڑھے کو تو فرشتہ سمجھتی ہیں۔ اس لئے اس سے زیادہ احتیاط درکار ہے۔ (صفحہ ۱۶۷)

اپنی طرف سے کسی دن کو یوم العید یا یوم الحزن بنانا جائز نہیں

فرمایا کہ نکتہ الہامیہ کے طور پر ایک بات لکھ لو۔ اور وہ یہ کہ جناب رسول مقبول ﷺ کا یوم ولادت اور یوم وفات علی المشہور اور شہر ولادت اور شہر وفات بالاتفاق ایک ہے۔ اس اتحاد سے ایک مسئلہ شرعیہ کی تائید ہوتی ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اپنی تجویز سے کسی دن کو یوم العید بنانا یا کسی دن کو یوم الحزن بنانا جائز نہیں جب تک کہ شریعت ہی نے کسی دن کو یوم العید یا یوم الحزن نہ قرار دیا ہو۔ تو اس سے تائید اس طرح ہوتی ہے کہ سب سے بڑی خوشی حضور ﷺ کی ولادت ہے اور سب سے بڑا حزن آپ کا یوم الوفات ہے۔ تو عجب نہیں کہ ان دونوں واقعوں کے ایک ہی زمانے میں واقع کرنے میں یہ مصلحت ہو کہ اگر ولادت کی وجہ سے اس دن کو یوم العید بنانا چاہیں تو وفات کا خیال مانع ہو اور وفات کی وجہ سے یوم الحزن بنانا چاہیں تو خیال ولادت مانع ہو اور فرمایا کہ گو یہ دلیل کے مرتبے میں نہ ہو لیکن مسئلہ کے ثابت بالذلیل ہونے کے بعد اس نکتے سے اس دلیل کی اعلیٰ درجے کی تائید ہوتی ہے۔ (صفحہ ۱۶۸)

نسبت مع اللہ سلب نہیں ہوتی

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ فلاں شخص کی ولایت سلب ہوگئی۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا کہ ولایت تو مقبولیت کا نام ہے۔ اس کو تو کوئی سلب نہیں

کر سکتا۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ ہر فن کے ساتھ ہر شخص کو ایک قسم کی طبعی مناسبت اور ولولہ ہو جاتا ہے اور وہ مناسبت کسی کے تصرفِ فاسد سے جاتی رہتی ہے اور ایک قسم کی غباوت سی طبیعت میں آ جاتی ہے کہ اعمال میں جی نہیں لگتا۔ لیکن اس صورت میں اعمال خارج از اختیار نہیں ہو جاتے بلکہ وہ اسی طرح تحت الاختیار رہتے ہیں اور ایسی حالت میں عمل کرنے سے از روئے شریعت اجزاور زیادہ ہوتا ہے۔ نیز جو امور سلب ہوتے ہیں وہ کیفیاتِ طبعیہ ہیں اور جس کو نسبت کہا جاتا ہے وہ امر مہووب ہے، کیفیتِ طبعی نہیں۔ لہذا وہ کسی کے تصرف سے مسلوب نہیں ہوتی۔ (صفحہ ۱۷۹)

مفاسد کی اصلاح ضروری ہے

ایک سوال کیا گیا کہ عورتوں کے پردے میں رکھنے کی علت تو یہی ہے کہ ان کے خروج سے فتنے کا اندیشہ ہے اور یہ علت جیسی کہ عورتوں میں پائی جاتی ہے، امارد میں بھی پائی جاتی ہے۔ تو اشتراکِ علت سے حکم بھی مشترک ہونا چاہئے۔ پس امارد کے لئے بھی خروج جائز نہ ہونا چاہئے۔ جواب میں فرمایا کہ شریعت کا قاعدہ کلیہ ہے کہ جس امر میں مفاسد مخلوط ہو جائیں، اگر وہ غیر ضروری ہوتا ہے تو خود اس امر ہی کو روک دیا جاتا ہے اور اگر وہ ضروری ہوتا ہے تو اس کی ممانعت نہیں کی جاتی بلکہ مفاسد کی اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے تو عورتوں کا خروج چونکہ غیر ضروری تھا اس لئے بوجہ ترتب مفاسد کے اسی کو روک دیا گیا۔ اور امارد چونکہ چند روز میں رجال ہونے والے ہیں اور ان کے لئے کمالاتِ واجبۃ التحصیل علی الرجال کا حاصل کرنا ضروری ہے اور وہ عادتاً بدون خروج ممکن نہیں اس لئے ان کے خروج کو نہیں روکا گیا بلکہ مفاسد مرتبہ کا انسداد انداز و وعید سے کیا گیا۔ (صفحہ ۱۹۸)

وسوسہٴ معصیت، معصیت نہیں

فرمایا کہ وسوسہ سے گناہ نہیں ہوتا۔ اس کی پرواہ نہ کرے بلکہ اس کا علاج ہی یہ ہے کہ التفات نہ کیا جائے۔ ہاں اگر وسوسہ سے قصدِ لذت حاصل کرنے لگے یا قلب سے عزم کر لے کہ اگر قدرت ہوتی تو امر شنیع سے باز نہ رہتا تو معصیت ہے۔ غرضیکہ جو شے اختیار

سے باہر ہے اس پر مواخذہ نہیں اور جو اختیار میں ہے اس پر مواخذہ بھی ہے۔ (صفحہ ۲۲۷)

قرب کرامت سے نہیں طاعت سے بڑھتا ہے

فرمایا کہ جو شخص ذکر شاغل ہو اور اس سے کشف و کرامت کا صدور بھی ہوتا ہو میں اس سے کہتا ہوں کہ کرامت یا کشف کے بعد قلب کی طرف متوجہ ہو کر دیکھے کہ وجدانی طور پر قرب خداوندی میں اس وقت کچھ زیادتی معلوم ہوتی ہے یا ایک بار سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہے اور پھر دیکھے کہ کس قدر قرب خداوندی زیادہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ واللہ قرب خداوندی ذکر اللہ کے بعد زیادہ محسوس ہوگا بہ نسبت اس حالت کے کہ کسی خرق عادت کا ظہور ہو کیونکہ خرق عادت کا صدور کوئی طاعت نہیں اور ذکر اللہ طاعت ہے اور قرب طاعت سے بڑھتا ہے۔ (صفحہ ۲۲۹)

ڈاڑھی کے انکار سے ایمان چلے جانے کا اندیشہ ہے

فرمایا کہ میں نے ایک بار ڈاڑھی منڈوں کے مجمع میں وعظ کیا اور کہا کہ یہ تو آپ لوگوں سے امید نہیں کہ میرے کہنے سے ڈاڑھی منڈا نا چھوڑ دیں گے لیکن کم سے کم آپ لوگ اس فعل کو شرعاً ممنوع اور ناجائز تو سمجھا کریں اور یہ ایمان کی بات ہے اور اس سمجھنے کے بعد بھی جو آپ کا مقصود ڈاڑھی منڈانے سے ہے یعنی زینت اس میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا البتہ منڈانے کا گناہ ہوگا لیکن حکم شرعی کے انکار سے تو بچے رہیں گے جس سے ایمان جانے کا خوف ہے۔ (صفحہ ۲۳۲)

مجذوب کی صحبت سے فائدہ نہیں ہوتا

فرمایا کہ مجذوبوں کی صحبت سے بچنا چاہئے کیونکہ ان سے دین کا نفع تو ہوتا ہی نہیں دنیا کا نفع بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ دعا نہیں کیا کرتے بلکہ ان کا کشف بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے وہ انہیں معلوم ہو جاتا ہے۔ وہی وہ کہہ دیتے ہیں اور جہاں ہونے والا نہیں ہوتا نہیں کہتے اور دعا کو وہ بے ادبی سمجھتے ہیں کیونکہ جب حاکم بتلا دے کہ ہم یوں کریں گے تو پھر اس کے خلاف کی درخواست کرنا اور سفارش کرنا بے ادبی سے خالی نہیں۔ یہ مجذوب

اگر مہربان ہوتے ہیں تو اپنے جیسا بنانے کی کوشش کرتے ہیں، تب بھی ضرر ہے کیونکہ یہ کچھ اعلیٰ حالت نہیں ہوتی۔ دماغ ان کا ماؤف ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جنون میں دماغ مرض سے ماؤف ہو جاتا ہے اور ان کا دماغ کسی وارد قوی کے اثر سے جس کا وہ تحمل نہیں کر سکے۔ اسی لئے وہ شرعاً مکلف نہیں ہوتے، مجنوں کی طرح مرفوع القلم ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۲۳۶)

بضرورت و مصلحت احسان بیان کرنا جائز ہے

ایک صاحب نے کہا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ میں انصار پر احسان بتلایا۔ ارشاد فرمایا کہ بضرورت و مصلحت احسانات بیان کرنا جائز ہے جیسے طالب علم سے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے ساتھ محنت کی، تمہیں پڑھایا لیکن پھر بھی تم بے تو جہی کرتے ہو اور اس جتلانے سے تنبیہ مقصود ہوتی ہے۔ الغرض جہاں خود جتنا اور مخاطب پر طعن کرنا، تحقیر کرنا مقصود ہو وہاں ناجائز ہے اور جہاں بیان کرنے میں کوئی مصلحت ہو جائز ہے۔ (صفحہ ۲۳۳)

ہر بات میں دلیل کا مطالبہ کرنا غلط ہے

فرمایا کہ ہر عمل کا اعتبار اعتماد پر ہوتا ہے۔ مثلاً باورچی نے کھانا سامنے لا کر رکھ دیا۔ اب صرف اس کے اعتماد پر کھانا کھالیا جاتا ہے حالانکہ اس میں بھی یہ احتمال ہے کہ کہیں زہر نہ ملا دیا ہو (چنانچہ بعض وقت ایسا ہوتا بھی ہے) اب دیکھئے یہاں پر زہر ملانے کے احتمال کا خیال نہیں کیا جاتا۔ علیٰ ہذا تاجر لوگ کروڑوں روپیہ کی تجارت صرف ملازمین کے اعتماد پر کرتے ہیں حالانکہ بعض اوقات ملازم لوگ بہت سامان غبن کر ڈالتے ہیں۔ اسی طرح بادشاہوں کا بھی سارا کام نوکر چاکر ہی کے ذریعہ چلتا ہے۔ اسی طرح دین کا بھی کل کام اعتماد پر ہوتا ہے مثلاً قرآن مجید کو قرآن مجید ماننا علماء کے اعتماد پر ہے اور اس زمانہ کے علماء کو اپنے سے اگلے علماء پر، پھر ان کو صحابہ کرام پر، ان کو رسول اللہ ﷺ پر۔ پس ثابت ہوا کہ کل کام خواہ دین کا ہو یا دنیا، سب کا دار و مدار اعتماد ہی پر ہے۔ اب عوام کو ہر امر دین میں دلیل تلاش کرنا غلطی عظیم ہے۔ (صفحہ ۲۵۵)

منتہی کو بھی میلان الی المعصیہ ہوتا ہے

فرمایا کہ کبھی منتہی کو بھی میلان الی المعصیہ ہوتا ہے اور یہ نقص نہیں ہے مگر اس کے مقتضاء پر عمل نہ کرنا چاہئے اور مبتدی اور منتہی میں فرق یہ ہے کہ جیسا کہ ایک شائستہ گھوڑا اور ایک شریر گھوڑا۔ شائستہ گھوڑا بھی شرارت کرتا ہے مگر وہ ذرا سی تنبیہ پر رک جاتا ہے بخلاف شریر کے کہ اس کو زیادہ تنبیہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ (صفحہ ۲۵۸)

محرمات شرعیہ کی مثال شاہی اشیاء کی ہے

فرمایا کہ محرمات شرعیہ کی مثال مثل بادشاہی چیزوں کے ہے مثلاً بادشاہ نے یہ فرمایا کہ ان چیزوں کو ہاتھ مت لگاؤ تو بس جن چیزوں کے چھونے سے منع کیا ہے ان کو ہرگز نہ چھونا چاہئے۔ اگرچہ کل چیزیں بادشاہ کی ہیں مگر ممانعت کی وجہ سے ان کو چھونا ہرگز درست نہ ہوگا اور اگر بلا اجازت چھولے گا تو مجرم قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مثل بادشاہ کے ہیں اور ہم لوگ مثل غلام کے۔ پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے اجنبی عورتوں کے دیکھنے، کلام کرنے سے منع فرمادیا ہے تو ان عورتوں کو برا سمجھنا ضروری نہیں، وہ مثل شاہی چیزوں کے اچھی بھی ہوں تب بھی بوجہ منع کے ہم کو چاہئے کہ ہرگز ان سے کلام نہ کریں اور نہ ان کو دیکھیں بلکہ بیعت کے وقت بھی ان سے ہاتھ نہ لگائیں، صرف زبانی بیعت کر لیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ممانعت اس لئے ہے کہ کہیں ناجائز فعل نہ ہو جائے اور مجھ کو اطمینان ہے کہ مجھ سے کوئی فعل ناجائز نہ ہوگا تو پس ایسی حالت میں کلام کرنا درست ہے تو یہ بھی ہرگز جائز نہیں ہو سکتا اور یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ اس میں رفتہ رفتہ تشق و محبت بڑھ جاوے گا۔ پھر اپنی طبیعت قابو میں نہ رہے گی اور بوسہ و کنار وغیرہ بھی سرزد ہو جائے گا جو کہ حرام ہے۔ لہذا ہم لوگوں کو چاہئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہے اس کے پاس ہرگز نہ پھٹکیں ورنہ خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ (صفحہ ۲۶۲)

کھانا رغبت سے کھانا چاہئے

فرمایا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ کھانا جلدی جلدی کھایا کرو اس کی وجہ یہ ہے کہ

جلدی جلدی کھانے میں رغبت معلوم ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ کھانے میں بے رغبتی معلوم ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا عطیہ بے رغبتی سے کھانا بہت بڑی بے ادبی کی بات ہے۔ (صفحہ ۲۶۳)

دعا کا دیر سے قبول ہونا مبنی بر حکمت ہے

فرمایا کہ بعض وقت دعا کا قبول نہ ہونا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ قبول ہونے سے کیونکہ بعض وقت دیر اسی واسطے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا رونا گڑ گڑانا پسند ہوتا ہے اس لئے دیر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی مثال دنیا میں بھی موجود ہے۔ وہ یہ کہ بعض وقت ہم لوگ اپنے گھر والوں کے واسطے کوئی چیز لاتے ہیں تو جس سے کہ کم تعلق ہوتا ہے اس کو فوراً دے دیتے ہیں اور جس سے زیادہ تعلق ہوتا ہے اس کو خوب دق کر کے دیتے ہیں۔ مثلاً لڑکوں کو خوب دق کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ لو، پھر جب وہ لینے چلتا ہے فوراً ہاتھ کو ہٹا لیتے ہیں۔ کبھی اس شے کو طاق میں رکھ دیتے ہیں، کبھی کچھ دے کر چھین لیتے ہیں۔ غرضیکہ دق کر کے جب دیتے ہیں تاکہ اس کا تماشہ دیکھیں۔ اگر فوراً دے دیں تو پھر تماشہ کس طرح دیکھنے میں آئے۔ اسی طرح بعض وقت اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے بعض بندوں کا رونا چلانا اچھا معلوم ہوتا ہے اس لئے قبولیت دعا میں دیر ہوتی ہے۔ (صفحہ ۲۶۴)

عاشق نامراد ہوتا ہے

فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا کہ بھائی میرے پاس نامرادی ہے۔ جہاں مراد ہو وہاں تم کو جانا چاہئے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ نامرادی سے حضرت حاجی صاحب کا کیا مطلب ہے؟ آخر خود ہی خلوت میں مجھ سے بیان فرمایا کہ نامرادی سے مراد عشق ہے۔ عاشق کبھی اپنی مراد کو نہیں پہنچتا کیونکہ مقصود نہ پا کر آگے طلب میں اور ترقی ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے۔ (صفحہ ۲۶۷)

تعلق مع اللہ کے تین درجے ہیں

فرمایا کہ تعلق مع اللہ کے تین درجے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور یہ ادنیٰ درجہ کا تعلق ہے۔ اور دوسرا درجہ یہ کہ جو کوئی کام کرے محض خدا کی رضا کے لئے کرے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو خیر اتنا کام کرے کہ کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہ کرے، اس کا کرنا واجب ہے۔ اور یہ اوسط درجہ ہے، اس کو سب کر سکتے ہیں۔ اور تیسرا درجہ یہ کہ ہمہ وقت ذکر اور طاعت میں مصروف رہے اور یہ اعلیٰ درجہ ہے اور مندوب ہے۔ لیکن یہ مندوب اس شخص کے لئے ہے کہ جس سے کوئی حق واجب اس مشغولی میں ترک نہ ہو ورنہ ایسی مشغولی اس کے حق میں ناجائز ہے۔ (صفحہ ۲۷۰)

اطلاع دے کر نہ آنا موجب تکلیف ہے

فرمایا کہ اکثر لوگ مجھے آنے کی اطلاع دیتے ہیں اور موافق اطلاع دینے کے آتے نہیں جس سے مجھ کو کلفت ہوتی ہے۔ اول تو اطلاع ہی دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر آنا ہے تو ویسے ہی چلے آئیں۔ اگر بغیر اطلاع کے آئیں تو کون سی عزت گھٹ جائے گی یا جاہ میں کمی آجائے گی اور اگر کسی مصلحت سے اطلاع ہی دینا ہے تو موافق اطلاع کے آنا چاہئے اور قریب وقت میں اطلاع دینا چاہئے تاکہ بہت پہلے سے دوسرا شخص مقید نہ ہو۔ (صفحہ ۲۷۴)

تعلیم کی بجائے تہذیب زیادہ قابلِ توجہ ہے

فرمایا کہ مجھ کو علم کے پڑھانے لکھانے کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں ہے جس قدر تہذیب اخلاق و دیانت پر زیادہ نظر ہے کیونکہ پڑھنے لکھنے کا اہتمام تو ہر جگہ ہوتا ہے لیکن اخلاق کی طرف کسی کو خیال بھی نہیں۔ مثلاً میں اس پر زیادہ نظر نہیں کرتا کہ کس نے جماعت سے نماز پڑھی کس نے نہیں پڑھی کیونکہ اول تو عذر کا احتمال ہے دوسرے اس میں صرف فاعل کا حرج ہے، کسی دوسرے کو اذیت نہیں بخلاف اس کے کہ کسی سے کوئی حرکت خلاف تہذیب سرزد ہو۔ اس کا اس لئے اچھی طرح تدارک کیا جاتا ہے کہ اس میں اوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ (صفحہ ۲۷۵)

ذاتی مطالعہ سے علم حاصل کرنے والا خود رو درخت کی مانند ہے

فرمایا کہ درخت خود رو کہیں ٹھیک نہیں ہوتا۔ ناہموار اور بعض اوقات بدمزہ ہوتا ہے جب تک باغبان اسے درست نہ کرے، کانٹ چھانٹ نہ کرے، قلم نہ لگاوے۔ ایسے ہی وہ شخص جو شیخ کی خدمت میں نہ رہے اور خود ہی مطالعہ کتب کر کے فاضل اور شیخ بننا چاہے اس کی مثال بعینہ درخت خود رو کی سی ہے۔ جب تک اسے شیخ درست نہ کرے تب تک ٹھیک نہیں ہوتا بلکہ بد دین اور بد عقائد پابداً خلاق ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۲۸۵)

بعض کے لئے ذکر و شغل کی پابندی نہ ہونے میں مصلحت ہوتی ہے

ایک شخص کہنے لگے کہ مجھ سے وظائف اور اورداد و اذکار و اشغال کی پابندی باوجود اہتمام کے نہیں ہوتی جس کی وجہ سے قلب از حد متأسف ہوتا ہے۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ آپ اس کے زیادہ درپے نہ ہوں کیونکہ یہ خود ایک مستقل شغل ہو جاوے گا جو حجاب ہے۔ باقی رہی کوتاہی تو استغفار اس کے تدارک کے لئے کافی ہے اور بعض مرتبہ اس کوتاہی اور عدم پابندی میں بھی مختلف مصلحتیں ہوتی ہیں۔ طبیعتیں مختلف ہیں اور اللہ عز و جل ہر شخص کی طبیعت کو خوب پہچانتے ہیں۔ بعض طبیعتیں فطری طور پر ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں پابندی ہونے سے تین خرابیاں ہو جاتی ہیں۔ اول تو عجب یعنی ہم ہر وقت کام کرتے ہیں، کبھی ناغم نہیں ہوتا۔ دوم اگر ثمرات مرتب ہوں تو اپنے آپ کو ان کا مستحق سمجھنا یعنی کہنا کہ کیوں نہ ملے، ہم تو اس کے مستحق ہی ہیں، ہمیشہ اورداد و وظائف وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں۔ سوم عدم ثمرات پر اللہ تعالیٰ کا شکی ہونا کہ ہم اتنی مشقت و محنت و ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں اور ہم کو ثمرات نہیں ملتے تو اگر ایسی طبیعتوں میں پابندی نہ ہو تو بجائے عجب کے تو اضع ہوتی ہے کہ ہم کس لائق ہیں، ہم سے کام تو پورا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اس میں عجز و انکسار آ جاتا ہے اور ثمرات کے مرتب ہونے پر اپنے آپ کو مستحق نہیں سمجھتا بلکہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور عدم ثمرات پر خدا تعالیٰ سے شکی نہیں ہوتا اور یہ سمجھتا ہے کہ میں نے کیا ہی کیا ہے جو ثمرات ملیں۔ پس یہ مصلحتیں ہیں

کو تا ہی میں۔ (اس تقریر دل پذیر سے سائل کی بالکل تسلی ہو گئی) (صفحہ ۲۸۵)

ذکر آہستہ آہستہ اخلاقِ ذمیمہ کو ختم کر دیتا ہے

فرمایا کہ اخلاقِ ذمیمہ کے علاج میں صرف ذکر و شغل کافی ہونے کے لئے میرے دل میں ایک نئی بات آئی ہے جو اس سے پہلے ذہن میں نہ آئی تھی۔ وہ یہ کہ چونکہ ذکر اللہ سے قلب میں ایک قسم کا نور و انشراح و البساط پیدا ہوتا ہے اور معصیت سے ان کے اضداد یعنی ظلمت و کدورت و انقباض اس لئے جب ذکر سے کوئی معصیت سرزد ہوتی ہے تو وہ نور جو ذکر سے حاصل ہوا تھا مبدل بہ ظلمت و کدورت ہو جاتا ہے اور جو حظ اس کو پہلے حاصل تھا وہ زائل ہو جاتا ہے اس لئے اس کو فوراً اس معصیت پر تنبیہ ہو جاتا ہے اور اس سے متنفر ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ تمام معاصی سے نفرت ہو جاتی ہے اور اسی طرح صرف ذکر و شغل ہی اخلاقِ ذمیمہ کے علاج کے لئے کافی ہو جاتا ہے بشرطیکہ تنبیہ کی طرف بھی توجہ ہو اور تنبیہ کے بعد اصلاح کی طرف بھی۔ (صفحہ ۲۹۷)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۴)

نسبت کا مفہوم

فرمایا کہ کثرت ذکر اور دوام طاعت سے جو تعلق خاص ہو جاتا ہے اس کا نام نسبت ہے اور یہ نسبت خاصہ صدورِ معاصی سے زائل ہو جاتی ہے، اگر توبہ نصوح کرے گا پھر عود کر آئے گی۔ (صفحہ ۴۴)

اصلاح معاشرت کا خلاصہ

فرمایا کہ حسن معاشرت کا تعلق چونکہ عباد کی اذیت و راحت سے ہے اس لئے وہ بھی جزوِ شریعت ہے اور اصلاح معاشرت کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کو اذیت نہ پہنچاویے، یعنی اس کی فکر رکھے اور جو اذیت دوسرے کو پہنچتی ہے اس کا سبب ہمیشہ بے فکری ہی ہوتی ہے اور بعض اوقات بے عقلی سے بھی ایسے امور صادر ہو جاتے ہیں مگر فکر کرتا رہے تو غلطیاں کم ہوں گی کما بھی اور کیفاً بھی اور ظاہر ہے کہ فکر اختیاری چیز ہے پس اس کے ترک کرنے پر ملامت کرنا عین اصلاح ہے۔ (صفحہ ۴۹)

ادب کی حقیقت و برکت

فرمایا کہ ادب کی حقیقت راحت رسانی ہے۔ حتیٰ کہ اگر تعظیم سے راحت ہو تو تعظیم ادب ہے اور اگر ترک تعظیم سے راحت ہو تو ترک تعظیم ادب ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ادب سے علوم بڑھتے ہیں۔ (صفحہ ۵۱)

اہل اللہ کے ادب کی برکات

فرمایا کہ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ اہل اللہ کا ادب کرنے سے علوم باطنہ بڑھتے ہیں کیونکہ ان کا ادب درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کا ہی ادب ہے اور علوم باطنہ کے بڑھنے سے علوم ظاہری بھی بڑھ جاتے ہیں۔ (صفحہ ۵۱)

اپنے اندر دو چیزوں کے پیدا کرنے کی ضرورت

فرمایا کہ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے اندر دو چیزیں کسی بزرگ کی خدمت میں رہ کر پیدا کر لے۔ اس کے بعد جو بھی خدمتِ اسلام کرے گا وہ مکمل ہوگی۔ ایک محبت اللہ تعالیٰ کی اور دوم خوف خشیت اللہ تعالیٰ کی۔ بس دونوں کے مجموعہ سے عمل مکمل ہو جائے گا۔ (صفحہ ۵۲)

سامعین کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے

فرمایا کہ اگر سامع صاحبِ انوار ہے تو متکلم کے قلب پر اس کے انوار منعکس ہو کر اس کا کلام منور ہو جاتا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سامعین کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ اگر مجلس میں طالبِ حق موجود ہو تو متکلم پر بسط ہوتا ہے اور اگر مجلس میں منکر وجود ہو تو اس سے قبض ہوتا ہے جیسے بچہ طالبِ شیر ہے تو ماں کا یہ احسان بیشک ہے کہ بچے کو دودھ دیتی ہے مگر دودھ بھی تو بچے ہی کے وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اسی واسطے اہلِ سماع نے شرط لگائی ہے کہ مجلس میں کوئی نااہل نہ ہو۔ (صفحہ ۵۵)

اتفاق کی جرّ

فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اتفاق کی جرّ تواضع ہے۔ اس لئے تکبر والوں میں کبھی اتفاق نہ ہو سکے گا۔ ہر شخص اپنی بات بڑھانا چاہے گا۔ اگر اتفاق کرنا ہو تو پہلے تواضع سکھلاؤ۔ پھر اتفاق ہو سکے گا۔ (صفحہ ۵۵)

اتفاق کی تدبیر

فرمایا کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۳) میں محض فائدہ جمیعاً نہیں ہے بلکہ بحبل اللہ محض فائدہ ہے اس لئے براہِ راست اتفاق کے لئے فریقین کو کہنا فضول ہے بلکہ دونوں کو حق پر جمع کرنا کہ اعتصام بحبل اللہ ہے، یہ اتفاق کی تدبیر ہے۔ یعنی اول سچے جھوٹے کی

تحقیق کر کے جھوٹے کو حق کی طرف لایا جاوے اور حق والے کو کچھ نہ کہا جاوے، یہ

اجتماع خاص مقصود ہے نہ کہ مطلق اجتماع۔ (صفحہ ۵۶)

تمام شبہات و وساوس کا علاج

فرمایا کہ محبت و خشیت تمام شبہات و وساوس کا مانع ہے۔ جس کی محبت یا جس کی عظمت دل میں ہوتی ہے اس کے احکام میں شبہات پیدا نہیں ہوتے اور اس زمانہ میں ضعف طبائع کے سبب خشیت کی نسبت محبت زیادہ نافع ہے۔ پس حق تعالیٰ کی محبت پیدا کرنا چاہئے اور اس کا سہل طریق یہ ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کی جاوے۔ (صفحہ ۵۶)

ایک شعبہ تکبر

فرمایا کہ تکبر کے عدم کا اگر خیال آوے کہ میں تکبر نہیں کرتا تو وہ بھی شعبہ تکبر ہے کیونکہ چہرہ کبھی یہ خیال نہیں کرے گا کہ میں شیخی نہیں بگھارتا۔ (صفحہ ۶۰)

بیمار اور تندرست کے لئے وصول و قرب کا الگ الگ طریقہ

فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے اپنی بیماری کی شکایت کی اور کہا کہ مجھے اس کا افسوس اور قلق ہے کہ میں بیماری کی وجہ سے حرم شریف میں نماز پڑھنے سے محروم رہا۔ اس پر حضرت حاجی صاحب نے حاضرین سے فرمایا کہ اگر یہ عارف ہوتا تو اتنا قلق نہ کرتا کیونکہ جیسے حرم میں نماز پڑھنا ایک طریق ہے قرب کا، اسی طرح بیمار ہو جانا اور اس پر صبر کی توفیق ہونا یہ بھی ایک طریق ہے قرب کا۔ چنانچہ تندرست کے لئے قرب و وصول کا طریقہ یہ ہے کہ وہ حرم شریف میں جا کر نماز پڑھے اور اسے ایک لاکھ رکعت کا ثواب ہو اور بیمار کے لئے یہ طریقہ ہے کہ وہ بستر مرض پر وہیں نماز پڑھتا رہے اور حسرت و قلق کے ساتھ اس پر صبر کر کے ثواب حاصل کرتا رہے۔ پس بندہ کو کوئی حق نہیں کہ خود کوئی معین راستہ تجویز کرے کہ میں تو اللہ تعالیٰ تک اسی فلاں خاص راستے سے وصول کو اختیار کروں گا۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا وصول، صبر و حسرت و قلق کے طریقہ سے منظور ہو۔ (صفحہ ۶۵)

ذکر ریائی کی مثال

فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا قول نقل فرمایا کہ کسی نے ان سے کہا کہ فلاں شخص ریاء سے ذکر کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم تو اتنا بھی نہیں کرتے۔ قیامت کے روز اس کے لئے یہی ذکر ٹمٹماتا ہوا چراغ بن کر رہبری کرے گا اور تم تاریکی ہی میں رہ جاؤ گے۔ اور حضرت حاجی صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ریاء اول اول ریاء ہوتی ہے۔ پھر عادت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد عبادت ہو جاتی ہے۔ (صفحہ ۸۱)

اللہ تعالیٰ سے ریاء

فرمایا کہ نفس بعض اوقات اللہ تعالیٰ سے بھی ریاء کرتا ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ اولاً تو لوگوں کے سامنے مثلاً لمبی نماز پڑھتا ہے اور خلوت میں چھوٹی۔ پھر اس ریاء کے الزام سے بچنے کے لئے خلوت میں بھی لمبی نماز اس نیت سے پڑھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں نہ فرماویں کہ لوگوں کے سامنے تو لمبی نماز پڑھتا ہے اور ہمارے سامنے چھوٹی اور اصل مقصود لوگوں ہی کے سامنے طویل نماز پڑھنا ہوتا ہے۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ سے ریاء کرنے لگتا ہے۔ (صفحہ ۸۱)

بلا وجہ شبہ ریاء کا نتیجہ

فرمایا کہ بعض اوقات بلا وجہ ریاء کے شبہ میں مبتلا ہو کر عمل سے محروم ہو جاتا ہے۔ علاج یہ ہے کہ نہ اپنے عمل سے حسنِ ظن رکھے اور نہ عمل میں ایسی دقیق کوتاہی کی تفتیش کرے۔ بس عمل کر کے اللہم اغفر لی کہہ کر آگے چل دے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ راستہ چلتے چلتے کچھ لگا، وہاں اس کی تحقیق و تفتیش نہ کرے کی کیسی کچھڑ ہے، وہاں پانی ڈالتا چلا جاوے۔ وقت ضائع نہ کرے۔ اسی طرح یہاں استغفار کا پانی ڈالے اور چل دے۔ حدیث پاک میں ہے کہ من شاق شاق اللہ علیہ (ترجمہ: جس شخص نے از خود مشقت اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کو مشقت میں مبتلا فرمادیتے ہیں) پھر یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ مشقت کے بعد بھی تو بڑے سے بڑے درجہ کا عمل ناقص ہی رہے گا۔ پھر تکمیل کی خواہش کرنا اس امر کی دلیل ہے

کہ یہ شخص ایک ایسے درجہ کا منتظر ہے جس میں بالکل ہی نقص نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر مکمل بھی ناقص ہے۔ جو ناقص کو قبول کرتا ہے وہ دوسرے ناقص کو بھی تو قبول کر سکتا ہے۔ اسی واسطے ہم تعلیم فضائل میں زیادہ کاوش نہیں کرتے۔ (صفحہ ۸۲)

خلوت میں کیا نیت کرے

فرمایا کہ اگر کوئی خلوت میں رہنا چاہے تو یہ قصد کرے کہ لوگ میرے شر سے بچیں گے، یہ قصد نہ ہو کہ میں لوگوں کے شر سے بچوں گا بلکہ اپنے عیوب پر نظر کر کے یہ نیت کرے۔ (صفحہ ۱۳۰)

نعماء اور مصائب کب علامتِ خیر ہیں

فرمایا کہ نعماء میں توفیقِ شکر ہو تو علامت اس کی ہے کہ نعماء اس کے حق میں خیر ہیں اور مصائب میں خیر کی توفیق ہو تو یہ بھی اس کی علامت ہے کہ یہ اس کے حق میں خیر ہیں اور اگر جزع فزع ہو، شکوہ شکایت ہو تو اس کا نشان ہیں کہ اس کے حق میں خیر نہیں ہیں۔ (صفحہ ۱۳۱)

مرید کس شخص کو کرنا چاہئے

فرمایا کہ امراء کو مرید کرنا بیکار ہے کیونکہ مرید ایسے شخص کو کرے جس کو کم از کم یہ تو کہہ سکے کہ تیری یہ حرکت بڑی نالائق ہے یا تو نالائق ہے۔ امراء کو اس کہنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔ (صفحہ ۱۳۲)

برکتِ علم کی شرائط

فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علم کے حصول میں اس کو بھی بہت دخل ہے کہ استاد کا ادب کرے نیز تقویٰ اختیار کرے۔ بدون اس کے برکت نہیں ہوتی۔ (صفحہ ۱۳۸)

موت بھی نعمت ہے

فرمایا کہ موت بھی نعمت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو لوگ اس کی دعا کرتے۔ انسان کا طبعی تقاضہ ہے کہ ایک حالت پر قناعت نہ کرے۔ امراء کو عمدہ عمدہ کھانے میں چین نہیں آتا چنانچہ

چنے کا ساگ دال طلب کرتے ہیں۔ البتہ موت عقلاً اس لئے گراں ہے کہ جب اعمال درست نہیں تو آگے چل کر وہاں گرفت ہوگی تو اس وحشت کا علاج یہ ہے کہ اعمال کی اصلاح کرو۔ گو اعمال کی اصلاح کے بعد بھی احتمال مواخذہ کا ہوتا ہے مگر پھر بھی اس میں خاصیت ہے کہ ایک گونہ اطمینان ہو جاتا ہے اور نور بھی حاصل ہوتا ہے اور بلا اعمال کے نور نہیں ہوتا بلکہ ظلمت ہوتی ہے۔ جیسے تخم ڈال کر اطمینان ہو جاتا ہے کہ ان شاء اللہ کھیت پیدا ہوگا گو خطرہ بھی ہوتا ہے کہ شاید کچھ نہ ہو اور بلا تخم ڈالے تو خطرہ ہی خطرہ ہوتا ہے۔ اطمینان بالکل نہیں ہوتا۔ اس حالت میں امید کرنا نرمی و رغور ہے۔ ابن قیمؒ نے اس حدیث کے کہ موت ایسے وقت آئے جب حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ہو کہ یہ معنی بتلائے ہیں کہ اعمال کی اصلاح کرو، حقوق ادا کرو کیونکہ عادتاً حسن ظن بدون اصلاح اعمال کے نہیں ہوتا۔ یہ بہت عمدہ تفسیر ہے۔ (صفحہ ۱۷۳)

غصہ میں کسی کو مارنا مناسب نہیں

فرمایا کہ بہتر ہے کہ غصہ میں کسی کو نہ مارے۔ نہ اولاد کو نہ شاگرد کو بلکہ غصہ کے وقت اس کو سامنے سے دور کر دے یا خود چلا جاوے۔ پھر جب غصہ ختم ہو جاوے تو تین مرتبہ سوچ کر پھر مناسب سزا دے۔ (صفحہ ۱۸۴)

کبر کا علاج

فرمایا کہ اپنے آپ کو افضل خیال کرنے کے واسطے جو مقدمہ ہے کبر کا، یہی کافی ہے کہ دوسرے کی فضیلت کا اس کے اعتقاد میں احتمال ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ دوسرے کی افضلیت کا یقین کرے کیونکہ اس یقین کی بھی تو کوئی دلیل نہیں۔ جس طرح اپنی افضلیت کے یقین پر کوئی دلیل نہیں اور اس کا طریق یہ ہے کہ یہ خیال کرے کہ ممکن ہے کہ اس کے اندر کوئی ایسی صفت محمودہ مخفی ہو جس کی وجہ سے اس کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں اور میرے اندر کوئی ایسا عیب ہو جس کی وجہ سے میری سب نیکیاں غیر مقبول ہوں۔ (صفحہ ۱۸۶)

فرمایا کہ ایک دن مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل تقریر کے ضمن میں فرمایا کہ قیامت میں بعض ایسے لوگ یہاں جن کو تم قطعی کافر جانتے تھے وہاں ان کو نجات ہو جاوے گی کیونکہ دراصل وہ مسلمان تھے مگر ایمان ان کا ایسا ضعیف تھا کہ محسوس نہیں ہوا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بھی بعض کی شفاعت نہ کریں گے مگر ان کو حق تعالیٰ محض اپنی رحمت سے نکال لیں گے۔ سو وہ واقعی میں کافر نہ ہوں گے مگر ان کا ایمان اتنا ضعیف ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام کو بھی باوجود اس کے کہ ان کا علم بہت بڑا ہوگا، ان کے ایمان کا پتہ نہ لگے گا اور یہ ظاہر ہے کہ وہ کافر نہ ہوں گے ورنہ ان کو نجات کیسے ہوتی۔ بھلا ایسی حالت میں کوئی کسی کو کیا کہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ

اپنے ایک پڑوسی بننے کو خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں پھر رہا ہے۔ مولانا نے دریافت کیا تو اس نے بیان کیا کہ میں نے مرتے وقت کلمہ پڑھ لیا تھا، وہ قبول ہو گیا۔ پھر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حقیقت تو یہ ہے مگر انتظاماً اگر ضرورت شرعی کے سبب کسی کو کافر کہہ دے اس کی اجازت ہے۔ (صفحہ ۱۹۵)

دین کے واسطے دواماً بغض فی اللہ جائز ہے

فرمایا کہ یہ جو حدیث میں ہے کہ تین روز سے زیادہ کسی سے قطع تعلق نہ کرے یہ مطلقاً نہیں۔ اگر فساق سے بوجہ فسق کے احتراز کرے تو کوئی حرج نہیں یعنی دین کے واسطے دواماً بھی بغض فی اللہ جائز ہے۔ البتہ دنیاوی معاملات میں کسی سے رنجش رکھنا اس کے لئے تین دن حد ہیں اور یہ اگر احتراز و قار کے واسطے ہو کہ کسی سے تعلق رکھنا نشان کے خلاف ہے تو اس میں کبر کا شائبہ ہے۔ باقی رہی حفاظت و قار کی سوجب خشیت پیدا ہو جاتی ہے تو غیب سے خود بخود قار پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرے، ہر چیز اس سے ڈرتی ہے۔ (صفحہ ۲۰۸)

قلندر کسے کہتے ہیں

فرمایا کہ جو فضائل اعمال میں تو مختصر پر اکتفاء کرے اور معاصی سے احتراز کا بہت زیادہ اہتمام رکھے ایسا شخص تصوف کی اصطلاح میں قلندر کہلاتا ہے۔ قلندر وہ نہیں ہے کہ ڈاڑھی منڈاوے، سر گھوٹاوے۔ قلندر مختصر اعمال پر اکتفاء کرتے ہیں اور اخفاء و اظہار سے انہیں بحث نہیں، دونوں ان کے لئے مساوی ہیں اور جو شخص اخفاء اعمال کا خاص اہتمام کرے وہ ملامتی کہلاتا ہے۔ یہ اصطلاح ہے صوفیہ کی۔ تکشف میں حدیث سے میں نے دونوں کو ثابت کیا ہے۔ (صفحہ ۲۱۲)

رضا بالقضاء میں نفع

فرمایا کہ اہل اللہ کو تکلیف میں سراسر فائدہ ہی نظر آتا ہے۔ آپریشن میں اس شخص کو تکلیف ہوتی ہے جس کو صحت کا مشاہدہ نہیں ہوتا اور جو آپریشن میں بین طور پر تندرستی دیکھتے

ہیں ان کو تکلیف کیسی۔ آگے دو درجے ہیں۔ ایک صبر جس میں برداشت کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے رضاء جس میں خوشی کا شائبہ ہے۔ اسی وجہ سے صبر کے درجہ سے رضاء کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ (صفحہ ۲۴۳)

خاتمہ ایمان پہ ہونے پر دار و مدار ہے

فرمایا کہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں تشریف لے جا رہے تھے اور ایک عابدان کے ہمراہ تھا۔ راہ میں ایک فاسق بدکار نے دیکھا تو نہایت حسرت اور زاری کے ساتھ کہا کہ اے اللہ میرے گناہ معاف کر دے اور آخرت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ نصیب کر اور ساتھ ہو لیا۔ زاہد نے جو دیکھا تو غصہ ہو کر کہا کہ تو ہمارے ساتھ کیوں ہو گیا اور دعا کی کہ اے خدا اس کا میرا ساتھ آخرت میں نہ کیجیو۔ خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ان سے کہہ دیا جاوے کہ ہم نے دونوں کی دعا قبول کی۔ فاسق کے تو گناہ معاف کر دیئے اور اس کو جنتی کر دیا اور عابد کو اس کے ساتھ نہ رکھا جاوے گا اور وہ دوزخ میں جاوے گا۔ تو صاحب کیا کسی کو حقیر سمجھے۔ خاتمہ پر دار و مدار ہے۔ اللہ تعالیٰ انجام بخیر کرے۔ آمین (صفحہ ۲۶۰)

رفع پریشانی کی تدبیر

فرمایا کہ ایک صاحب نے تحریر کیا ہے کہ میرا لڑکا آوارہ ہو گیا ہے۔ مجھ کو اس کی بہت پریشانی ہے۔ کیا تدبیر کروں۔ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ تدبیر تو کرو مگر اس پر ترتب ثمرہ کا انتظار نہ کرو۔ رفع پریشانی کی تدبیر بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ تدبیر تو کرتا رہے مگر ترتب ثمرہ کی فکر چھوڑ دے۔ یہ جواب نصوص کے مطابق ہے۔ کوئی عجیب آزاد مشرب ہوتا تو لکھتا کہ تدبیر ہی چھوڑ دو مگر یہ حق شفقت کے خلاف ہے۔ باقی رہی فکر ثمرہ سو بات یہ ہے کہ اگر محبوب حقیقی سے دل لگ جاوے تو ایسی سب فکریں آپ سے آپ چھوٹ جاویں۔ (صفحہ ۲۶۵)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۵)

کسی کو اپنے قول و فعل سے اذیت نہ پہنچے

فرمایا کہ اس کا بہت اہتمام ہونا چاہئے کہ کسی کے قلب کو اپنے قول و فعل سے کسی قسم کی گرائی اور اذیت نہ پہنچے۔ یہ آدھا سلوک ہے۔ اس میں محض دنیوی منافع نہیں بلکہ برکات ہوتی ہیں۔ خلق اللہ کو نفع پہنچانا بڑی نفع کی چیز ہے لیکن اگر نفع نہ پہنچا سکے تو کم از کم تکلیف تو نہ دے۔ (صفحہ ۴۰)

عنوان کا بڑا اثر ہوتا ہے

فرمایا کہ عنوان کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ایک بادشاہ نے خواب دیکھا تھا کہ اس کے سارے دانت گر گئے۔ ایک معبر سے تعبیر پوچھی۔ اس نے کہا کہ آپ کے سارے خاندان والے آپ کے سامنے مرجائیں گے۔ بادشاہ خفا ہوا اور اس کو جیل بھیج دیا۔ پھر دوسرے معبر سے پوچھا۔ تعبیر تو یہی تھی مگر اس نے عنوان بدل دیا اور کہا کہ حضور کی عمر سارے خاندان سے زیادہ ہوگی۔ اس کو انعام اور خلعت ملی۔ خود بادشاہ نے کہا کہ مطلب تو ایک ہی ہے مگر اس کے عنوان سے دل دکھا اور اس کے عنوان سے جی خوش ہوا۔ (صفحہ ۵۶)

دو جامع باتیں

فرمایا کہ دو باتیں ایسی جامع ہیں کہ اگر آدمی ان کو اختیار کرے تو کہیں گمراہ نہیں ہو سکتا۔ ایک تو یہ ہے کہ اپنی رائے کو فنا کر دے اور دوسری یہ ہے کہ ثمرات کا طالب نہ ہو۔ جو کچھ شیخ تجویز کر دے اس پر عمل کرتا رہے۔ اس لئے کہ اپنے اعمال کو کچھ سمجھتا ہے جب ہی تو ثمرات کا منتظر ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی نیک عمل کی توفیق ہو جانا یہ کیا تھوڑی دولت ہے۔ (صفحہ ۱۰۵)

اعمال شریعت کی مثال

فرمایا کہ آج کل لوگ عبادت کو مشقت سمجھتے ہیں۔ کہنے کی تو بات نہیں ہے، واللہ عبادت میں ذرا مشقت نہیں ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص نے لنگر جاری کر دیا ہے اور اس میں قسم قسم کے کھانے ہیں۔ اب فرمائیے کہیں کھانا کھانے میں بھی مشقت ہوتی ہے۔ غذا تو عین راحت ہے۔ اس کا نام مشقت رکھنا گویا اس کی غذا نیت سے انکار ہے۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ اعمال شریعت مثل روٹی کے ہیں۔ جیسے بچے کو روٹی اولاً بتکلف کھلاتے ہیں اور وہ اول اول انکار کرتا ہے مگر جب چسکا لگ جاتا ہے پھر اس سے ہی پوچھئے کہ یہ مشقت ہے یا رحمت ہے۔ اسی طرح عابد جب عبادت کرتا ہے اول اول توجی چراتا ہے مگر جب اس کے منہ لگ جاتا ہے تو پھر چرا چرا کر کھاتا ہے۔ (صفحہ ۱۱۰)

طریق میں اول روز نفع ہونے کی مثال

فرمایا کہ طریق میں اول روز ہی نفع ہو جاتا ہے مگر خبر نہیں ہوتی جیسے کسی نابالغ کو جاسیداد دے دینا یا اس کا نکاح کر دینا۔ ظاہر ہے کہ مالک تو اسی وقت ہو گیا جب رجسٹری ہو گئی اور نکاح پڑھایا گیا مگر قبل از بلوغ اس کو خبر نہیں ہوئی۔ جب بالغ ہوتا ہے اور خبر ہوتی ہے تب سمجھتا ہے کہ میں کن کن چیزوں کا مالک ہوں۔ ایسے ہی سالک کو اول ہی روز نفع ہو جاتا ہے مگر اس کا احساس نہیں ہوتا اور جب احساس ہوتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ نفع تو فلانے وقت ہو گیا تھا۔ اسے خبر نہیں کہ جس وقت کو یہ بیکار سمجھتا ہے، اس وقت کو بھی اس میں دخل ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ اللہ کا نام لینے کی توفیق ہو گئی۔ (صفحہ ۱۱۱)

حدیث الاعمال بالنیات معاصی سے متعلق نہیں

فرمایا کہ الاعمال بالنیات جو حدیث شریف میں ہے یہ مباحات و طاعات کے متعلق ہے۔ معاصی میں نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر طاعات میں اگر نیت نیک ہوگی تب تو وہ مقبول ہیں۔ اسی طرح مباح میں نیت دین کی ہو تو وہ دین ہو جاتا ہے اور یہ نہیں ہے کہ

معاصی میں نیت نیک کرنے سے وہ معاصی طاعت بن جائے گی۔ (صفحہ ۱۳۵)

آئینہ جمال

فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وسوسہ کا ایک علاج لکھا ہے۔ اللہ اکبر کیا علاج ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو وسواس اور خطرات آئیں اور کسی طرح دفع نہ ہوں تو یوں خیال کرے کہ قلب بھی کیا وسیع دریا خدا نے بنایا ہے کہ جس میں خطرات کی موجیں چلی آرہی ہیں جو منقطع نہیں ہوتیں۔ خدا کی صنعت سے پھر تو سارے خطرات آئینہ جمالِ الہی ہو جائیں گے۔ اب جو خطرہ بھی آئے تو یوں کہہ دو یہ بھی اسی دریا کی موج ہے جو حق تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اب شیطان خود بخود بھاگ جائے گا اور کہے گا کہ میں نے جو طریقہ حجاب اختیار کیا تھا وہ آئینہ جمال ہو گیا۔ (صفحہ ۱۵۵)

مسائل دریافت کرنے میں اجر ملتا ہے

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت جیسے طالب علموں کو طلب علم میں اجر ملتا ہے تو کیا مسائل دریافت کرنے میں بھی اجر ملتا ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ جی ملتا ہے۔ یہ بھی تو طلب علم ہی ہے۔ علم صرف عربی حاصل کرنے کا نام تھوڑا ہی ہے۔ جس بات میں طلب دین ہو وہی طلب علم ہے۔ (صفحہ ۱۶۷)

خلاف شرع امور کی اصلاح شیخ پر فرض ہے

فرمایا کہ اگر کسی مرید میں کوئی بات خلاف شرع ہو اور شیخ اس کی اصلاح نہ کرے تو میرے نزدیک وہ شیخ خائن ہے اور شیخ بنانے کے لائق نہیں۔ جب سانکوں کو شفا نہیں ہوتی تو کیوں ان کا راستہ کھوٹا کرے۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم کس مرض کی دوا ہو۔ جب دوا ہی نہیں کرتے تو لوگوں کو کیوں گمراہ کرتے ہو۔ کیا لوگوں نے امانت صرف اسی کا نام رکھ چھوڑا ہے کہ کسی کا روپیہ پاس رکھ کر واپس کر دیا۔ حالانکہ طالبین اور ذاکرین اپنے کو ہمارے سپرد کر دیتے ہیں۔ اگر ہم ان کی تربیت میں کسی قسم کی

کو تا ہی کریں گے تو کیا ہم خائن نہیں ہوں گے۔ جب ان لوگوں نے اپنا دین و ایمان تمہارے سپرد کر دیا پھر کیوں ان کی اصلاح نہیں کرتے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ایمان میں خیانت کر رہا ہے اور کونسی بات نہیں کر سکتا۔ اور اس کا کیا اعتبار ہے جس کو ایمان کی پرواہ نہ ہو وہ مال میں کیا وفا کرے گا۔ (صفحہ ۱۷۱)

غیر اللہ کی عبادت کرنے کی مثال

فرمایا کہ اہل بدعت اور جملہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کی ایسی مثال ہے جیسے شیطان کی کہ کجخت نے حضرت آدم علیہ السلام کو تو سجدہ بھی نہیں کیا حالانکہ یہ حکم خداوندی تھا اور ان کی اولاد سے زنا اور اغلام کراتا ہے اور عار نہیں آتی۔ اس بے حیائی کا بھی کوئی ٹھکانہ ہے۔ سجدہ کرنے میں تو آپ کو خاک و نار یا د آئے اور پھر اسی خاک کے نیچے آپڑتا ہے۔ اس کا کچھ بھی خیال نہیں۔ اسی طرح اہل دنیا کی حالت ہے کہ خداوند تعالیٰ کے تو خلاف کرتے ہیں اور اس کی ادنیٰ ادنیٰ مخلوق کے سامنے سجدہ کرتے پھرتے ہیں۔ مساجد میں سجدہ کرنے سے عار آتی ہے اور مقابر پر جا کر ناک رگڑتے ہیں۔ بہت سے رئیسوں کو دیکھا ہے کہ وہ مسجد میں آنا اپنی حقارت سمجھتے ہیں اور قبروں کی خاک اپنے منہ کو ملتے ہیں۔ زکوٰۃ دینے میں دم نکلتا ہے اور دُوم میراثی طوائفوں میں خوب خرچ کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ اہل اللہ سے نفرت کرتے ہیں اور شیاطین کا اتباع کرتے ہیں۔ انبیاء پر طعن اور ساحروں پر اطمینان کرتے ہیں۔ بلی سے خوف اور شیر سے بے فکری، خالق سے بے نیازی اور مخلوق کی غلامی کرتے ہیں۔ اور اس پر اپنے کو جنید وقت اور شبلی دوراں سمجھتے ہیں۔ علمائے تصوف کی اصطلاحیں یاد کر لی ہیں اور مطلب خاک نہیں سمجھتے۔ (صفحہ ۱۷۶)

اپنے آپ کو دوسروں سے افضل و احسن سمجھنا حرام ہے

فرمایا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو کسی خاص کمال میں دوسروں سے زیادہ سمجھے یہ جائز ہے اور کبر میں داخل نہیں۔ لیکن دوسروں سے افضل و احسن سمجھے، یہ کبر اور حرام ہے۔ غرض

اکملت کا اعتقاد جائز ہے، افضلیت کا جائز نہیں۔ اور مثال اس کی یہ ہے کہ ایک شخص کی دونوں آنکھیں سالم و بینا ہیں، دوسرے کی ایک آنکھ خراب ہے تو دونوں آنکھوں والا اگر اپنے آپ کو ایک آنکھ والے سے بینائی میں اکمل سمجھے تو کوئی گناہ نہیں۔ ایسے ہی سفید رنگ حسین آدمی سیاہ رنگ بد صورت سے اپنے آپ کو اکمل سمجھے تو وہ معذور ہے۔ ایک شخص جو قرآن کا حافظ ہے، وہ ایک سپارہ کے حافظ سے اپنے آپ کو اکمل سمجھے تو کوئی عیب نہیں۔ ہاں اس سے اپنے آپ کو افضل اور بہتر جانے، یہ کبر اور ناجائز ہے۔ کیونکہ افضل درحقیقت وہ ہے جس کا انجام اچھا ہو اور قبولیت عند اللہ حاصل ہو اور اس کا کسی کو علم نہیں۔ (صفحہ ۱۹۲)

واصل الی المقصود بننے کا طریق

فرمایا کہ گو مجھ سے کوئی بیعت نہ ہو لیکن عقیدت کے ساتھ میری کتابیں لے کر کونے میں بیٹھ جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ واصل الی المقصود ہو جائے گا۔ اسی ضمن میں فرمایا کہ جو طالب کسی بزرگ سے بھی مناسبت نہ رکھتا ہو، اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ کتاب و سنت پر عمل کرتا رہے اور اپنی اصلاح و ہدایت کے لئے بارگاہ الہی میں دعا کرتا رہے۔ ان شاء اللہ وہ بھی واصل الی المقصود ہو جائے گا۔ (صفحہ ۱۹۹)

پابندی دین کی ضرورت

فرمایا کہ جب تک آدمی دین کا پابند نہ ہو، اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس کا کوئی کام حدود کے اندر تو ہوگا نہیں۔ اگر دوستی ہوگی وہ حدود کے باہر، اگر دشمنی ہوگی وہ حدود کے باہر۔ جب حدود ہی نہیں تو ایسا شخص ظاہر ہے کہ سخت خطرناک ہوگا۔ (صفحہ ۲۲۲)

تکبر شعبہ شرک ہے

فرمایا کہ سب سے زیادہ نفرت کی چیز میرے ذہن میں تکبر ہے۔ اتنی نفرت مجھے کسی گناہ سے نہیں جتنی اس سے ہے۔ یوں اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں جیسے زنا، شرب خمر وغیرہ لیکن نفرت طبعی جیسی تکبر سے ہے کسی سے نہیں۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ تکبر شعبہ شرک ہے۔ اپنے کو بڑا

سمجھنا خدا کے بڑے ہوتے ہوئے ایک درجہ کا شرک نہیں تو اور کیا ہے۔ کیونکہ متکبر آدمی بندہ ہوتے ہوئے بھی اپنے لئے وہ صفت ثابت کرتا ہے جو خدا تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ (صفحہ ۲۲۵)

میرے یہاں صرف انسانیت سکھائی جاتی ہے

فرمایا کہ یہاں تو صرف ایک چیز سکھائی جاتی ہے اور وہ انسانیت ہے۔ کوئی بزرگی کو ضروری سمجھ رہا ہے، کوئی علم کو ضروری سمجھ رہا ہے، کوئی ولایت اور قطبیت اور غوثیت کو ضروری سمجھ رہا ہے۔ میں انسانیت اور آدمیت کو ضروری سمجھتا ہوں۔ آدمی بننا ہو، انسان بننا ہو تو یہاں آئیے۔ دیکھئے کہ وضو نماز کے مقابلہ میں گھٹیا چیز ہے مگر بدون وضو نماز نہیں ہوتی۔ تو میں وضو کراتا ہوں۔ ہر جگہ کا مطلوب جدا ہے۔ یہاں کا مطلوب فنا ہونا ہے اور یہاں اسی کی تعلیم ہے۔ یہاں بقاء کی تعلیم نہیں۔ (صفحہ ۲۲۶)

فضول تحقیقات میں کیا رکھا ہے

فرمایا کہ فضول تحقیقات میں کیا رکھا ہے۔ آدمی کو کام کرنا چاہئے۔ کام کرنے والے کبھی عبث اور فضول چیزوں کو پسند نہیں کرتے۔ اور فضول تحقیق کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی کے یہاں مہمان بن کر جائے اور وہ اس کی تحقیق شروع کر دے کہ کھانا کہاں پکاتا ہے، پکانے والا کون ہے۔ نمک، مرچ، گرم مصالحہ، گھی، آٹا کہاں سے آیا اور کون لایا اور کتنا کتنا آیا؟ چولہے میں اُپلے جلتے ہیں یا لکڑی اور جلتے ہیں تو کیسے؟ دھواں کہاں کو جاتا ہے؟ ارے بندہ خدا تمہیں ان بکھیڑوں سے کیا غرض ہے۔ یہ خط نہیں تو اور کیا ہے کہ مرچ ستارے کی تحقیق میں سرگرداں ہیں۔ اور جن کے بنائے ہوئے ہیں، ان کی کچھ بھی فکر و تلاش نہیں۔ یہ سب غفلت آخرت کے دن کو جھٹلانے کی بدولت ہے۔ (صفحہ ۲۳۳)

مہمانوں اور ملاقاتیوں سے مروت میں اپنا دینی ضرر نہ کیا جائے

فرمایا کہ مہمانوں اور ملنے والوں کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ کر اگر دیکھا جائے کہ اب غیر ضروری باتیں ہونے لگی ہیں تو خواہ بدون حیلہ کے، خواہ کسی حیلہ سے اٹھ جانا چاہئے۔ پھر

اگر وہ مقیم رہیں تو کسی دوسرے جلسہ میں ایسا ہی کرنا چاہئے۔ مروت میں اپنا دینی ضرر گوارا نہ کرنا چاہئے۔ بس شدہ شدہ اسی طرح عادت ہو جائے گی۔ آپ کے نفس کو بھی اور اضیاف (مہمانوں) کو بھی۔ (صفحہ ۲۳۵)

رضا و عبدیت کے قصد کی ضرورت

فرمایا کہ افضل طریقہ یہ ہے کہ تم عبدیت اختیار کرو اور تقدم و فضیلت کا وسوسہ بھی دل میں نہ لاؤ بلکہ اپنے کو سب سے کمتر و بدتر سمجھو۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ طلبِ جاہ عند الحلق تو مذموم ہے ہی، طلبِ جاہ عند الخالق بھی مذموم ہے۔ یعنی اس کی بھی طلب نہ کرو کہ تم خدا کے نزدیک سب سے افضل بن جاؤ بلکہ محض رضا و عبدیت کا قصد کرو۔ یہ تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے اور اس کی میرے ذہن میں مثال آئی ہے جس سے اس مضمون کی بابت پورا شرح صدر ہو گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک معشوق فرض کیجئے کہ جو دنیا بھر کے حسینوں سے بڑھ کر حسین و جمیل ہو اور اس کے مقابلہ میں ایک اس کا عاشق تصور کیجئے جس سے بڑھ کر دنیا بھر میں کوئی بد شکل اور بھونڈی صورت کا نہ ہو۔ یعنی جو اندھا، لجا، گنجا، ناک بھی پچی ہوئی، ہونٹ بھی موٹے موٹے، دانت باہر کو نکلے ہوئے، کالا بھنگ، چچک کے گہرے گہرے داغ چہرہ پر، غرض کوئی عیب نہیں جو اس میں موجود نہ ہو۔ اب ایسا شخص اگر عملِ حب کا کراتا پھرے کہ کسی طرح اس کا حسین و جمیل معشوق خود اس کے اوپر عاشق ہو جائے تو کیا لوگ اس کو پاگل نہ سمجھیں گے اور کیا اس کی اس آرزو کو خللِ دماغ ہی نہ بتلائیں گے۔ اس سے کہیں بڑھ کر تفاوت حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کی شان اور ایک بندہ کی شان میں ہے۔ (صفحہ ۲۴۰)

دو چیزیں طالب کے لئے راہزن ہیں

فرمایا کہ میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں، سب سن لیں۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس طریق میں دو چیزیں طالب کے لئے راہزن اور سم قاتل ہیں۔ ایک تاویل اپنی غلطی کی اور دوسرے اپنے معلم پر اعتراض۔ (صفحہ ۲۴۲)

وضع قطع میں ضرورتِ اعتدال

فرمایا کہ میں نہ تکبر کو پسند کرتا ہوں اور نہ ایسی تواضع کو جس میں ذلت ہو۔ یہاں نہ متکبروں کا گذر ہے اور نہ ایسے متواضع کو جگہ ملتی ہے جو ذلت کا درجہ اختیار کرے یا اس نیت سے تواضع اختیار کرنا کہ جس سے بے نفس ہونے کی شہرت ہو۔ یہ بھی تکبر کا ایک شعبہ ہے۔ ہر چیز میں اعتدال کی ضرورت ہے جس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ نہ ایسی تواضع رکھے کہ کبر کی شکل ہو اور نہ تواضع کی شکل تکلف سے بنائی جائے۔ بس بے تکلفی سے جو فطری عادت ہو اس پر عمل کرے۔ اس میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی۔ نہ کبر نہ مصنوعی تواضع۔ ورنہ جس صورت میں تکلف ہو گا اسی میں حد سے تجاوز ہو جائے گا۔ (صفحہ ۲۴۵)

ترکِ تعلقاتِ غیر ضروریہ میں راحت ہے

فرمایا کہ تعلقاتِ خود ہی فی نفسہ ایسی چیز ہیں کہ ان میں پڑنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ پریشان اور محروم ہی رہتا ہے نہ کہ جب دین کو اس کا ذریعہ بنایا جائے۔ اور میں تعلقاتِ واجبہ اور ضروریہ کو منع نہیں کرتا، تعلقاتِ غیر ضروریہ کو منع کرتا ہوں۔ اور میں وثوق سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی راحت و آرام کی زندگی بسر کرنا چاہے تو میرا مسلک اور مشرب اختیار کرے اور وہ ترکِ تعلقات اور فناء تجویزات ہے یعنی ترکِ تعلقاتِ غیر ضروریہ۔ مگر لوگوں کو چین سے بیٹھے ہوئے خواہ مخواہ ایسی ہی سوچتی ہیں کہ اس سے دوستی کر لی، اس سے سے جان پہچان نکال لی، اس سے سے تعلقات پیدا کر لئے۔ معلوم بھی ہے کہ اس راہ میں یہ چیزیں سخت راہزن ہیں۔ اور فضول اور عبث سے ہمیشہ اجتناب کی ضرورت ہے۔ (صفحہ ۲۴۵)

اعتقاد میں سب کے ساتھ نیک گمان رکھے

فرمایا کہ اعتقاد تو سب کے ساتھ نیک رکھے لیکن معاملہ سب کے ساتھ احتیاط کا رکھے۔ اعتقاد میں بدگمان نہ ہو، معاملہ میں بدگمان ہو۔ مثلاً بلا اطمینانِ کامل کے قرض نہ دے، محرمِ راز نہ بنائے، کوئی خدمت سپرد نہ کرے۔ معاملہ تو ایسا کرے باقی اعتقاد یہی رکھے کہ اللہ

تعالیٰ کے نزدیک یہ مقبول ہے۔ اور یہ جو قول مشہور ہے کہ الحزم سوء الظن وہ بھی معاملہ کے متعلق ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ معاملہ ایسا کرے جیسے کوئی بدگمان معاملہ کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اعتقاد میں بھی بدگمانی ہو۔ اعتقاد کے درجہ میں تو نیک گمان رکھے لیکن معاملہ احتیاط ہی کا کرے۔ گو بعض صوفیوں نے اس قول کے یہ معنی لگائے ہیں کہ الحزم سوء الظن ای بنفسہ یعنی احتیاط یہ ہے کہ اپنے ساتھ سوء الظن رکھے لیکن درحقیقت یہاں سوء الظن بغیرہ ہے اور اس میں وہی تفصیل ہے جو میں نے ابھی بیان کی۔ (صفحہ ۲۴۷)

اہل اللہ کی صحبت فرض عین ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ مناسب اور غیر مناسب کو لئے پھرتے ہیں۔ میں تو اس زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ اس زمانہ میں اہل اللہ اور خاصانِ خدا کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنا فرض عین ہے۔ اس لئے کہ ایمان کی سلامتی کا جو ذریعہ ہوگا اس کے فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے۔ اس تعلق کے بعد بفضلہ تعالیٰ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔ (صفحہ ۲۴۸)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۶)

اللہ تعالیٰ کے خطاب کے لئے القاب و آداب نہ ہونے کی حکمت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اس قدر بڑی شان ہے کہ اگر شاہان دنیا کی طرح اس کے خطاب کے لئے مناسب شان القاب و آداب کی قید ہوتی تو عمریں تمام ہو جاتیں اور ایک بار بھی اس کے نام لینے کی نوبت نہ آتی۔ القاب و آداب ہی کبھی ختم نہ ہوتے، لوگ نام لینے کے لئے ترس جاتے لیکن اللہ اکبر؛ کیا رحمت ہے کہ اپنا نام لینے کے لئے کسی قسم کی قید نہیں لگائی۔ جس وقت اور جس حالت میں جی چاہے اس کا نام لے کر خطاب کر سکتے ہیں، بجز چند خاص موقعوں اور چند خاص حالات کے کہ اس وقت زبان سے ذکر کرنا خلاف ادب ہے، غریب سے لے کر امیر تک اور عابد و زاہد سے لے کر فاسق و فاجر تک ہر شخص کو بے تکلف خطاب کرنے کی اجازت ہے، ورنہ اس کی عظمت و جلال کا مقتضاء تو یہ تھا کہ ہماری زبان اگر سات سمندر کے پانی سے بھی دھوئی جاتی تب اس کا نام لینے کے قابل نہ ہوتی کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

مگر قربان جائیے اس کی رحمت کے کہ اپنا نام لینا بندوں پر کس قدر آسان

فرمادیا۔ (صفحہ ۲۵)

جبر و اختیار کے بارے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعلیم

فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مسئلہ جبر و اختیار کا دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک پیر اٹھا کر کھڑا ہو جا۔ اس نے ایک پیر اٹھا لیا۔ پھر فرمایا کہ دوسرا پیر بھی اٹھا لے۔ بھلا دوسرا پیر کس طرح اٹھ سکتا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت دوسرا پیر تو نہیں اٹھ

سکتا۔ فرمایا کہ بس یہی کیفیت بندہ کے اختیار کی ہے کہ اتنا تو اختیار ہے اور اتنا اختیار نہیں۔ نہ پورا مختار ہے نہ پورا مجبور۔ سبحان اللہ؛ کس خوبی اور آسانی سے اس نازک مسئلہ کو ذہن نشین فرمادیا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علوم کی یہ حالت تھی۔ (صفحہ ۲۸)

جاہل صوفی ارکانِ اسلام کو کچھ نہیں سمجھتے

فرمایا کہ جاہل صوفی نماز، روزہ وغیرہ ارکان کو کچھ نہیں سمجھتے۔ ذکر و شغل ہی کو اصل چیز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصل چیز یہ نماز روزہ ہی ہے۔ ذکر و شغل اسی کی تقویت کے لئے کیا جاتا ہے تاکہ نماز اعلیٰ درجہ کی نماز ہو جاوے اور روزہ اعلیٰ درجہ کا روزہ ہو جاوے۔ یہ اعمال بمنزلہ پودوں کے ہیں اور ذکر و شغل بمنزلہ پانی کے، جس سے پودوں کا نشوونما ہوتا ہے۔ اگر کوئی احمق پودوں کو تو اکھیڑ کر پھینک دے اور خالی زمین میں پانی دیئے جائے تو اس کی سخت حماقت ہے اور بلا پودوں کے پانی دینا ایک فضول حرکت ہے۔ بعینہ یہی حال اس شخص کا ہے جو نماز روزہ کو تو رخصت کرے اور محض ذکر و شغل پر اکتفاء کرے کیونکہ بلا نماز روزہ کے ذکر و شغل محض لا حاصل ہے۔

اسی ذیل میں ایک بار فرمایا کہ جاہل صوفیہ اس آیت واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ یقین حاصل ہو جاوے۔ حالانکہ یقین سے یہاں یقینی چیز یعنی موت مراد ہے اور یہ عجیب اوندھی بات ہے کہ جب تک یقین حاصل نہ ہو تب تک تو عبادت کرو اور جب یقین حاصل ہو جاوے تو چھوڑ دو۔ اس کی تو ایسی مثال ہوئی کہ جب تک یقین نہ ہو یہ پلاؤ ہے یا کیا چیز ہے تب تک تو کھائے جاؤ اور جب یقین ہو جاوے کہ یہ پلاؤ ہے تو ہاتھ کھینچ لو، حالانکہ یقین ہونے کے بعد تو اور بھی کھانا چاہئے۔ (صفحہ ۳۲)

یک زمانے صحبت با اولیاء کا عجیب حکیمانہ مطلب

ایک صاحب نے اس شعر کا مطلب دریافت کیا۔

یک زمانے صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

فرمایا کہ صحبت با اولیاء میں ایک خاص بات قلب میں ایسی پیدا ہو جاتی ہے جس سے خروج عن الاسلام کا احتمال نہیں رہتا۔ خواہ گناہ اور فسق و فجور سبھی کچھ اس سے وقوع میں آویں لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاوے۔ مردودیت تک کبھی نوبت نہیں پہنچتی۔ برخلاف اس کے ہزار برس کی عبادت میں بھی بذاتہ یہ اثر نہیں کہ کسی کو مردودیت سے محفوظ رکھ سکے۔ چنانچہ شیطان نے لاکھوں برس عبادت کی لیکن وہ اس کو مردودیت سے نہ روک سکی۔ یہی معنی ہیں اس شعر کے۔

یک زمانے صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

کیونکہ ظاہر ہے کہ ایسی چیز جو مردودیت سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دے ہزار ہا سال کی اس عبادت سے بڑھ کر ہے جس میں یہ اثر نہ ہو۔ (صفحہ ۳۳)

نماز کی پابندی نہ ہو سکنے کے دو علاج

ایک صاحب نے عرض کیا کہ نماز کی پابندی نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ اس کے دو علاج ہیں۔ ایک سہل ایک مشکل۔ مشکل علاج تو یہ ہے کہ اپنے اوپر کوئی جرمانہ مقرر کرے کہ جو نہ اس قدر زیادہ ہو کہ پابندی کے ساتھ اس کا ادا ہونا ہی مشکل ہو اور نہ اس قدر کم ہو کہ نفس پر شاق ہی نہ ہو۔ یہ علاج تو مشکل ہے کیونکہ خود اپنے اوپر سزا جاری کرنا مشکل کام ہے۔ دوسرا سہل علاج یہ ہے کہ جس بزرگ سے عقیدت ہو اس کے پاس کچھ دن رہے۔ اس سے ان شاء اللہ خود بخود اصلاح ہو جاوے گی۔ (صفحہ ۳۶)

حسین صورت دیکھ کر برا خیال آئے تو اس کا علاج

فرمایا کہ اگر حسین صورت کو دیکھ کر برا خیال دل میں آنے لگے تو فوراً اس مجمع میں جو سب سے زیادہ بد صورت شخص ہو اس کو بہت غور سے دیکھنے لگے اور اگر اس جگہ کوئی بد شکل نہ ہو تو پچھلے دیکھے ہوئے کسی بد شکل کو ذہن میں لاوے ورنہ قوتِ مخیلہ سے کوئی نہایت بھونڈی

صورت تراش کر اس کا مراقبہ کرنے لگے کیونکہ آخر قوتِ متخیلہ پھر اور کس وقت کام آوے گی۔ کسی ایسے موٹے بھدے آدمی کا تصور کرے کہ جس کا پیٹ نکلا ہوا ہو، ہونٹ موٹے موٹے ہوں، ناک پچکی ہوئی ہو، رینڈ بہہ رہی ہو، کھیاں بھنک رہی ہوں، غرض جہاں تک کہ متخیلہ کام کرے ایک نہایت بد شکل شخص کی تصویر اختراع کر کے تصور میں لاوے۔ ایسا کرنے سے ان شاء اللہ فوراً وہ خیال بد جاتا رہے گا۔

اسی ضمن میں ایک صاحب کو تحریر فرمایا کہ یہ تصور کیا کرو کہ مگر اس حسین کا کیا حال ہو جاوے گا۔ بدن گل سڑ جاوے گا، پیٹ پھٹ جاوے گا، کیڑے پڑ جاویں گے، غرض عجیب ہیئت ہو جاوے گی۔ اس وقت اگر کوئی اس عاشق سے کہے کہ اس کو گود میں لے کر پیار کرو تو وہاں سے ہزار نفرین کر کے لاجول پڑھ کر بھاگ آوے۔ (صفحہ ۳۸)

بزرگوں سے تعلق محض دین کے لئے ہونا چاہئے

فرمایا کہ بزرگوں کے تعلق سے دین تو درست ہوتا ہی ہے، دنیا کی بھی برکت ہوتی ہے لیکن دنیا کے قصد سے تعلق پیدا نہ کرے۔ جس طرح کہ حج کو جاتے وقت اس کا قصد تو نہیں ہونا چاہئے کہ بمبئی دیکھیں گے اور جہاز کی سیر کریں گے لیکن جو شخص حج کو جائے گا راستہ میں بمبئی بھی پڑے گی اور جہاز کی سیر بھی نصیب ہوگی۔ اسی طرح گو بزرگوں سے تعلق محض دین کے لئے پیدا کرنا چاہئے لیکن دنیا کی برکت بھی لازمی طور سے اس کو نصیب ہو ہی جائے گی۔ مگر دنیا کا قصد ہر گز نہ کرے ورنہ کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ (صفحہ ۳۹)

ذکر کا اثر رفتہ رفتہ ہوتا ہے

فرمایا کہ ذکر میں چاہے دل لگے یا نہ لگے لیکن برابر کئے جاوے۔ رفتہ رفتہ اس کی ایسی عادت پڑ جاتی ہے کہ پھر بلا اس کے چین ہی نہیں پڑتا۔ جیسے شروع شروع میں حقہ پینے سے گھیر بھی آتی ہے، متلی بھی ہوتی ہے، قے بھی ہوتی ہے، لیکن پیتے پیتے پھر یہ حالت ہو جاتی ہے کہ چاہے کھانا نہ ملے لیکن حقہ کے دوکشل جاویں۔ ایک بار فرمایا کہ نفع تو شروع

ہی سے ہونے لگتا ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا۔ جیسے بچہ روز کچھ نہ کچھ ضرور بڑھتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ آج اتنا بڑھا کل اتنا بڑھا، البتہ ایک معتد بہ مدت گزر جانے کے بعد اس کی کچھلی حالت کو خیال میں لا کر موازنہ کیا جائے تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہو۔ یہی حال ذکر کا ہے کہ شروع میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کچھ بھی نفع نہیں ہو رہا، حالانکہ نفع برابر ہو رہا ہے۔ ایک معتد بہ مدت گزرنے کے بعد اپنی کچھلی حالت کو ذہن میں متحضر کر کے اس سے حالت موجودہ کا موازنہ کرے تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔

ایک صاحب نے لکھا تھا کہ کچھ نفع نہیں معلوم ہوتا۔ فرمایا کہ اس وقت کے ذکر کو بیکار نہ سمجھا جاوے۔ یہ سب جمع ہو رہا ہے اور ان شاء اللہ عنقریب سب کھل پڑے گا۔ ایک بار فرمایا کہ پتھر پر پہلے اول قطرہ گرتا ہے، پھر دوسرا، پھر تیسرا، یہاں تک کہ پانی گرتے گرتے اس میں گڑھا پیدا ہو جاتا ہے۔ تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اخیر قطرہ نے وہ گڑھا پیدا کر دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ گڑھا نتیجہ ہے قطروں کی مجموعی تعداد کا۔ گڑھا کرنے میں اول قطرہ کو بھی ویسا ہی دخل ہے جیسا کہ اخیر قطرہ کو۔ اول قطرہ کو بے اثر ہرگز نہ سمجھنا چاہئے، گو بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اول روز کا ذکر جس کو بے ثمرہ سمجھا جاتا ہے ہرگز بے ثمرہ نہیں۔ اخیر میں جو حالت خاص پیدا ہوگی اس میں اول روز کے ذکر کو بھی اتنا ہی دخل ہوگا جتنا کہ اخیر روز کے ذکر کو۔ یہ نہیں ہے کہ صرف اخیر روز کا ذکر اس حالت کو پیدا کر دیتا ہے بلکہ ایک مجموعی تعداد مقرر تھی کہ اتنے دن بعد یہ کیفیت پیدا ہوگی۔ جب وہ تعداد پوری ہوگئی تو وہ کیفیت ظہور پذیر ہوگئی۔ ہر ہر دن کے ذکر کو اس کے پیدا کرنے میں یکساں دخل ہے۔ یا جیسے کہ ایک شخص کوئی مقوی یا ماء اللحم کھاتا ہے یہاں تک کہ ایک معتد بہ مدت کے استعمال کے بعد وہ سرخ و سفید ہو جاتا ہے۔ تو کیا صرف اخیر خوراک نے اس کو سرخ و سفید بنا دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ اتنے دنوں کی خوراکیں کی مجموعی تعداد نے اس کی یہ حالت کر دی ہے۔ یہ نادانی ہے کہ اول خوراک کو بے اثر سمجھا جاوے۔ (صفحہ ۴۴)

ذکر و نماز میں سرسری استحضار کافی ہے

فرمایا کہ ذکر و نماز وغیرہ میں سرسری توجہ و استحضار کافی ہے۔ زیادہ کاوش توجہ میں نہ کرے ورنہ قلب و دماغ مآؤف ہو جاویں گے۔ زیادہ کاوش سے تعب اور پریشانی ہوتی ہے جس سے نفع بند ہو جاتا ہے۔ سرسری توجہ ہی سے شدہ شدہ ملکہ تامہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی خاص کیفیت یا حالت کی بقا کے لئے بھی زیادہ کاوش نہ کرے، نہ اس کے پیچھے پڑے۔ اپنا کام کئے جاوے۔ جیسی جیسی استعداد بڑھتی جاوے گی اس کے مناسب احوال و واردات خود فائز ہوتے رہیں گے۔ اپنے قلب کو مشوش نہ کرے، نہ ثمرات و حالات کے درپے ہو۔ بڑی چیز کام میں مشغول رہنا ہے۔ (صفحہ ۴۵)

مختلف اذکار سے نفع کم ہوتا ہے

فرمایا کہ مختلف اذکار سے اس قدر نفع نہیں ہوتا جس قدر کہ ایک یاد و قسم کے ذکر سے ہوتا ہے۔ کیونکہ مختلف اذکار میں طبیعت منتشر رہتی ہے، کوئی ذکر بھی راسخ نہیں ہوتا۔ ایک یا دو اذکار پر مداومت کی جاوے تو وہ بہت جلد راسخ ہو جاتے ہیں۔ (صفحہ ۴۸)

مبتدی متوسط اور منتہی کی نماز کی حالت

فرمایا کہ مبتدی کو نماز میں صرف الفاظ کی طرف توجہ ہوتی ہے اور متوسط کو معانی کی طرف اور منتہی کو شخص ذاتِ حق کی طرف توجہ ہوتی ہے، نہ الفاظ کی طرف نہ معانی کی طرف۔ اگر معانی یا الفاظ کی طرف وہ توجہ کرے تو اس کو تو مصیبت ہو جاوے۔ احقر نے عرض کیا کہ معانی تو مقصود معلوم ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ اصل مقصود ذاتِ حق ہے۔ الفاظ اور ارکان جو نماز میں ہوتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے کہ دربارِ شاہی میں حاضری کے وقت کے لئے خاص آداب و القاب و الفاظ مصطلحاً مقرر ہیں۔ لیکن جس وقت بادشاہ کے سامنے وہ الفاظ دہرائے جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اس وقت نہ الفاظ کی طرف التفات ہوتا ہے نہ معانی کی طرف بلکہ ہمہ تن توجہ بادشاہ کی طرف ہوتی ہے۔ مکرر استفسار پر فرمایا کہ یہ ذوقِ امر ہے، کہنے سے سمجھ میں نہیں آ

سکتا، جب حق تعالیٰ نصیب فرمادیتے ہیں تب ہی سمجھ میں آتا ہے۔ (صفحہ ۴۸)

دفع وساوس کا طریق

ایک صاحب نے وساوس کی شکایت کی۔ فرمایا کہ کچھ غم نہ کریں، ہمت سے کام لیں اور ادھر بالکل التفات نہ کریں۔ ذکر کی طرف توجہ رکھیں اور ذکر کی طرف توجہ بھی وساوس کے دفع کے قصد سے نہ کریں بلکہ خود ذکر کو مقصود سمجھ کر کریں۔ کیونکہ اگر وساوس کے دفع کا قصد کیا تو وہ بھی وساوس ہی کا خیال ہو گیا۔ وساوس سے مطلق پریشان نہ ہوں کیونکہ وہ قلب میں سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ انہیں شیطان اوپر سے ڈالتا ہے۔ جیسے کوئی سڑی سڑی گالیاں کسی کے باپ کو یا بادشاہ کو اس کے کان میں ڈالے تو اس بیچارہ کا کیا قصور، گناہ سے بچنے کے لئے بس ناگوار ہونا کافی ہے۔ باقی مواخذہ جو کچھ ہے گالیاں بکنے والے پر ہے۔ اسی طرح قلب کے بھی کان ہیں۔ ان میں شیطان برے برے وسوسے ڈالتا ہے، سننے والے پر کچھ مواخذہ نہیں بلکہ اس کو تو پریشانی کا اجر ملے گا۔

غرض التفات ہی نہ کرے ورنہ اگر دفع کرنے کی کوشش کرے گا تو ان کا اور زیادہ ہجوم ہوگا۔ ہمت قوی رکھے کہ شیطان ہے کیا چیز۔ وسوسے ڈالنے کے سوائے اور کر کیا سکتا ہے۔ دیکھیں تو کہاں تک وسوسے ڈالتا ہے۔ ہمت کے ساتھ مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے۔ پھر خود ہی شیطان عاجز ہو جاوے گا اور وسوسے ڈالنے چھوڑ دے گا۔ (صفحہ ۶۵)

قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنے کی مصلحت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنے میں کیا مصلحت ہے؟ جہاں سے چاہے ثواب پہنچا سکتا ہے۔ فرمایا کہ اس میں دو مصلحتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنے سے علاوہ ایصالِ ثواب کے خود پڑھنے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہاں استحضارِ موت کا زیادہ ہوتا ہے، گھر بیٹھے اتنا استحضار نہیں ہو سکتا۔ دوسرے باطنی مصلحت یہ ہے کہ مردہ کو ذکر سے انس ہوتا ہے، خواہ آہستہ پڑھا جائے یا زور سے، حق تعالیٰ مردہ تک آواز پہنچا دیتے ہیں۔

یہ بات اولیاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام مسلمین بھی سنتے ہیں۔ کیونکہ مرنے کے بعد روح میں بہ نسبت حیات کے کسی قدر اطلاق کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا ادراک بڑھ جاتا ہے مگر نہ اتنا کہ کوئی ان کو حاضر ناظر سمجھنے لگے۔ دوسرے یہ بھی ہے کہ ذکر کے انوار جو پھیلتے ہیں اس سے بھی راحت پہنچتی ہے۔ (صفحہ ۶۷)

اسراف کی حد

ایک صاحب نے سوال کیا کہ اسراف کی حد کیا ہے؟ فرمایا کہ جو اجازت شرعی کے خلاف خرچ ہو وہ اسراف ہے، خواہ وہ بظاہر نیک ہی کام ہو مثلاً جس پر بیوی بچوں کا نفقہ واجب ہو اس کو سارا مال خیرات کر دینا اسراف ہے اور کھانے پینے میں وسعت کرنا بشرطیکہ کسی حد شرعی سے تجاوز لازم نہ آوے وہ اسراف میں داخل نہیں۔ استفسار پر فرمایا کہ اچھے کپڑے وغیرہ پہننا اگر تحصیل جاہ کے لئے ہے تو ناجائز اور اسراف میں داخل ہے اور اگر دفع مذلت کے لئے ہے تو مطلوب شرعی ہے اور اسراف میں داخل نہیں۔ عرض کیا گیا کہ خلاف خلوص کے محض تکلف کی راہ سے کسی کی مہمانی وغیرہ کیسا ہے؟ فرمایا کہ تحصیل جاہ کے لئے ہو تو حرام ہے اور اگر دفع مذلت کے لئے ہو تو عند اللہ مواخذہ نہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ تحمل سے زیادہ نہ ہو کہ مدیون یا مقروض ہو جاوے۔ (صفحہ ۶۹)

چشتیہ کے جلال کا راز

فرمایا کہ چشتیہ کے جلال کا راز یہ ہے کہ ان پر فنا کا غلبہ رہتا ہے۔ کوئی گنجشک کی بات کہتا ہے یا جواب میں دیر کرتا ہے تو طبیعت میں جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے کیونکہ دل خواہ مخواہ دوسری طرف اٹکا ہوا رہتا ہے۔ تقاضہ ہوتا ہے کہ جلدی سے بات ختم ہوتا کہ پھر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اپنی توجہ کا حق تعالیٰ سے ہٹانا سخت شاق گزرتا ہے۔ مجھے جو ایسی باتوں سے جھنجھلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے اس کی بھی وجہ اس کے قریب قریب ہے یعنی جی چاہتا ہے کہ قلب کو فارغ اور مہیا رکھا جاوے۔ گو توجہ حق کی توفیق نہ ہو مگر موانع تو کم رہیں۔ یعنی قلب کو تیار تو رکھنا

چاہئے تاکہ جس وقت توفیق ہو آسانی کے ساتھ اس کو متوجہ کر سکے۔ ورنہ اگر کوئی قلب خالی نہ ہونے کی حالت میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا بھی چاہے تب بھی نہیں کر سکتا۔ (صفحہ ۷۳)

اطلاع و اتباع

فرمایا کہ طالب کو اپنے شیخ کے سامنے اپنی رائے کو بالکل فنا کر دینا چاہئے۔ دو چیزیں لازمہ طریق ہیں، اتباع سنت اور اتباع شیخ۔ جب تک یہ حالت مرید کی نہ ہو کہ اگر شیخ جان بھی مانگے تو بھی دریغ نہ کرے تب تک کچھ لطف بیعت کا نہیں۔ جب ایسی حالت ہو تب اس مرید کو بھی کچھ لطف بیعت کا حاصل ہو۔ اپنی رائے اور تجویز کو کوئی شخص فنا کر کے تو دیکھے۔ میں اللہ تعالیٰ کے بھروسہ دعویٰ کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو ایسے انعامات عطا ہوں جو اس کی تجویزوں سے کہیں بڑھ کر ہوں اور جو اس کے ذہن میں کبھی آئے بھی نہ ہوں۔ اگر شیخ نوافل یا اوراد وغیرہ کم کر دے تو ہرگز وسوسہ نہ لاوے کیونکہ وہ کوئی معصیت تو کراتا نہیں، زیادہ سے زیادہ ترکِ مستحبات کراتا ہے۔ ہاں اگر شیخ معصیت کا حکم کرے تو ایسے شیخ کو سلام کرے۔ لوگ شیخ کی رائے میں تو دخل دیتے ہیں لیکن طبیب کی تجویز میں کبھی کوئی دخل نہیں دیتا۔ بس وہاں غرض صحت ہوتی ہے کہ کسی طرح اچھے ہو جائیں اور یہاں کچھ نہیں۔ اکثر فرمایا کہ ان دو ہم قافیہ لفظوں کو ہمیشہ یاد رکھے، اتباع اور اطلاع۔ یعنی جو کچھ شیخ تعلیم کر دے اس کو ہمیشہ نباہ کر کرتا رہے اور برابر اپنے حالات کی اطلاع دیتا رہے۔ خواہ کوئی نیا حال ہو یا نہ ہو کیونکہ حال نہ ہونا یہ بھی ایک حال ہے۔ (صفحہ ۷۵)

ذکر کے وقت ثمرات کا منتظر نہ رہے

فرمایا کہ ذکر کے وقت ثمرات کا منتظر نہ رہے۔ نہ کوئی کیفیت یا حالت اپنے لئے ذہن میں یا حق تعالیٰ کے سامنے تجویز کرے، اپنی تجویز کو مطلق دخل نہ دے۔ سب احوال کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ جو بہتر ہوگا وہ خود عطا فرمائیں گے۔ ذکر کے وقت سرسری توجہ ذکر کی طرف یا اگر آسانی سے ہو سکے تو مذکور کی طرف کافی ہے۔ اس میں بھی زیادہ تعب اور تکلف کی حاجت نہیں کیونکہ زیادہ تکلف سے قلب و دماغ ماؤف ہو جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ

حسب استعداد خود ہی خیال رسوخ کے ساتھ جنے لگے گا۔ (صفحہ ۸۳)

عقل شخص کو کیفیات بہت کم ہوتی ہیں

فرمایا کہ اگر ثمرات کی تمنا بھی ہو تب بھی ثمرات پر نظر نہ کرنا چاہئے کیونکہ ثمرات حاصل ہوتے ہیں یکسوئی سے اور جب ثمرات کے درود کی جانب متوجہ رہا تو یکسوئی کہاں رہی۔ پھر فرمایا کہ ذہن اور ذکی آدمی کو کیفیات وغیرہ نہیں ہوتیں کیونکہ اس کا ذہن ہمیشہ چلتا رہتا ہے۔ اس کو یکسوئی ہوتی ہی نہیں۔ اسی وجہ سے عقل شخص کو کیفیات بہت کم ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے جن میں عقل کا مادہ کم ہوتا ہے ان کو کشف وغیرہ کیفیات بہت ہوتی ہیں۔ لیکن ایسے شخصوں سے دوسروں کو فائدہ کم ہوتا ہے۔ ایسا شخص اپنے کام کا خوب ہوتا ہے لیکن دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۸۴)

وعظ میں مسائل نہ بیان کرنے کی حکمت

فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ یہ سوچا کہ وعظ میں مسائل فقہیہ کا بیان کرنا علماء کی بالکل عادت نہیں ہے حالانکہ بظاہر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے ایک وعظ میں صرف چار پانچ مسائل ربوا کے جو عموماً پیش آتے ہیں بیان کر دیئے۔ بعد کو مختلف لوگوں نے مختلف باتیں ان مسائل کی بابت آ کر مجھ سے بیان کیں۔ معلوم ہوا کہ اختلاف ہو گیا۔ اس وقت سمجھ میں آیا کہ علماء نے وعظ میں اس کا اہتمام نہیں کیا۔ انہوں نے اس کی مضرت کو معلوم کر لیا تھا۔ بجز کسی کھلے مسئلہ کے مسائل دقیقہ کا بیان عام مجمع میں خلاف مصلحت ہے۔ ایسے مسائل کو حدوث واقعہ کے وقت بتلا دے تاکہ اس کے اوپر آسانی کے ساتھ منطبق کیا جاسکے۔ برخلاف اس کے وعظ میں سوال فرض کر کر کے جواب دیئے جائیں گے تو بعد کو وہ سوال تو غائب ہو جاوے گا اور لوگ جواب میں خواہ مخواہ شبہ میں پڑیں گے اور گڑبڑ کر لیں گے۔ اسی مصلحت کی بناء پر علماء صرف مضامین ترغیب و ترہیب ہی کے وعظ میں بیان فرماتے ہیں۔ (صفحہ ۸۹)

زہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ تقلیل لذات کافی ہے

فرمایا کہ زہد ترک لذات کا نام نہیں ہے بلکہ محض تقلیل لذات زہد کے لئے کافی ہے۔ یعنی لذات میں انہماک نہ ہو کہ رات دن اسی کی فکر رہے کہ یہ چیز پکنی چاہئے، وہ چیز مٹگانی چاہئے۔ کہیں کے چاول اچھے ہیں تو وہاں سے چاول آرہے ہیں۔ کہیں کی بالائی مشہور ہے تو کہہ رہے ہیں کہ بھائی وہاں سے بالائی لیتے آنا۔ نفیس نفیس کپڑوں اور کھانوں کی فکر میں رہنا یہ منافی زہد کے ہے۔ ورنہ اگر بلا تکلف و بلا اہتمام خاص کچھ لذات میسر ہو جائیں تو حق تعالیٰ کی نعمت ہے، شکر کرنا چاہئے۔ بہت کم کھانا بھی زہد نہیں ہے، نہ یہ مقصود ہے۔ اس کے کم کھانے سے کوئی خدا تعالیٰ کے خزانہ میں توفیر جمع نہ ہو جاوے گی۔ یہ نہ ہوگا کہ بھائی بڑے خیر خواہ سرکار ہیں کہ پوری تنخواہ بھی نہیں لیتے۔ وہاں ان باتوں کی کیا پرواہ ہے لیکن اتنا بھی نہ کھاوے کہ پیٹ میں درد ہو جاوے۔ (صفحہ ۱۰۶)

فرہنگ (توفیر: زیادتی، بچت)

آج کل سلامتی یکسوئی میں ہے

فرمایا کہ آج کل سلامتی یکسوئی اور عزلت ہی میں ہے۔ ایک بزرگ کا قول کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ عزلت میں بھی یہ نیت نہ ہونی چاہئے کہ میں لوگوں کے شر سے محفوظ رہوں بلکہ یہ نیت ہونی چاہئے کہ میں مثل سانپ بچھو کے ہوں، مجھ کو الگ ہی رہنا مناسب ہے تاکہ لوگ میرے شر سے محفوظ رہیں۔

اللہ اکبر، سلف نے کہاں تک احتیاط عجب وغیرہ سے کی ہے لیکن بعض خیال کا بہ تکلف جمانا بڑا مشکل ہے۔ اب آج کل ہمارے زمانے میں ایسے نفوس کہاں ہیں کہ عزلت میں یہ نیت کر سکیں۔ یہ خیال جمانا ہے ذرا مشکل کہ ہم عزلت اختیار کر کے دوسروں کو اپنے شر سے بچاویں اس لئے میں نے اس میں کچھ ترمیم تجویز کی ہے کہ یہ نیت کرے کہ بعض کو اپنے شر سے محفوظ رکھوں اور بعض کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھوں۔ یہ نیت بہ نسبت آسان ہے۔ (صفحہ ۱۰۸)

بڑائی کا وسوسہ نہ آنے کی وجوہ

فرمایا کہ بڑائی کا وسوسہ بھی بڑوں کو نہیں آتا اور اس کے لئے صرف اعتقاد کافی نہیں بلکہ مجاہدہ و صحبت کی ضرورت ہے جس سے وہ حال ہو جاتا ہے۔ بڑائی کا وسوسہ بھی نہ آنے کی دو وجہ ہوتی ہیں۔ اول تو یہ کہ اوپر کا درجہ ان کے پیش نظر ہوتا ہے، اس کے سامنے اپنا درجہ ظاہر ہے کہ کم ہی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ سب کمالات کو حضرت حق کی طرف سے سمجھتا ہے۔ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ تیز مزاج مشہور تھے مگر اپنے نفس کے لئے ذرا تیز مزاج نہ تھے۔ ایک شخص نے مجمع عام میں مولانا کو خطاب کر کے کہا کہ آپ حرام کی پیدائش ہیں۔ انہیں ذرا تغیر نہیں ہوا بلکہ فرمانے لگے کی میری والدہ کے نکاح کے تو گواہ اب تک موجود ہیں، اگر کہیے تو ان سے شہادت دلا دی جائے۔ پھر الولد للفراش کے قاعدہ سے جو اولاد نکاح کی حالت میں ہو، وہ حرام کی نہیں سمجھی جاتی۔ ایسی باتوں کا یقین نہیں کیا کرتے۔ پھر فرمایا کہ کہ واقعی یہ کس قدر بے نفسی کی بات ہے کہ اتنی بڑی تہمت کو ٹھنڈے جی سے سن کر اس کو سمجھانے لگے۔ (صفحہ ۱۴۶)

قبض و بسط کی حکمت

فرمایا کہ ایک ہی حالت میں طبیعت اکتا جاتی ہے۔ کامل کی بھی اکتا جاتی ہے۔ کبھی کبھی ہنس بول لیں تو طبیعت تازہ ہو جاتی ہے۔ نشاط ہو جاتا ہے۔ تجدید نشاط کی مصلحت کے لئے ابوالوقت تو خود دوسری طرف مشغول ہو جاتا ہے۔ ابن الوقت چونکہ مغلوب الحال ہوتا ہے اس لئے وہ خود تو جس حال میں ہے اس سے نکلتا نہیں لیکن خود اللہ تعالیٰ اس کے اوپر کوئی حالت قبض کی طاری فرما دیتے ہیں تاکہ غیبت ہونے کے بعد پھر حضور کی لذت محسوس ہو۔ (صفحہ ۱۵۸)

آسان اصلاح

ایک صاحب خانقاہ تشریف لاتے تو تکلف بہت فرماتے جس سے حضرت کو سخت نفرت ہے۔ اب کی بار انہوں نے تکلف نہیں برتا۔ رخصت کے وقت ان سے فرمایا کہ میرا جی

اب کی مرتبہ آپ سے خوش ہوا۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ مجھ میں محبت نہیں۔ اب آپ دیکھ لیجئے کہ مجھ میں بے حد محبت ہے۔ مگر کوئی محبت کے قابل تو ہو اور میری محبت کے لئے کوئی لمبی چوڑی شرطیں نہیں۔ بس صرف یہ ہے کہ جس طرح میں چاہوں اس طرح چلے اور میں کوئی دشوار کام بھی نہیں بتلاتا۔ میں کوئی مجاہدہ نہیں کراتا، رات کو نہیں جگاتا، کھانا پینا کم نہیں کراتا۔ بس تھوڑا سا ذکر بتلا دیتا ہوں۔ اس کو دوام کے ساتھ کرے اور معاصی کو بالکل چھوڑ دے اور عادات کی اصلاح کرے اور عادات کا بس خلاصہ یہ ہے کہ اس کا خیال رکھے کہ کسی کو اس کے کسی قول یا فعل سے کوئی تکلیف یا الجھن نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر میں کہتا ہوں کہ جو شخص اتنا کر لے گا وہ ہر گز محروم نہیں رہ سکتا۔ (صفحہ ۱۹۰)

عجیب دستور العمل

فرمایا کہ میرے بھائی اکبر علی بڑے سمجھدار ہیں۔ ایک عیسائی سے انہوں نے ایک عجیب سوال کیا کہ اگر کوئی شخص دنیا کو ترک کر کے ۲۴ گھنٹے یا خدا میں گزارنا چاہے تو آپ کے یہاں کوئی ایسا دستور العمل ہے جو محیط ہو ۲۴ گھنٹوں کو۔ اس نے کہا کہ ایسا دستور العمل تو کوئی نہیں۔ بھائی نے کہا کہ ہماری شریعت میں ایسا دستور العمل موجود ہے۔ ہر ہر حالت کے لئے آداب اور اذکار بتلا دیئے گئے ہیں کہ اٹھو تو یہ پڑھو، بیٹھو تو یہ پڑھو، لیٹو تو یہ اور کھاؤ تو یہ، پاخانہ جاؤ تو یہ، نکلو تو یہ۔ غرض کوئی ایسی حالت نہیں جس کے لئے ذکر کے متعلق دستور العمل مقرر نہ ہو۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ واقعی یہ عجیب سوال ہے اور واقعی ایسا دستور العمل صرف شریعت ہی نے سکھلایا ہے اور ہر حالت کے لئے جداگانہ عبادت تجویز کی گئی ہے جس سے طبیعت میں نشاط رہے اور شاق نہ ہو۔ (صفحہ ۱۹۸)

آج کل کا خبط

فرمایا کہ آج کل یہ بھی خبط ہے کہ صاحب ہمارا منہ دعا کے قابل نہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے یہی کہا۔ میں نے کہا کہ تم نماز پڑھتے ہو، کلمہ پڑھتے ہو۔ اس نے

کہا ہاں۔ میں نے کہا کہ جب تم نماز کے قابل ہو، روزہ کے قابل ہو، کلمہ کے قابل ہو تو دعا کے قابل کیوں نہیں۔ یہ سب شیطان کی رہنمائی ہیں۔ وہ دعا سے محروم رکھنا چاہتا ہے اور نفس کچھ کام کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے ہر چیز کا ایک بہانہ نکالتا ہے۔ (صفحہ ۲۰۷)

امراء سے از خود تعلق نہیں پیدا کرنا چاہئے

فرمایا کہ علماء کو اموال کے لینے میں بہت احتیاط چاہئے۔ آج کل اس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اس باب میں بہت تسامح ہے۔ اس کا ضرر بہت زیادہ ہے۔ دین کی سخت بے وقعتی اور ذلت ہوتی ہے۔ امراء کی طرف اگر خود التفات کیا جاوے خواہ کیسے ہی خلوص سے ہو لیکن ان کو یہی گمان ہوتا ہے کہ ان کی کچھ غرض ہے۔ برخلاف غرباء کے کہ ان سے ذرا شیریں کلامی کی جاوے تو پانی پانی ہو جاتے ہیں، نثار ہونے لگتے ہیں۔ دین کی وقعت محفوظ رکھنے کے لئے میں امراء سے از خود کبھی تعلق نہیں پیدا کرتا۔ ہاں اگر وہ خود ہی تعلق پیدا کرنا چاہیں تو ابا بھی نہیں کرتا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب امیر تمہارے پاس دین کی وجہ سے آیا تو وہ نرا امیر نہیں، وہ نعم الامیر علیٰ باب الفقیر ہو گیا۔ دنیا دار سمجھ کر اس سے ہرگز بے التفاتی نہیں کرنی چاہئے۔ (صفحہ ۲۱۸)

ایک ہی جلسہ میں خدا تک رسائی

فرمایا کہ لوگ بیعت کر لینے کو نفع سمجھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حق بات کانوں میں پہنچ جاوے چاہے مرید ایک بھی نہ ہو۔ مرید کرنے کو میں نفع نہیں سمجھتا۔ اصل نفع حق بات کا کانوں میں پہنچا دینا ہے۔ مرید کرنا میں اپنے ذمہ واجب نہیں سمجھتا۔ ہاں؛ تعلیم کرنا ہر مسلمان کا حق ہے۔ اور گویہ کہنا ہے تو بڑی بات لیکن تحدثاً بالنعمة کہتا ہوں کہ الحمد للہ میں ایک جلسہ ہی میں طالب کو خدا تک پہنچا دیتا ہوں۔ راستہ مقصود بتلا دینا خدا ہی سے ملا دینا ہے۔ گھر تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ پر دو ایک چراغ جل رہا تھا۔ فرمایا کہ یہ دکھلا دینا کہ دیکھو وہ چراغ جل رہا ہے، چراغ ہی تک پہنچا دینا ہے۔ راستہ پر پڑ جانا بھی بڑی دولت ہے۔ پھر تو

صرف راستہ کا قطعہ کرنا رہ جاتا ہے جو کچھ بھی مشکل نہیں۔ چلتے رہیں گے تو ایک دن ان شاء اللہ منزل مقصود پر پہنچنا نصیب ہو ہی جائے گا۔ (صفحہ ۲۲۶)

بیعت فوری نہ کرنا چاہیے

فرمایا کہ جب تک پوری طرح مناسبت نہ ہو جاوے بیعت نہ کرنا چاہیے۔ جب پوری طرح راہ پر پڑ جاوے تب بیعت کرنا چاہیے۔ آج کل پیروں کو بھی چاہئے کہ فوراً مرید نہ کر لیا کریں ورنہ مرید ہونے کے بعد پھر بے فکر ہو جاتے ہیں اور مرید ہونے کے لالچ میں تو کسی قدر اپنی اصلاح کی فکر میں مشغول بھی رہتے ہیں تاکہ جلدی مقصود حاصل ہو جاوے۔ یہ امر اکثری ہے اور شیخ مبصر بعض مواقع کو اس سے مستثنیٰ بھی کر سکتا ہے۔ (صفحہ ۲۲۷)

مولوی پست ہمت نہیں ہے

فرمایا کہ اگر ہم لوگ ملانے دنیا کمانے پر آجائیں تو آپ لوگوں سے اچھی کما کر دکھلا دیں لیکن باوجود اس قدرت کے پھر قدر ضروری پر راضی رہ کر خدمت دین میں مشغول ہیں۔ ہم لوگوں کو پست ہمت، احمادیوں کی پلٹن، کم حوصلہ، ترقی کے دشمن نہ معلوم کیا کیا خطابات دیئے جاتے ہیں حالانکہ اگر آپ کا کوئی نوکر جس کو آپ صرف پانچ روپیہ ماہوار دیتے ہوں، دوسرے شخص کے بیس روپے ماہوار پر لات مار کر کہہ دے کہ میں اپنے آقا کو نہ چھوڑوں گا تو میں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اس کو یہی خطاب دیجئے گا کہ بڑا پست ہمت، کم حوصلہ شخص ہے کہ ترقی کو چھوڑ رہا ہے یا یہ کہئے گا کہ سبحان اللہ کیسا عالی حوصلہ اور بلند نظر شخص ہے کہ اپنے آقا کی وفاداری میں بیس روپے پر لات ماردی اور اپنے آقا کے پانچ روپیہ پر قناعت کی۔ اسی طرح اگر ہم لوگ باوجود اس کے کہ اگر دنیا کمانے پر آجائیں تو آپ لوگوں سے اچھی کما کر دکھا دیں، پھر بھی اپنے آقا یعنی حق تعالیٰ کی وفاداری کو نہیں چھوڑتے اور خدمت دین میں مشغول ہیں اور اپنے انھیں سوکھے ٹکڑوں پر راضی ہیں تو ہم کو پست ہمت اور کم حوصلہ کیوں کہا جاتا ہے۔ (صفحہ ۲۳۵)

قبر سے اخذ فیض کا طریقہ

فرمایا کہ تعلیم کا فیض زندہ شیخ سے ہوتا ہے اور مردہ شیخ کی قبر سے صرف تقویت نسبت کی ہوتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ کیا مردہ شیخ سے تقویت نسبت بہ نسبت زندہ شیخ کے بھی زیادہ ہوتی ہے؟ فرمایا کہ ممکن ہے کبھی زیادہ ہوتی ہو۔ پھر قبر سے اخذ فیض کا طریقہ دریافت کیا تو فرمایا کہ یوں تصور کرے کہ اس کے قلب سے فیض میرے قلب میں آرہا ہے۔ مردہ کو خواہ بیٹھا ہوا تصور کرے یا لیٹا ہوا، جس میں سہولت ہو۔ جتنی زیادہ یکسوئی ہوگی اتنا زیادہ فائدہ ہوگا۔ (صفحہ ۲۳۸)

اخبار بنی کی بلا

کچھ جنگ کے متعلق اخبار بنی کا تذکرہ تھا۔ فرمایا کہ آج کل ایسے قصوں کا بڑا مشغلہ ہے۔ الحمد للہ ہمارے یہاں ایسا کوئی قصہ نہیں۔ ان فضول تذکروں میں کیوں اپنا وقت ضائع کیا جائے۔ اپنے کام میں لگنا چاہئے۔ اخبار بنی وغیرہ سے کوئی نتیجہ نہیں۔ آج کل اہل علم بھی بعضے اس بلا میں مبتلا ہیں۔ مجلس ہوتی ہے، لوگ آتے ہیں کہ فلانی خبر ہے، فلاں اخبار میں یہ واقعہ درج ہے۔ بھلا ان قصوں سے کیا نتیجہ، کوئی نفع نہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا دنیا کا بھی نفع نہیں؟ فرمایا کہ جی ہاں بلکہ دنیاوی ضرر ہے۔ پھر فرمایا کہ مشغل ہے جی اور کچھ نہیں، کوئی مقصود نہیں۔ ہمیں تو اس جنگ کی طرف نظر رکھنی چاہئے جو ہمارے باطن میں روح و نفس میں برپا ہے۔ مجھے حکایات و روایات سے سخت نفرت ہے۔ لوگ خواہ مخواہ ادھر ادھر کے قصے کہانیاں بیان کرتے ہیں اور میرا وقت ضائع کرتے ہیں۔ میں بعض مرتبہ مروت میں کچھ کہتا نہیں۔ کام کی باتوں میں لگنا چاہئے۔ (صفحہ ۲۴۶)

جائداد کے بارے میں احادیث میں اصول

فرمایا کہ جائداد ہے فساد کی جڑ۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر جائداد پیچو تو اس روپیہ سے فوراً دوسری جائداد خرید لو اور ایک حدیث میں ہے کہ اے عائشہؓ؛ جائداد مت خریدو، تم دنیا دار ہو جاؤ گی۔ ان دونوں حدیثوں کے مجموعہ سے مفہوم ہوا کہ اگر جائداد موجود

ہو تو اس کو جدانہ کرے اور نئی جائیداد خریدے نہیں۔ (صفحہ ۲۵۸)

ہدیہ میں بدرجہ کمال احتیاط

فرمایا کہ اہل علم کو اموال کے باب میں بہت احتیاط چاہئے۔ لینے میں بھی اور دینے میں بھی۔ ایک صاحب نے جو موافقین میں سے ہیں، شکایتی خط لکھا ہے کہ ہدیہ میں سختی نہ کرنا چاہئے، لینا چاہئے اور مہمانوں میں خرچ کرنا چاہئے۔ فلاں مولوی صاحب نے خوب کہا کہ احمق ہیں جو یہ مشورہ دیتے ہیں یعنی خواہ مخواہ دو کام اپنے سر لیں۔ ایک تو لینے کا اور ایک اس کے خرچ کرنے کا۔ پھر فرمایا کہ میرے یہاں لینے کے بھی شرائط ہیں کہ ایک معتد بہ مدت تک ملتے جلتے رہنے سے دل خوب مل گئے ہوں اور بے تکلفی ہو گئی ہو۔ ایک دفعہ میں ایک دن کی آمدنی سے زیادہ نہ دے۔ اور دو ہدیوں کے درمیان کم از کم ایک ماہ کا فاصلہ ہو۔ اور پابندی کے ساتھ نہ دے۔ اسی طرح میں خرچ بھی خواہ مخواہ نہیں کرتا۔ بلکہ قریب قریب سال بھر کا خرچ اپنے پاس جمع رکھتا ہوں۔ مہمانوں میں بھی عرف کا پابند نہیں۔ جس کے ساتھ جیسی خصوصیت ہوئی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا گیا۔ کسی کو گھر پر بلا کر کھلایا، کسی کو پیسے بھیج دیئے کہ بازار سے لے کر کھالیں، کسی کو کچھ بھی نہیں۔

ظاہر ہے کہ ان شرائط کی شدت سے آمدنی کم ہوگی۔ پھر اگر خرچ میں وسعت کی جائے تو میری نیت خراب ہونے لگے اور شرائط کی پابندی نہ ہو سکے۔ ایک پیر صاحب میرے پاس آئے۔ بس لنگر خانہ کی بدولت چھ ہزار کے مقروض ہو گئے تھے۔ چاہتے تھے کہ کسی رئیس کو سفارش قرض دینے کی کر دی جائے۔ میں نے پوچھا کہ یہ قرض خواہ مخواہ کیوں کر لیا۔ کہا کہ یہی خیال تھا کہ جو لوگ کھا جاتے ہیں وہی دیں گے لیکن کسی نے کچھ نہیں دیا۔ میں نے کہا کہ اب جو قرض لو گے اس کو کہاں سے ادا کرو گے۔ کہا کہ مرید ہی دیں گے۔ میں نے کہا کہ انا للہ اب بھی مریدوں ہی پر نظر ہے تو جناب یہ حالت ہو جاتی ہے۔ خرچ بڑھانے میں دین کی یہ خرابیاں ہیں۔

اب الحمد للہ سال بھر کا خرچ ہمیشہ میرے پاس جمع رہتا ہے، اس سے اطمینان رہتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی ہے کہ حضور ﷺ ازواج مطہرات کو سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ سال بھر کا خرچ ذخیرہ کرنا تو کل کے خلاف نہیں۔ اب مجھے کسی بڑے سے

بڑے ہدیہ کے واپس کر دینے میں وسوسہ بھی نہیں ہوتا جبکہ میرے شرائط کے موافق نہ ہو۔ بس بے دھڑک خلاف شرائط ہدیہ کو واپس کر دیتا ہوں۔ (صفحہ ۲۶۰)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۷)

دنیوی ہنر پر تعریف قرب قیامت کی نشانی ہے

عقل معاش کی بابت فرمایا کہ اب تو اسی کو ہنر سمجھتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرب قیامت میں دنیوی ہنروں پر تعریف کریں گے کہ کیسا دانا ہے، عاقل ہے، بڑا ہوشیار ہے، ان باتوں پر مدح ہوگی۔ سو واقعی آج کل یہی حالت ہے۔ اگر کوئی نیک ہو، بزرگ ہو تو تمسخر سے کہتے ہیں کہ جنتی ہیں یعنی احمق۔ یہ بڑا سخت فقرہ ہے، اس سے تو کفر کا اندیشہ ہے۔ (صفحہ ۲۲)

اپنی مصلحت کی رعایت

فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے تین چار ہی باتیں سلوک کے متعلق پوچھی ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ زیادہ حاجت نہیں ہوئی۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ ایک زمانہ میں میرا جی تنہائی کو بہت چاہتا تھا۔ جی میں آیا کہ خلوت میں رہا کروں لیکن اس میں لوگوں کی دل شکنی کا خیال ہوتا تھا۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنی مصلحت کو دیکھ لو اور کسی کا خیال نہ کرو۔ سب کو جھاڑ مارو اور یہ اس طرح سے فرمایا کہ گویا خود پر گزری ہو۔

ایک بار فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول مجھے بہت پسند ہے کیونکہ میرے مذاق کے موافق ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ تحمل سے زیادہ کبھی اپنے ذمہ کام نہ لے۔ چنانچہ ایک صاحب نے مولانا کے کسی مہمان سے بستر کے لئے پوچھا تو معلوم ہونے کے بعد فرمایا کہ اگر اس کے پاس نہ ہوتا تو تم کہاں سے دیتے۔ اور اگر ایک دو بستر کہیں سے لا کر دے بھی دیئے تو اگر بہت سے مہمان آئے اور کسی کے پاس بھی بستر نہ ہوا تو سب کے لئے کہاں سے لاؤ گے۔ خبردار جو کسی سے بستر کے لئے پوچھا۔ میں کہاں سے بستروں کا انتظام کروں گا۔ جو آئے اپنے ساتھ بستر لاوے۔ پھر فرمایا کہ آدمی سب کو خوش نہیں رکھ سکتا۔ جب ہر حال میں اس پر برائی آتی ہے پھر اپنی مصلحت کو کیوں فوت کرے۔ جس کام میں اپنی مصلحت اور راحت دیکھے بشرط اذن شرعی وہی کرے۔ کسی کی بھلائی برائی کا خیال نہ کرے۔ (صفحہ ۳۷)

ہم لوگ عبداحسانی ہیں

فرمایا کہ میرے مواعظ میں امید کے مضامین بہت ہوتے ہیں۔ ترہیب بہت کم ہوتی ہے۔ میری زیادہ غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو لگاؤ اور محبت حق تعالیٰ سے پیدا ہو جائے گی۔ گویا خیال ہوتا ہے کہ جرأتِ معصیت پر نہ ہو جائے لیکن لگاؤ اور محبت اگر پیدا ہو جائے تو معصیت ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طریق ہے۔ وہاں بس تسلی ہی تسلی تھی۔ کسی حال میں مایوس نہ ہونے دیتے تھے۔ یوں فرماتے تھے کہ ہم لوگ عبداحسانی ہیں۔ احسان اور لطف کے بندہ ہیں۔ جب تک آرام اور آسائش میں ہیں تب تو عقائد بھی درست ہیں اور تھوڑا بہت نماز روزہ بھی ہے اور جہاں کوئی مصیبت پڑی بس سب رخصت۔ اس لئے ہمیشہ حتی الامکان اپنے آپ کو مباح آرام میں رکھنا چاہئے۔ پانی جب پیئے نہایت ٹھنڈا تاکہ ہر بن مو سے الحمد للہ نکلے ورنہ گرم پانی پی کر زبان تو الحمد للہ کہے گی لیکن دل شریک نہ ہوگا۔ (صفحہ ۴۴)

انضباطِ اوقات کی برکت

فرمایا کہ انضباط و انتظامِ اوقات بڑی چیز ہے۔ یہ نہیں چاہئے کہ ایک کام کے وقت دوسرا کام، دوسرے کام کے وقت تیسرا۔ جس کام کا جو وقت مقرر ہو اس کو اسی وقت کرے۔ اس سے بڑی برکت وقت میں ہوتی ہے اور راحت رہتی ہے۔ (صفحہ ۵۲)

فہم و عقل میں نورانیت پیدا کرنے کی ترکیب

فرمایا کہ کھلی ہوئی بات ہے، جب چاہو تجربہ کر لو کہ ملنا جلنا کم کر دو۔ ادھر ادھر فضول دیکھنا بھالنا بند کر دو۔ معاصی سے اجتناب کرو۔ اس سے خود بخود فہم و عقل میں نورانیت پیدا ہوگی۔ جو لوگ بک بک بہت کرتے ہیں ان کی عقل اور فہم برباد ہو جاتی ہے۔ معاصی سے، ادھر ادھر دیکھنے بھالنے سے حواس منتشر ہو کر عقل خراب ہو جاتی ہے۔ مشاہدہ کی بات ہے۔ (صفحہ ۵۳)

مشروع شہوت کے افراط سے باطن کا بھی نقصان ہے

فرمایا کہ حمام کو کوڑے کباڑے سے روشن کرتے ہیں جس سے وہ گرم ہو جاتا ہے۔ دنیا

کی شہوت کو ضبط کیا جائے تو اس سے تقویٰ کی ہمت اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ واقعی بالکل صحیح ہے۔ جب شہوت کو روکا جاتا ہے تو طبیعت میں ضرور ایک شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس شگفتگی کو محفوظ رکھ کر اس سے طاعات میں کام لینا چاہئے۔ یہ حکمتیں رکھی تھیں حق تعالیٰ نے ان جذبات میں۔ ان سے اب نامشروع موقعوں پر کام لیا جاتا ہے۔ خیر نامشروع شہوت سے تو نقصان ہوتا ہی ہے، مشروع شہوت کے افراط میں بھی نقصان ہے، اس واسطے کہ افراط میں نشاط طبیعت کا جاتا رہتا ہے۔ بزرگوں نے بھی اس سے منع کیا ہے۔ اس واسطے بہت غلو نہیں چاہئے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس کو مرض نہ ہو اور اعتدال کے ساتھ قوت بھی ہو اس کو مقویات اور دوائیں کھا کھا کر قوائے شہوانی کو ازراہ ہوس برا بیچنے کرنا ایسا ہے جیسے کہ سانپ بچھو خاموش پڑے تھے، ان کو چھیڑنا شروع کیا کہ آؤ مجھے کاٹو۔ اگر مرض ہو تو وہ اور بات ہے۔ امراء کو اس کا بہت شوق ہوتا ہے۔ میں نے اس پر اس لئے تنبیہ کی ہے کہ مشروع شہوت کے افراط سے باطن کا بھی نقصان ہوتا ہے۔ (صفحہ ۵۴)

نگاہِ بد اختیارِی ہے

فرمایا کہ ایک صاحب کو اسی میں کلام تھا کہ نگاہِ بد اختیار میں نہیں۔ اس پر بہت ہی اصرار کرتے رہے۔ میں نے کہا کہ سوچو تو بعد کو انہوں نے لکھا کہ واقعی میں غلطی پر تھا، نگاہِ اختیار میں ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اصل وجہ یہ ہے کہ نفس سے تکلیف گوارا نہیں ہوتی۔ نگاہ ہٹانے میں الجھن ہوتی ہے۔ تکلیف گوارا نہیں کرتے، نفس کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ تمہارا جو خیال ہے اس سے تو شریعت پر اعتراض لازم آتا ہے کہ اس نے ایسی چیز کا مکلف کیا ہے جو اختیار میں نہیں۔ اگر عورت کی چھاتی پر سوار اور زنا کا مرتکب ہونے والا ہو، اس وقت بھی ہٹنا اختیار میں ہے گو مشقت چاہے جتنی ہو۔ کیونکہ اس وقت بھی شریعت اس کو حکم کرتی ہے کہ باز آ جاؤ۔ ایسی حالت میں اگر اختیار نہ مانا جائے تو اس سے نعوذ باللہ قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ ارشاد ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔ سوچئے تو کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، کہاں تک یہ بات پہنچتی ہے۔ (صفحہ ۶۰)

گھر کے انتظام کے بارے میں قیمتی مشورہ

فرمایا کہ میں فتویٰ تو نہیں دیتا لیکن مشورہ ضرور دوں گا کہ گھر کا انتظام بیوی کے ہاتھ میں رکھنا چاہئے یا خود اپنے ہاتھ میں۔ اوروں کے ہاتھ میں انتظام نہیں ہونا چاہئے چاہے وہ بھائی ہو یا بہن ہو یا ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سے بیوی کی بڑی دل شکنی ہوتی ہے اس لئے یا تو خاندان اپنے ہاتھ میں خرچ رکھے ورنہ اور رشتہ داروں میں سب سے زیادہ مستحق بیوی ہے۔ بیوی کا صرف یہی حق نہیں کہ اس کو کھانا کپڑا دے دیا بلکہ اس کی دلجوئی بھی ضروری ہے۔ دیکھئے فقہاء نے بیوی کی دلجوئی کو یہاں تک ضروری سمجھا ہے کہ اس کی دلجوئی کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز فرما دیا۔ اس سے کتنی بڑی تاکید اس امر کی ثابت ہوتی ہے۔ یہاں سے بیوی کے حق کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کی دلجوئی کے لئے خدا نے بھی اپنا ایک حق معاف کر دیا۔ (صفحہ ۶۶)

اسلام پر ایک اعتراض کا لطیف جواب

اس اعتراض کا ذکر تھا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا خوب لطیف جواب دیا تھا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ وہ شمشیر زن کہاں سے آئے؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک دو شمشیر زن تو بزور شمشیر اسلام کو عالم بھر میں پھیلا نہیں سکتے تھے تو پس معلوم ہوا کہ شمشیر زن اصل علت اشاعت اسلام کی نہیں بلکہ اصل علت اور ہی ہے جس سے شمشیر زن پیدا ہوئے۔ وہ حقیقت میں تو تائید حق ہے اور ظاہری سبب حضور اکرم ﷺ کے اخلاق ہیں۔ اسلام پھیلا ہے اخلاق سے، تلوار سے اسلام نہیں پھیلا۔ (صفحہ ۸۶)

علماء حضور اکرم ﷺ کے لئے وقایہ ہیں

فرمایا کہ میں تو کہتا ہوں کہ ہم لوگوں کو خدا نے جو اتنی دور حضور ﷺ کے زمانہ سے پیدا کیا تو بڑی رحمت ہے ورنہ خدا جانے حضور ﷺ کے ساتھ ہم کیا برتاؤ کرتے۔ دیکھو کسی بزرگ کا کہنا کیسا ناگوار ہوتا ہے، معاشرت میں مغایرت ہوتی ہے سوا گر کہیں حضور

ﷺ کے ارشاد سے تغیر ہو جاتا تو تباہ ہو جاتے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ لوگ مولویوں کو بھلا برا کہہ لیتے ہیں لیکن الحمد للہ حضور ﷺ تو بچے ہوئے ہیں اور لوگوں کا ایمان بھی بچا ہوا ہے ورنہ یہی باتیں حضور ﷺ سے سنتے اور نفس کے خلاف ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ انکار کرتے تو ایمان ہی نہ رہتا۔ بلا سے ہمیں برا بھلا کہہ لیں لیکن حضور ﷺ تو محفوظ ہیں۔ ہم لوگ حضور ﷺ کے لئے وقایہ ہیں جیسے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے لئے وقایہ تھے۔ غزوہ احد میں کوئی تیر یا پتھر یا تلوار حضور ﷺ پر چلاتا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سامنے آ کر سپر ہو جاتے تھے اور وار اپنے اوپر لے لیتے تھے۔ (صفحہ ۹۵)

آداب مجلس

ایک صاحب نے چھینک کر زور سے الحمد للہ کہا۔ حضرت خطوط لکھ رہے تھے۔ ریحکم اللہ کہہ کر پھر فرمایا کہ بھلے مانس چپکے ہی سے کہہ لیا ہوتا۔ اب سب کام چھوڑ چھاڑ کر آپ کی چھینک کا حق ادا کریں۔ پھر فرمایا کہ ایسے موقعہ پر جب کہ دوسرے لوگ کام میں مشغول ہوں چھینکنے کے بعد الحمد للہ آہستہ سے کہنا چاہئے۔ میں ہمیشہ آہستہ سے کہتا ہوں کہ دوسروں پر خواہ مخواہ جواب واجب نہ ہو۔ اسی طرح حضرت سجدہ کی آیت کو آہستہ سے تلاوت فرماتے ہیں۔ ایک بار فرمایا کہ جب مجلس جمی ہوئی ہو اور گفتگو ہو رہی ہو تو سلام نہیں کرنا چاہئے اور نہ مصافحہ کرنا چاہئے۔ بعضے لوگ بیچ میں السلام علیکم کہہ کر لٹھ سا مار دیتے ہیں اور پھر ایک طرف سے مصافحہ کرنا شروع کر دیتے ہیں جس سے گفتگو کا سارا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور تمام مجمع پریشان ہو جاتا ہے۔ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے۔ اس سے دوسروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ فرمایا کہ کام کی مشغولی میں گو سلام کا یا چھینک کا جواب دینا واجب نہیں لیکن پھر بھی جواب نہ دینا برا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر جواب نہ دیا جائے تو دل شکنی ہوتی ہے اور اگر کچھ دیر کے بعد دیا جائے تو اتنی دیر تک تو دل شکنی ہوئی۔ عرض کیا گیا کہ کیا ہر قسم کی مشغولی میں سلام کا جواب واجب نہیں؟ فرمایا کہ دین کی مشغولی میں تو واجب ہے ہی نہیں۔ (صفحہ ۱۰۸)

روافض کے ختم نہ ہونے کی وجہ

دورانِ درسِ مثنوی میں ایک صاحب نے دریافت کیا کہ خوارج وغیرہ باطل فرماتے کیا اب بھی موجود ہیں؟ فرمایا کہ ہیں تو لیکن جماعت نہیں۔ صرف روافض کی جماعت باقی ہے کیونکہ ان کے یہاں تقیہ ہے، اوروں کے یہاں تقیہ نہ تھا۔ جب کبھی اہل حق کا غلبہ ہوا ان کا صفایا ہو گیا۔ روافض میں تقیہ ہے یہ اس لئے نہیں مٹے کیونکہ جب اہل حق کا غلبہ ہوا، یہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں۔ ابن سبا یہودی تھا، وہ موجود ہے اس مذہب کا۔ بڑا ہی چالاک تھا۔ اس نے تقیہ ایسا نکالا جو کبھی مٹ ہی نہیں سکتا۔ (صفحہ ۱۱۴)

اپنوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نقصان ہوتا ہے

فرمایا کہ مشہور تویہ ہے کہ تعاملوا کالاجانب وتعاشروا کالاخوان یعنی معاملہ کرو مثل اجنبیوں کے اور معاشرت کرو مثل بھائیوں کے۔ لیکن چونکہ آج کل یہ مشکل ہے کہ اخوان کے ساتھ معاملہ تو ہو مگر اجانب کا سا، اس لئے میں نے اس میں ترمیم کی ہے یعنی تعاملوا مع الاجانب وتعاشروا مع الاخوان۔ معاملہ کرو اجنبیوں کے ساتھ اور معاشرت کرو بھائیوں کے ساتھ یعنی اخوان کے ساتھ حتی الامکان معاملہ ہی نہ کرو۔ میں نے گل کی بجائے مع کر دیا ہے۔ گل گل کو اڑا دیتا کہ گل گل نہ رہے۔ اکثر دیکھا ہے کہ اپنوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں خرابی ہوتی ہے اور نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ (صفحہ ۱۹۲)

اکابر کا مقام تو اضع

فرمایا کہ اکابر کو اس کا قصد نہیں ہوتا تھا کہ اپنے اوپر سے طعن کو ہٹا دیں۔ اگر پڑے، پڑنے دیتے تھے۔ بات یہ ہے کہ وہ اپنی نظر میں سب سے ذلیل ہوتے ہیں۔ یہ بالکل وجدانی امر ہو جاتا ہے۔ وہ کسی مدح کا پانے کو مستحق نہیں سمجھتے بلکہ بخدا یہ تعجب ہوتا ہے کہ لوگ ہمارے معتقد کیوں ہیں باوجود اتنے عیوب کے۔ اور بعض تو اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ اپنے عیوب کھولنے لگتے ہیں تاکہ لوگ معتقد نہ رہیں۔ لیکن مقتداء کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں

عوام کا ضرر ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بہت غالب تھا یہ حال تو وضع کا۔ عیب تو نہیں کھولتے تھے لیکن فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے ستاری فرما رکھی ہے کہ لوگوں کو میرے عیوب کی خبر نہیں اس لئے معتقد ہیں۔ ایک مشہور بزرگ حضرت کی خدمت میں آئے اور اظہار عقیدت مندی کرتے رہے۔ جب وہ چلے گئے تو ہمیں خیال ہوا کہ جب ایسے بزرگ حضرت کے معتقد ہیں تو حضرت کے کامل ہونے میں کیا شک ہے۔ مگر ان کے جانے کے بعد حضرت کیا فرماتے ہیں کہ دیکھو حق تعالیٰ کی ستاری کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اہل نظر سے بھی ہمارے عیوب کو چھپا رکھا ہے، میرے عیوب کی انہیں بھی خبر نہیں۔ (صفحہ ۱۹۵)

عسرت سنت انبیاء ہے

عسرت کی شکایت پر فرمایا کہ یہ انبیاء کی سنت ہے۔ رزق جتنا مقدر ہوتا ہے اتنا ہی ملتا ہے۔ اس کا کوئی خاص وظیفہ نہیں۔ ہاں دعا کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سکون دے دیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھ جاتا ہے پھر پریشانی نہیں ہوتی۔ اور تعلق پیدا کرنے کی سب سے بڑی ترکیب یہ ہے کہ خوب دعا مانگا کرے۔ (صفحہ ۱۹۸)

لڑکیوں کے رشتہ نہ ملنے کی وجہ

اس کا ذکر تھا کہ لڑکیوں کے لئے اچھے لڑکے بہت ہی کم ملتے ہیں۔ فرمایا کہ میں نے تو اپنے خاندان کی عورتوں کے سامنے ایک مرتبہ یہ کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑکیوں میں تو صرف لڑکی ہونا دیکھا جاتا ہے اس لئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکوں کے لئے لڑکیاں بہت ہیں اور لڑکوں میں سینکڑوں باتیں دیکھی جاتی ہیں کہ خوبصورت بھی ہو، وجاہت بھی ہو، کھاتا پیتا بھی ہو، عزت بھی ہو، خاندان بھی ہو، عہدہ بھی ہو۔ میں نے کہا کہ اگر اتنی شرطیں جتنی کہ تم لڑکوں میں لگاتی ہو لڑکیوں میں بھی دیکھی جائیں تو ایک لڑکی بھی شادی کے قابل نہ نکلے۔ (صفحہ ۲۱۷)

تعدادِ وظائف کے بارے میں اصول

عرض کیا گیا کہ ورد وظائف زیادہ تعداد میں رکھنا اور تعجب برداشت کرنا اچھا ہے یا

کم تعداد رکھنا اور جمعیت کے ساتھ پورا کرنا۔ فرمایا کہ تھوڑا تعب ہو تو برداشت کرنا چاہئے زیادہ نہیں۔ میری رائے میں اپنے ذمہ تو اسی قدر رکھے جس میں تعب نہ ہو، پھر نشاط دیکھے تو زیادہ کرے۔ اس میں خواہ تھوڑا تعب بھی برداشت کر لے، یہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں طبیعت پر بار نہیں رہتا۔ اور اگر کبھی زیادہ نہ کر سکا تو غم نہیں ہوتا کیونکہ سمجھے گا کہ میرے ذمہ اس قدر تھوڑا ہی تھا اور اگر زیادہ کر لیا تو فرحت ہوگی۔ اپنے ذمہ اسی قدر رکھے جس کو آسانی کے ساتھ نباہ سکے۔ اگر اپنے ذمہ زیادہ رکھا تو ناغہ میں بے برکتی ہوگی اور جو اپنے ذمہ سے زیادہ پڑھتا ہے وہ اگر ناغہ ہو جائے تو اس میں بے برکتی نہیں ہوتی۔ (صفحہ ۲۳۰)

کثرتِ کلام کا قلب پر اثر

فرمایا کہ واقعی کثرتِ کلام اور بک بک سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا ہنڈیا میں اُبال آیا کرے اور ہر ہر وقت مصالحہ ہی نکلا کرے تو ہنڈیا پھیکی رہ جائے گی بیچاری۔ استفسار پر فرمایا کہ پند و نصیحت فی نفسہ مضر نہیں مگر اکثر اس میں بھی ضرورت سے زیادتی ہو جاتی ہے مثلاً غیر ضروری متعلقات و واقعات وغیرہ بیان کرنے لگتا ہے، پھر وہ کلام پند و نصیحت کی حد میں نہیں رہتا۔ عرض کیا گیا کہ تفصیل اور تشریح بھی تو ضروری ہوتی ہے۔ فرمایا کہ تمام کلام تفصیل ہی تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ غیر ضروری باتوں کی بھی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اس واسطے مبتدی کو پند و نصیحت سے بھی منع کیا گیا کیونکہ اس کو ضروری اور غیر ضروری میں تمیز نہیں ہوتی۔ منتہی کو تمیز ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے اندر وجدان پیدا ہو جاتا ہے۔ غیر ضروری کا صدور تو منتہی سے بھی ہوتا ہے مگر متنبہ ہو کر فوراً توبہ کر لیتا ہے، ان حضرات یعنی مبتدی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ منتہی کے قلب پر فوراً ظلمت محسوس ہو جاتی ہے۔ اگر ایک کلمہ بھی بڑھ جاتا ہے، فوراً محسوس ہو جاتا ہے۔ جیسے لقمہ میں اگر بال آجائے تو بال کی کیا حقیقت ہے لیکن فوراً معلوم ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۲۳۶)

رمضان المبارک میں نیند کا غلبہ ہو تو کس نیت سے سوئے

آج کل رمضان المبارک میں شب کو سونے کے لئے بہت کم وقت ملتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ صبح کو بہت غلبہ نیند کا ہوتا ہے، نیند پوری نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ صبح کے وقت خوب سویا کیجئے۔

پھر فرمایا کہ ہمارا تو سونا ہی اچھا ہے ورنہ بیداری میں معصیت ہی کرتے رہتے ہیں۔ اور کچھ نہیں تو سو سے ہی معصیت کے آتے رہتے ہیں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کو کوئی تجلی خواب میں ہو گئی تھی۔ اس کی تمنا میں ہمیشہ سویا ہی کرتے تھے۔ جہاں نماز وغیرہ سے فارغ ہوئے، بس لاؤ تکیہ سوئیں گے۔ ایک وہ تھے جو طلب میں سو رہتے تھے۔ ہم معصیت سے بچنے کے لئے سو جائیں تو کیا مضائقہ ہے۔ (صفحہ ۲۳۸)

رقم کے گننے میں کیا نیت کرنی چاہئے

ایک صاحب نے حضرت کو کچھ روپیہ حوالہ کئے۔ فرمایا کہ چاہے کیسے ہی معتمد شخص سے روپیہ ملیں گننے کو ضرور جی چاہتا ہے۔ روپیہ تو روپیہ پیسے بھی اگر کوئی دے تو انہیں بھی بغیر گنے رکھنے کو جی گوارا نہیں کرتا۔ پھر فرمایا کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ان سے گننے میں غلطی ہو گئی ہو۔ پھر فرمایا کہ گننے میں یہ نیت کر لیا کرے کہ کہیں دوسرے کا میرے پاس زیادہ نہ آ گیا ہو۔ عرض کیا گیا کہ نیت کیا اختیاری ہے؟ ہنس کر فرمایا کہ آپ نے بھی غضب کیا۔ نیت اختیاری نہیں تو کیا غیر اختیاری ہے۔ عرض کیا گیا کہ جب گننے میں نیت تو یہ ہے کہ کہیں کم نہ ہوں پھر یہ نیت کیسے کر لے کہ کہیں زیادہ نہ آ گئے ہوں۔ فرمایا کہ نیت تو فعل اختیاری ہے، اگر نماز کو جی نہ چاہتا ہو تو کیا نیت باندھ کر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ نیت بھی کر سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ بات باریک ہے۔ اور قابل ضبط کرنے کے ہے۔ (صفحہ ۲۳۷)

کوئی نہ کوئی راز دار ہونا چاہئے

ایک صاحب کا راز جو متعلق عشق مجازی کے تھا اور انہوں نے حضرت کو لکھ کر بھیجا تھا، ایک شخص کو اتفاق سے تربیت السالک کی نقل سے معلوم ہو گیا۔ ان صاحب راز کو یہ معلوم کر کے ناگوار ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ آدمی کو ضرور اپنا کوئی راز دار رکھنا چاہئے جس سے ایسے امور کہہ سن سکے۔ اس سے غم میں بہت تخفیف ہو جاتی ہے ورنہ دل ہی دل میں رکھنے سے پریشانی بڑھتی ہے۔ دوسرے سے کہہ کر طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے اور ظاہر کر دینے سے اس

کی وقعت بھی کم ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس قدر ناگوار ہونا میرے نزدیک بوجہ کبر کے ہے۔ عرض کیا گیا کہ وہ متین بہت ہیں اس لئے اس راز کا ظاہر ہو جانا ناگوار ہوگا۔ فرمایا کہ زیادہ متانت ہی کا نام تو کبر ہے۔ متانت کی بھی ایک حد ہے۔ کچھ نہ کچھ شوخی بھی ہونی چاہئے۔ شوخی علامت ہے تواضع کی، شوخ آدمی متواضع ہوتا ہے۔ کئی دن بعد ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ شوخ آدمی میں مکر و فریب نہیں ہوتا۔ بہت متانت میں بعض دفعہ یہ بات ہوتی ہے۔ (صفحہ ۲۹۳)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۸)

حضرت رابعہ بصریہؒ کا ارشاد

فرمایا کہ حضرت رابعہ بصریہؒ سے کسی نے شیطان پر لعنت کرنے کے متعلق پوچھا۔ آپ نے جواب دیا کہ تم سے اس کے متعلق قیامت میں پرسش نہ ہوگی اور جو وقت ذکر اللہ سے خالی ہوگا، اس کی ممکن ہے کہ پرسش ہونے لگے لہذا اپنے کام میں لگنا چاہئے، وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ (صفحہ ۳۳)

آج کل عورتوں کی اصلاح کا طرز

فرمایا کہ عورتوں کی اصلاح کے لئے کافی ہے کہ وہ کتب دینیہ کا مطالعہ کریں۔ باقی آج کل ایسا نمونہ کہ جس کو وہ خود مشاہدہ کر کے اپنے اخلاق درست کریں، عورتوں میں ملنا قریب بہ محال ہے اور خاوندوں کی معتقد نہیں ہوتیں اس لئے بس کتاب پڑھ کر سنایا کریں۔ خاوندوں کو ان کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔ آگے اصلاح چاہے ہو یا نہ ہو بس ان کو کتابیں پڑھ کر سناتے رہیں۔ وہ تو مواخذہ سے بری ہو جائیں گے۔ (صفحہ ۷۱)

مطالعہ کی اہمیت

فرمایا کہ اگر حافظے اچھے ہوں تو کتاب دیکھنے کے برابر کوئی چیز نہیں۔ کتابوں میں سب ہی کچھ لکھا ہے۔ (صفحہ ۷۶)

ملزم کسی ترکیب سے خود کو سزا سے بچالے تو شرعاً گناہ نہیں

فرمایا کہ اگر کوئی ملزم اپنے آپ کو کسی ترکیب سے سزا سے بچالے تو شرعاً کچھ گناہ نہیں بلکہ جائز ہے۔ مثلاً سزائے رجم میں اگر زنا کا اقرار نہ کرے تو رجم سے بچ جائے گا، علیحدہ چپکے سے اللہ میاں سے توبہ کر لے۔ اسی طرح چوری میں جس کی چیز چرائی ہے، اس کی چیز اس کو واپس کر دے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے اور عدالت میں اقرار نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں۔ (صفحہ ۸۶)

عظمتِ خداوندی کے نہ ہونے کی وجہ سے غلطیاں

فرمایا کہ جب کسی مریض کی طرف سے مایوسی ہو جاتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہی کے نام پر پڑا ہوا ہے یعنی ناامیدی میں تو اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور جہاں امید ہوتی ہے وہاں اللہ کے سپرد نہیں کرتے۔ خدا کے سامنے سامان و اسباب کیا چیز ہیں۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح ایک بے ادبی کرتے ہیں کہ کسی واقعہ کو نامناسب و بے موقعہ قرار دے کر اس کے وقوع کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں کہ اجدی خدا تعالیٰ کی ذات بے پرواہ ہے۔ اصل میں یہ ترجمہ ہے غنی کا اور غنی کے معنی غیر محتاج کے ہیں مگر لوگ اس کا مطلب مصلحت کی رعایت نہ کرنے والے کا سمجھتے ہیں کہ جو جی میں آیا کر دیا، جس کو چاہا مار ڈالا، جس پر جو چاہا کر دیا، کچھ انتظام اور قاعدے مقرر نہیں ہیں۔ نعوذ باللہ

حالانکہ غنی کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک کی ذات غیر محتاج ہے۔ نہ اس کو کسی کی عبادت سے نفع پہنچتا ہے اور نہ کسی کی سرکشی سے ضرر پہنچتا ہے۔ اسی طرح اکثر لوگ بالکل معمولی بات سمجھ کر اپنے اوپر الزام مٹانے کو اپنے محاورہ میں کہہ دیتے ہیں کہ کیا کریں قسمت میں یوں ہی لکھا تھا۔ اس کہنے کا تو گویا یہ مطلب ہوا کہ ہماری خطا نہیں نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ پر الزام ہے کہ انہوں نے اسی طرح تجویز کر دیا کیونکہ تقدیر کے معنی یہی ہیں۔ یہ بھی بڑی ہی سخت بات ہے مگر خیال نہیں کیا جاتا۔ وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا دھیان باندھا کریں تو قلب میں عظمتِ خداوندی پیدا ہو جائے اور ایسی غلطیاں نہ ہوں۔ (صفحہ ۱۰۶)

کراماً کا تبین کو نظر سے پوشیدہ رکھنے کی حکمت

فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے کسی کام میں مشغول ہو تو اس کو ٹکٹگی باندھ کر نہ دیکھنا چاہئے۔ ٹکٹگی باندھ کر دیکھنا ادب کے خلاف ہے۔ اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے جیسے کہ کوئی کسی کو پکڑ کر دابے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اتنی رعایت کی ہے کہ کراماً کا تبین کو نظر سے پوشیدہ کر دیا ورنہ اگر وہ نظر آتے تو ان کے ہر وقت کے تکتے رہنے سے لوگوں کو

سخت تکلیف ہوتی۔ اللہ پاک نے تو یہاں تک رعایت فرمائی مگر ہمارے بھائی ذرا بھی رعایت نہیں کرتے۔ چونکہ نظر بازی کی عادت ہے اس لئے گھور کر دیکھتے ہیں۔ تصویر شیخ کی ناپسندیدگی کی جبکہ وہ صاحب کشف ہوا ایک یہ وجہ بھی ہے کہ جب اس کو یہ اطلاع ہوگی کہ فلاں شخص مجھے تکلیف کی باندھے دیکھ رہا ہے تو اس پر بار ہوگا۔ (صفحہ ۱۱۷)

جنت کی جامع تعریف

فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جنت کی تعریف میں کیا فصیح و بلیغ اور جامع اور چھوٹا سا جملہ ارشاد فرمایا کہ بہشت میں چھوٹی سی خدائی ہوگی۔ یہ خدا کی شان ہے کہ کن کہہ دیا اور ہو گیا۔ جنتی کی خواہش کا فوراً ہی ظہور ہو جانا اسی شان کا ظہور ہے۔ پھر فرمایا کہ گراموفون کی ایجاد سے منکرین کی گردنیں پست ہو گئیں۔ پس اسی طرح جنت میں اگر کوڑا اور چوکھٹ بولیں تو کیا بعید ہے۔ (صفحہ ۱۲۹)

باطل کی تصانیف دیکھنا مضر ہے

فرمایا کہ اہل باطل کی تصانیف میں جو بظاہر مفید ہوں، باطل کی جھلک ہوتی ہے اور اہل حق اس کا پردہ فاش کر دیتے ہیں۔ اس لئے باطل کی تصانیف مفیدہ کا دیکھنا بھی مضر ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ ریل میں ایک عیسائی نے مجھ سے کہا کہ تم انجیل دیکھا کرو کہ اس میں بہت سے علوم ہیں۔ میں نے کہا کہ تم قرآن دیکھا کرو، اس میں اس سے زیادہ علوم ہیں۔ اس نے کہا کہ ہم قرآن دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا تو اس سے معلوم ہوا کہ تمہاری شریعت خود تمہارے نزدیک بھی کافی نہیں ہے جو دوسری کتابوں سے علوم ڈھونڈتے ہو اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے اس لئے ہمیں انجیل وغیرہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جواب سن کر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ (صفحہ ۱۳۹)

امورِ باطنی میں محض کتاب دیکھ کر کوئی عمل نہ کرے

فرمایا کہ مسائل کی باتوں کے سوائے اور امورِ باطنی میں محض کتاب دیکھ کر بلا

دریافت کئے ہوئے عمل نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ایک بات ایک شخص کے لئے مفید ہوتی ہے اور دوسرے کے لئے مضر ہوتی ہے۔ سب کے لئے یکساں حکم نہیں ہے اس لئے بغیر پوچھے عمل نہ کرے۔ (صفحہ ۱۶۳)

سنت یہی ہے کہ کسی بات کا امتیاز نہ کرے

فرمایا کہ ترک معاصی کا علاج اصل ہمت ہے۔ اس کی اعانت کے لئے اکسیر صحبت ہے۔ دوسرے شخص کی صحبت کی برکت سے ہمت میں تقویت ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ عادت ہو جاتی ہے۔ مگر اب بجائے ہمت کے لوگوں کو اول تلاش ہوتی ہے وظیفہ کی۔ یہ غلطی بتلانے والوں کی ہے کہ امراض باطنی کے علاج کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے لیکن ہمت کو چھوڑ کر وظیفوں کی طرف اس لئے دوڑتے ہیں کہ ہمت کی تو کوئی صورت محسوس نہیں تو لوگوں کی نظر میں اس سے امتیاز نہیں ہوتا اس لئے اس سے بھاگتے ہیں اور رات کو جاگنے اور وظیفہ پڑھنے کو بزرگی سمجھتے ہیں کیونکہ اس صورت کے محسوس ہونے سے اس کی شہرت ہوتی ہے مثلاً ان باتوں کی شہرت نہیں ہوتی کہ فلاں شخص کینہ نہیں رکھتا، غیبت نہیں کرتا، غصہ کو ضبط کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھتے تھے اور سب کے ساتھ اٹھ جاتے تھے۔ کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کتنا کھایا اور کھاتے وہی ایک چپاتی یا ڈیڑھ چپاتی۔ اسی وجہ سے ان امور میں شہرت نہیں ہوتی اور بعض لوگوں نے گہوں کھانا چھوڑ دیا، ان کی شہرت ہو جاتی ہے۔ مگر سنت یہی ہے کہ کوئی بات امتیاز کی نہ کرے چنانچہ حضور سرور عالم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ گہوں کی روٹی ہو، گھی سے چڑی ہوئی ہو۔ پھر جب تیار ہو کر آئی تو اس میں جو گھی لگایا گیا تھا اس میں کچھ بوا آتی تھی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ جس کپی میں گھی تھا وہ سوسمار یعنی گوہ کے چمڑے کی تھی لہذا آپ نے نوش نہیں فرمائی اور دوبارہ اس کی تیاری کا اہتمام بھی نہیں فرمایا اور دل چاہنے کو صاف فرما دیا۔

آج کل ممتاز لوگ ایسے اظہار کو عیب سمجھتے ہیں، وہی خرابی امتیاز کی ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کیفیت تھی کہ سب چیز جو آتی تھی کھاتے تھے مگر قلیل اس قدر

کہ نام تو ہوتا کھانے کا مگر نہ کھانے کے برابر، یہ سخت مجاہدہ تھا۔ تھوڑا کھانے سے بالکل نہ کھانا اور روزہ رکھ لینا آسان ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امراء کے آنے پر ان کی خاطر کرتے تھے، فرش وغیرہ بچھوا دیتے تھے، چائے تیار کراتے تھے۔ یہ طریقہ حضرت کا سنت کے موافق تھا۔ ہر شخص کی عزت اس کے درجہ کے برابر کرنی چاہئے، اس سے شہرت کم ہوتی ہے ورنہ لوگ نہ معلوم کیا کیا خیال کرتے ہیں۔ (صفحہ ۱۶۸)

کچھ لوگ نفع رسانی کے لئے پیدا ہوتے ہیں

فرمایا کہ بعض کو حق تعالیٰ نفع رسانی کے لئے پیدا فرماتے ہیں اور بعض کو خود ممتنع ہونے کے لئے جس طرح کہ بعض لوگ جسم کے قوی ہوتے ہیں مگر ان کے اولاد نہیں ہوتی۔ اسی طرح بعض اعلیٰ درجہ کے شیخ ہوتے ہیں مگر ان سے دوسروں کو نفع نہیں ہوتا اور بعضوں کا ایسا نفع ہوتا ہے کہ خود ان کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً منصب امامت میں لکھا ہے کہ بعض بزرگوں کی برکات اس قسم کی ہوتی ہیں جیسے آفتاب کے انوار۔ آفتاب کو خبر بھی نہیں ہوتی اور روشنی تمام عالم کو پہنچتی رہتی ہے۔ اسی طرح بعض بزرگوں کا نفع دور دور تک پہنچتا ہے۔ (صفحہ ۲۲۹)

مسئلہ کا جواب دینے کا طریقہ

فرمایا کہ جب کسی سوال کے جواب میں شرح صدر و شفاء قلب نہ ہو صاف جواب دیدے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ ہر سوال کے لئے ضروری نہیں کہ اس کا جواب ہی دیا جاوے۔ نیز یہ بھی تو جواب ہے کہ ہم کو معلوم نہیں لیکن لوگ جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں خواہ شفاء قلب ہو یا نہ ہو۔ یہ جائز نہیں، جب تک شفاء قلب نہ ہو کسی مسئلہ کا جواب نہ دیا جاوے۔ (صفحہ ۲۳۱)

ذکر اللہ کے لئے ابتداء نیت کی ضرورت ہے

فرمایا کہ جب آپ چلتے ہیں تو ہر قدم ہر ارادہ ہوتا ہے مگر وہ ارادہ معلوم نہیں ہوتا کیونکہ چلنے کا برابر سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ارادہ کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح ذکر اللہ

کے لئے ابتداء میں قصد اور نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آخر میں نیت اور قصد کچھ بھی نہیں رہتا۔ اگر کوئی کہے کہ صاحب جب نیت اور قصد نہیں تو ثواب نہ ملنا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پہلا ارادہ برابر چلا جا رہا ہے۔ (صفحہ ۲۸۳)

کتابوں سے فائدہ حاصل کرنے کی شرط

فرمایا کہ اصل دین کا مادہ پیدا کرنے کی چیز صحبت ہے۔ یوں کتابوں کے دیکھنے سے بھی نفع ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس قصد سے دیکھے کہ باطن درست ہو اور یہ قصد بھی رکھے کہ جہاں ذرا شبہ ہو گا کسی سے پوچھوں گا۔ (صفحہ ۲۸۹)

حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ

فرمایا کہ یہی رستہ ہے حق تعالیٰ تک پہنچنے کا کہ اخلاقِ رذیلہ جاتے رہیں، اخلاقِ حمیدہ پیدا ہو جائیں، معاصی چھوٹ جائیں، اطاعت کی توفیق ہو جائے، غفلت عن اللہ جاتی رہے اور توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے۔ (صفحہ ۳۰۲)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۹)

افکار و ہوموم سے نجات کا نسخہ

حضرت مولانا رشید احمد لنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا کہ کسی سے کسی قسم کی توقع مت رکھو چنانچہ مجھ سے بھی توقع مت رکھو۔ یہ بات دین و دنیا دونوں کا گر ہے۔ جس شخص کی یہ حالت ہوگی وہ افکار و ہوموم سے نجات پا جائے گا۔ (صفحہ ۳۷)

شیخ وہ ہے کہ مصلح ہو نہ اصلاح نہ ہو

فرمایا کہ شیخ وہ ہے کہ مصلح ہو نہ اصلاح نہ ہو۔ یہ کافی نہیں ہے۔ ولی کے لئے صالح ہونے کی ضرورت ہے، مصلح ہو یا نہ ہو۔ اور شیخ اور ولی ہونے کے لئے دونوں کی جمع ہونے کی ضرورت ہے کہ صالح بھی ہو اور مصلح بھی ہو۔ بعض لوگوں کی غرض وعظ کہنے سے طلب عزت ہوتی ہے کہ لوگوں کی نظر میں ہم بڑے شمار ہوں اور یہ خیال رہزن طریق ہے۔ طالب کی تو یہ حالت ہونی چاہئے کہ اگر اس کے جوتیاں بھی لگیں تو کچھ پرواہ نہ ہو۔ اس کے لئے بھی تیار رہے البتہ خدا کی جانب سے عزت ملنا یہ عطا ہے مگر اپنا قصد عزت کا نہ ہونا چاہئے بلکہ خود بے عزتی کے لئے آمادہ رہے۔ خواہ اس طرف سے کچھ بھی عطا ہو۔ اور صالح کے واسطے مصلح ہونا ضروری نہیں۔ جیسے ہندوستان میں غلام پہلوان تھا کہ خود ہٹا کٹا اور تندرست تھا مگر دوسرے کو تندرست نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے کوئی زکام کا نسخہ تو لکھوا لیتا۔ وہ کبھی نہ لکھ سکتا اور نہ اپنے جیسا کر سکتا تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص خود تندرست ہو مگر دوسرے کو تندرست نہ کر سکے۔

بعض لوگ صالح عند اللہ ہوتے ہیں اور صالح بھی ایسے کہ باعتبار قرب عند اللہ کے مصلح سے بھی بڑے ہوئے ہیں مگر مصلح نہیں ہوتے۔ اصلاح تو ایک فن ہے۔ جو اس سے واقف ہے وہ ہی اصلاح کر سکتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ مصلح تو ہیں یعنی فن سے واقف

ہیں اور فن کے سبب دوسرے کو مشورہ دے سکتے ہیں لیکن خود متقی و صالح نہیں۔ ایسے لوگوں کے رستہ بتلانے میں برکت نہیں ہوتی۔ عادتہ اللہ ہے کہ جو ایسوں سے رجوع کرتے ہیں ان کو طریقہ پر آمادگی نہیں ہوتی۔ شیخ کو چاہئے کہ اپنے لئے خلوت کا بھی کچھ نہ کچھ وقت تجویز کرے، اس سے بھی برکت ہوتی ہے۔ میں مبتدیوں کو وعظ کی اجازت نہیں دیتا اور منتہی میں سے بھی سب کو نہیں بلکہ ان کے اخلاق دیکھتا ہوں کہ ان پر وعظ کہنے کا کیا اثر پڑے گا۔ مناسب حال کام کرتا ہوں۔ (صفحہ ۴۶)

ترک لایعنی کی اہمیت

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط میرے پاس آیا کہ فلاں امر شرعی میں کیا حکمت ہے؟ میں نے لکھا کہ سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے؟ خدا کے فعل کی حکمت معلوم کرنا تو مشکل ہے، تم اپنے ہی فعل کی حکمت بتلاؤ۔ ایک شخص نے اس پر کہا کہ اس لئے دریافت کرتے ہیں کہ دوسرے کو جواب دے سکیں۔ میں نے کہا کہ اس کا جواب یہ دو کہ یہ کام ہمارا نہیں، ہم ناواقف ہیں، ہمارے علماء سے پوچھو۔ اور میں نے کہا کہ جب آپ اس فن سے واقف ہی نہیں، علم تم کو نہیں پھر مخالفین کی باتوں کا کہاں تک جواب دو گے۔ اور ایک حکم کی حکمت پوچھ کر اس کو جواب دے بھی دیا تو دوسرے سوالوں پر کیا جواب دو گے۔ آخر خاموش ہی رہو گے اس لئے سیدھی بات کہہ دو کہ ہمیں خبر نہیں، ہمارے علماء سے پوچھو۔ یہ محض لایعنی باتیں ہیں جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیه۔ یعنی جس بات میں کوئی فائدہ نہ ہو اس کو ترک کر دینا چاہئے۔ جس کا عمل اس پر ہوگا اس کی زندگی بڑی حلاوت کی ہوگی۔ خیر دنیا اور خیر عقبیٰ دونوں اسی کو حاصل ہوں گی۔ لایعنی باتوں میں بڑا وقت برباد ہوتا ہے۔ (صفحہ ۵۲)

کبر بشکل تواضع

فرمایا کہ بڑے بننے میں لوگوں کو حظ ہوتا ہے حالانکہ چھوٹے ہونے میں حظ ہے کیونکہ بڑے بننے میں سارے بار اس پر آ جاتے ہیں۔ ہاں اگر منجانب اللہ کوئی خدمت اس

کے سپرد ہو جائے تو اس کی اعانت ہوتی ہے۔ اور خود بڑا بننے میں اعانت نہیں ہوتی۔ اور جبکہ وہ بڑائی بھی جو کہ بلا قصد خود ملے، وہ بھی محل خطر ہے تو خود بڑا بننے کا تو کچھ کہنا ہی نہیں اور ایسے لوگ کم ہیں کہ سامان بڑائی کا ہو اور گمان بڑائی کا نہ آئے۔ یہ صدیقین کا کام ہے اور یہ امتحان کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں حب جاہ ہے یا نہیں۔ اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ لوگ اس کو حضور کہتے ہوں تو وہ دیکھے کہ تم کہنے کا اثر اس پر کیا ہوتا ہے۔

امتحان کے وقت معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں حب جاہ کتنی ہے کہ ہم زوال جاہ کے اسباب سے متاثر ہوئے یا نہیں۔ اور کون ٹٹولتا ہے دلوں کو، پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ ہم لوگ بری زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض کبر بشل تو اضع ہوتا ہے کہ صورت تو تواضع کی مگر ہے کبر۔ اس طرح سے کہ وہ یہ تواضع اس غرض سے کرتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک یہ خصلت معظم ہے، مجھ کو معظم سمجھیں گے۔ بعض اس لئے کرتے ہیں کہ اس سے لوگ زیادہ مدح کرتے ہیں۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی کے منہ پر آ کر اس کی مدح کرتا ہے کہ آپ ایسے ہیں اور ویسے ہیں۔ اور وہ اس کو رد کرتا ہے کہ میں اس قابل کہاں ہوں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ آپ تو ایسے ہی ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ میں کس قابل ہوں۔ ظاہراً تو ممدوح صاحب مادح کے روبرو بچھے جاتے ہیں مگر قلب کی حالت خود دیکھ لے۔ پس یہ صورت تو تواضع کی ہے مگر ہے کبر ورنہ اس پر مدح کا اثر کیوں ہو رہا ہے۔ جس میں کبر نہیں ہوتا اس کے نزدیک مدح و ذم دونوں مساوی ہیں۔ اس پر دونوں کا اثر نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۵۳)

چند آداب سلوک

فرمایا کہ اس کا زیادہ خیال رکھنا چاہئے کہ تحریر، تقریر، رفتار، گفتار، نشست و برخاست ایسی ہو کہ پڑھنے والے، دیکھنے والے، سننے والے کو ذرا الجھن نہ ہو اور کسی کی دل شکنی کا باعث نہ بنے۔ اکل حلال کا بہت خیال رکھے کہ یہ طاعت کرنے کا آلہ ہے اور گناہوں سے بچنے کا اوزار ہے۔ لوگ اس میں بہت کوتاہی کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اور

رسول اللہ ﷺ اور بزرگانِ دین اسی کی زیادہ تاکید کرتے ہیں کیونکہ اگر اچھا لقمہ کھائے گا تو اچھے کام اعضاء سے ظاہر ہوں گے اور خراب لقمہ کھائے گا تو خراب کام اعضاء سے ظاہر ہوں گے۔ اور کچھ دن صحبتِ شیخ میں ضرور رہے۔ اس سے بہت فائدے ہوں گے۔ شیخ کے طرز و انداز سے واقفیت ہوگی، مناسبت ہوگی، حجاب و تکلف جو درمیان میں ہیں وہ دور ہو جائیں گے اور یہی ذریعہ حصولِ مقصود کا ہے۔ کچھ دن قیام کے بعد اگر شیخ سے غائب رہ کر بھی کام کرے گا تب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ کام ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تانبے سے کندن جب ہی ہوگا جب صحبت میں رہے گا۔ (صفحہ ۱۴۴)

دنیا پر دین کو مقدم رکھے

فرمایا کہ دنیا کو سرائے اور مسافر خانہ سمجھے اور آخرت کو اپنا گھر سمجھے۔ اگر ان دونوں باتوں کو خوب ذہن نشین کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ساری مصیبتیں حل ہو جائیں۔ جس طرح دنیا کے سفر کی مصیبتیں وطن کے آرام کا خیال کر کے ہوا ہو جاتی ہیں، اسی طرح آخرت کے آرام کا خیال کر کے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت ان شاء اللہ تعالیٰ آسان ہو جائے گی۔ ساری خرابیاں آخرت کے بھلانے سے اور دنیا کے پیش نظر رکھنے سے ہوتی ہیں۔ دنیا پر دین کو مقدم رکھے ان شاء اللہ تعالیٰ تقدیمِ آخرت کی برکت سے دنیا بھی ٹھیک ہو جائے گی اور حدیث شریف میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔

من جعل الهموم هما واحدا، هم آخرته، كفاه الله هم دنياہ۔
(ترجمہ: جس شخص نے اپنے تمام تفکرات کو ایک ہی فکر یعنی فکرِ آخرت میں ڈھال لیا، اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے تفکرات سے بچا لیتا ہے)
اور اگر دنیا کو دین پر مقدم کرے گا تو دنیا تو تقدیر سے زیادہ نہ ملے گی مگر آخرت تو بالکل برباد ہو جائے گی۔ نعوذ باللہ من ذلک (صفحہ ۱۴۵)

اعمالِ ظاہری کی اصلاح کا طریقہ

فرمایا کہ ہر کام کا ایک قاعدہ ہوتا ہے اور کام قاعدہ سے ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کام کو بے قاعدہ کرنا نہیں چاہئے۔ آپ تعلیم چاہتے ہیں تو اس طریق کی تعلیم باقاعدہ یہ ہے کہ سب سے پہلے زیادہ ضرورت ہے اعمال کے درست کرنے کی۔ اعمال میں نماز و روزہ، عبادات، اخلاق سب آگئے۔ سب سے زیادہ ضرورت ان کی اصلاح کی ہے۔ اب لوگ وظیفوں کو اختیار کرتے ہیں حالانکہ اصل چیز یہ ہیں۔ اگر یہ درست نہیں تو کچھ بھی نہیں خواہ وظیفہ کتنے ہی گھنٹہ کرو اور اگر یہ اعمال درست ہوں اور وظیفے بالکل نہ ہوں تو حرج نہیں اور اعمال کی درستی کی عمدہ تدبیر یہ ہے کہ جو کام کیا جائے اول سوچ لیا جائے کہ یہ کام حق تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے یا ناخوشی کا باعث ہے۔ اگر خود کو یہ بات معلوم ہو کہ دونوں قسموں میں سے کون سی قسم میں داخل ہے تو اس کے موافق عمل کیا جائے اور اگر معلوم نہ ہو تو اس کے کرنے سے پہلے کسی سے پوچھ لیا جائے۔ یہ ایسی تدبیر ہے کہ جس سے ہر شخص اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ اس میں تمام افعال آگئے، ہاتھ کے پیر کے زبان کے سب افعال میں یہی التزام کرے کہ بے پوچھے نہ کروں گا۔ تجربہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ کس درجہ مفید اور سہل تدبیر ہے۔ تو یہ تدبیر ہے اعمالِ ظاہری کی اصلاح کی۔ (صفحہ ۱۷۷)

کھانا کھانے کے بعض آداب

فرمایا کہ کھانے کے وقت قوتِ فکر یہ کو دوسری طرف صرف نہ کرنا چاہئے۔ ایک جگہ ایک شخص نے دسترخوان پر سوال و جواب شروع کر دیئے۔ میں نے کہا کہ یہ جلسہ اس کا نہیں ہے۔ قوتِ فکر یہ کو دوسری طرف متوجہ کرنے سے کھانے کے لطف میں کمی ہوتی ہے۔ اور کھانے کا ادب یہ بھی ہے کہ اس پر ایک جنس کے لوگ ہوں۔ اگر غیر جنس ہوتا ہے تو طبیعت منقبض ہوتی ہے۔ کھانے کا جلسہ بے تکلف ہونا چاہئے اس لئے میزبان نئے آدمی کو کسی مہمان کے ساتھ شریک کرنا چاہے تو مہمان سے اس کے کھانے کی اجازت لے لے۔ ممکن ہے کہ وہ غیر جنس ہو اور اس وجہ سے مہمانوں کی طبائع مختلف ہوں اور کھانا بھی

بار ہو جائے۔ (صفحہ ۱۹۰)

(نوٹ: غیر جنس سے مراد مختلف الخیال و مزاج لوگ ہیں جن سے باہم مناسبت نہ ہو)

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا

فرمایا کہ یہ جو دستور ہے کہ بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا، میں نے تھانہ بھون میں اس کو موقوف کر دیا ہے۔ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے اپنے بزرگوں کے پاس آنے والے لوگوں کو دیکھا ہے، وہ ان کے ہاتھ پاؤں نہیں چومتے تھے۔ مگر اب ایک رسم ہو گئی ہے۔ میں اوروں کے لئے منع نہیں کرتا مگر مجھے اپنے لئے پسند نہیں۔ کیونکہ اول تو اس میں افراط فی التعظیم کی شکل معلوم ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بعض دفعہ قلب میں جوشِ محبت ہوتا ہے اور وہ جوش سے ایسا کرتے ہیں اور بعض جوش نہ ہونے سے ایسا کرنا نہیں چاہتے مگر شرم کی وجہ سے کر لیتے ہیں۔ سو یہ ریا ہوا اور یہ اول چومنے والا سبب ہوا یا کا۔ تو ایسا کام ہی مت کر و جس کی وجہ سے سبب بنو یا کے۔ اگرچہ فتویٰ کی رو سے فی نفسہ جائز ہے مگر بعض عوارض کی جہ سے قبیح لغیرہ کہہ سکتے ہیں جیسا کہ بعض مدح کو قبیح کہا گیا ہے جب کہ حد سے بڑھی ہوئی ہو۔ اسی طرح یہاں بھی سمجھ لو۔ ایک خرابی یہ ہے کہ جس کے ہاتھ چومتے ہیں وہ بعض اوقات اپنے کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ (صفحہ ۱۹۷)

مسلمان کی شان

فرمایا کہ ہر قل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق اپیلچی سے دریافت کیا تھا کہ تمہارے خلیفہ کیسے ہیں تو اپیلچی نے یہ کہا تھا۔ لایخددع ولا یخددع۔ یعنی نہ دھوکہ دیتے ہیں اور نہ دھوکہ کھاتے ہیں۔ اس پر ہر قل نے ارکانِ دولت سے کہا کہ دھوکہ نہ دینے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ شخص اعلیٰ درجہ کا دیندار ہے اور دھوکہ نہ کھانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کا عاقل شخص ہے اور جس میں یہ دونوں چیزیں ہوں اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ نہ دھوکہ کھاتا ہو اور نہ دیتا ہو۔ ہاں مسلمان کبھی کرم کے سبب دھوکہ تو کھا جاتا ہے مگر دیتا کبھی نہیں۔ (صفحہ ۲۲۰)

عارف کا ہدیان بھی عرفان ہے

فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عارف کا ہدیان بھی عرفان ہوتا ہے۔ اس کی اصل بھی وہی ہے کہ جو جس خیال میں ہوتا ہے وہی ہدیان میں بھی خیالات آتے ہیں۔ اس لئے اہل طریق کوشش کرتے ہیں کہ دوسری چیز اپنے اوپر غالب کر لیں یعنی خدا تعالیٰ کی یاد تاکہ موت کے وقت وہی خیال رہے۔ (صفحہ ۲۲۶)

تواضع کی تعلیم

فرمایا کہ لوگ تو کوشش کرتے ہیں کہ اتفاق ہو اور میں تواضع کی تعلیم کرتا ہوں، اس سے خود اتفاق ہو جائے گا۔ تکبر جو جڑ ہے نا اتفاقی کی، اس کو مٹایا جائے اور پستی اختیار کی جائے بس اتفاق ہو جائے گا۔ ورنہ جو اتفاق کے اسباب ہیں جب تک وہ نہ ہوں تو کیسے اتفاق ہو سکتا ہے۔ یہ بات حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بتلائی ہوئی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ آج کل عقلاء اتفاق کی تو کوشش کر رہے ہیں مگر اس کے اصول ان کے ذہن میں نہیں آئے۔ اسی لئے جو لوگ اتفاق کی کوشش کرتے ہیں خود ان میں تواضع نہیں تکبر ہے پھر اتفاق کیسے ہو۔ (صفحہ ۲۳۷)

عجیب شانِ رحمت

فاستلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت میں ایک ایسا قانون بیان فرمایا ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کی غایت رحمت معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر تم کو کوئی بات معلوم نہ ہو تو اہل ذکر سے دریافت کر لیا کرو۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ اس میں کیا رحمت ہوئی، جو بات معلوم نہ ہوگی وہ تو جاننے والوں سے دریافت ہی کی جائے گی۔ بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک مقدمہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی کو کوئی بات معلوم نہ ہو اور وہ کسی عالم سے دریافت کرے اور عالم غلط مسئلہ بتلائے تو نہ جاننے والے سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ من

افتی بغیر علم فائمه علی من افتاه۔

اب غور کیجئے کہ دنیا میں کسی سلطنت کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ اگر کسی کو قانون معلوم نہ ہو اور وہ کسی وکیل سے قانون دریافت کرے اور وہ غلط بتلا دے تو اس جاہل کو معذور سمجھا جائے اور وکیل سے مواخذہ کیا جائے بلکہ تمام سلاطین رعایا کو اس کا مکلف کرتے ہیں کہ صحیح قانون دریافت کر کے اس پر عمل کریں، اگر دریافت کیا گیا اور اس کو غلط قانون بتلایا گیا تو کوئی اس کو معذور نہیں سمجھتا۔ مگر حق تعالیٰ کی یہ غایت رحمت ہے کہ جاہلوں کو صحیح قانون معلوم کرنے کا مکلف نہیں بنایا بلکہ ان کے ذمہ صرف ایسے شخص سے دریافت کرنا ضروری ہے جس کو اس کا اہل سمجھا۔ پھر دریافت کرنے کے بعد اگر ان کو غلط مسئلہ بتلایا جائے تو اس کا مواخذہ غلط بتلانے والے سے ہوگا۔ بتلائیے کہ اگر قیامت میں یہ سوال کیا جائے کہ تم نے فلاں کام خلاف شرع کیوں کیا اور وہاں یہ جواب دیا جائے کہ ہم نے فلاں عالم سے دریافت کیا تھا، اس نے یہی بتلایا تھا۔ اس پر کہا جائے کہ اس نے غلط بتلایا مگر تم کو پوری تحقیق کرنی ضروری تھی تو کیا حال ہوتا۔ اب یہ کس قدر رحمت ہے کہ تحقیق کامل کا مکلف نہیں بنایا گیا بلکہ صرف دریافت کرنے کا مکلف بنایا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت پر عمل کرنا نہایت سہل ہے۔ اگر کسی کو تحقیق نہ ہو تو کسی محقق سے دریافت کر لے، بس یہ بری الذمہ ہو گیا۔ بتلائیے کہ یہ غایت رحمت ہے یا نہیں۔ (صفحہ ۲۷۳)

قصہ عدم ایذا کا اہتمام

فرمایا کہ اگر قصد کسی کو ایذا پہنچائے وہ بھی برا ہے اور اگر قصد تو ایذا کا نہ ہو مگر ایسا فعل کرے جو سبب ہو ایذا کا یہ بھی برا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دو عورتوں کا ذکر ہوا کہ ایک عورت ہے کہ وہ نماز روزہ تو خوب کرتی ہے یعنی فرائض کے علاوہ مگر اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ہی فی النار کہ وہ جہنم میں جائے گی۔ اور دوسری عورت کی بابت ذکر ہوا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک عورت ہے کہ نماز وغیرہ تو بہت نہیں پڑھتی یعنی فرائض کے علاوہ مگر پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا

ہی فی الجنة کہ وہ جنت میں جائے گی۔ دیکھ لیجئے ایذا پہنچانا ایسا ہے۔ اس کا اہتمام نماز روزہ سے بھی زیادہ کرنا چاہئے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جتنی چیزیں حقوق اللہ کہلاتی ہیں وہ حقیقت میں حقوقِ نفس ہی ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ کیونکہ ان کے ضائع کرنے اپنے ہی نفس کو ضرر ہے، خدا کا تو کوئی ضرر نہیں اور ایذا دینا کسی کو یہ حقوقِ غیر سے ہے اور حقوقِ غیر کا اہتمام اپنے نفس کے حقوق سے ظاہر بات ہے کہ زیادہ ہونا چاہئے۔

اس لئے اس کا اہتمام روزہ و نماز سے بھی زیادہ ہونا چاہئے، نہ اس وجہ سے کہ یہ امور ارکانِ اسلام ہیں۔ ارکانِ اسلام تو نماز روزہ ہی ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یہ حقوقِ غیر ہیں، ان کے اخلاص سے دوسروں کے مواخذہ کا ڈر ہے جو کہ کریم نہیں۔ اس لئے ان کا اہتمام زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے۔ (صفحہ ۳۰۳)

بدنگاہی سے بچنا اختیاری فعل ہے

فرمایا کہ لوگوں سے رات کو جاگنا اور کم کھانا اور نوافل پڑھنا وغیرہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ باقی گناہ سے اپنے کو بچانا یہ نہیں ہو سکتا حالانکہ یہ اس سے سہل ہے۔ بات یہ ہے کہ قصد ہی نہیں گناہ کے چھوڑنے کا۔ پھر بدنگاہی کے گناہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اگر آدمی نیچی نگاہ کر لے تو کیا کوئی زبردستی اونچی کر دے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نفس میں تقاضہ ہوتا ہے کہ نگاہ اٹھائیں مگر یہ تو کر سکتا ہے کہ اس تقاضہ پر عمل نہ کرے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی کہے کہ نگاہ کا بچنا قدرت میں نہیں تو بالکل غلط ہے۔ اگر کوئی حاکم یا پیر ہو جسے یہ بڑا سمجھتا ہو اور وہ سامنے ہو تو کیا ممکن ہے کہ اس کے دیکھتے ہوئے اس شخص کی نگاہ اوپر کواٹھ سکے۔

ایک صاحب یہاں آئے تھے۔ وہ بھی اس پر مصر تھے کہ نگاہ بچنا قدرت میں نہیں۔ میں کہتا تھا کہ ذرا سوچئے۔ اس کے بعد ان کا خط آیا تھا کہ واقعی میری غلطی تھی کہ میں قدرت سے خارج سمجھتا تھا۔ موٹی سی بات ہے۔ صاحبِ علم اس کے اختیاری ہونے کو اتنی بات سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر قدرت نہ ہوتی تو قرآن شریف میں یہ حکم کیوں ہوتا قل للمؤمنین یغضوا من ابصارہم کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا تو کیا یہ کلام

کاذب ہے۔ پھر حضرت نے افسوس سے فرمایا کہ بس جی لوگ یوں چاہتے ہیں کہ مزہ میں بھی خلل نہ ہو اور کام بھی بن جائے۔ مجاہدہ خلافِ نفس کرنے کو کہتے ہیں اور یہ نامحرم کی جانب نگاہ نہ کرنا اور دل میں اس کا خیال نہ لانا ہر وقت کا مجاہدہ ہے اس لئے اس سے دم نکلتا ہے۔ ہاں سوؤ مت، کھاؤ مت اس کے کرنے کو تیار ہیں مگر گناہ نہیں چھوڑا جاتا۔ (صفحہ ۳۱۰)

بعض آدابِ شیخ

طریق میں اس کا بڑا اہتمام ہے کہ کسی کو کسی سے ایذا نہ ہو۔ مشائخ نے تو یہاں تک مبالغہ کیا ہے راحتِ رسانی میں کہ اپنے شیخ کے آداب میں لکھا ہے کہ جب وہ کسی طرف مشغول ہو تو اس کو سلام بھی نہ کرے کیونکہ سلام کرنے سے اس کی توجہ اس طرف منقطع ہو جائے گی اور شاید دوسری طرف سے اس طرف متوجہ ہونا اس کے دل پر بار ہو۔ اگر مشائخ کا قول شرعی حجت نہ ہو تو فقہاء کا قول تو شرعی حجت ہے۔ فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ جس وقت کوئی دوسری طرف مشغول ہو تو اس وقت سلام نہ کرے اور مشغولی کی تین صورتیں لکھی ہیں۔ یا تو معصیت میں مشغول ہو یا اطاعت میں یا کسی حاجتِ طبعیہ میں۔ تینوں صورتوں میں منع کیا ہے۔ اول میں تو اہانت کے لئے، اور ثانی غالٹ میں حرج کے سبب۔ بعض اوقات کھانا منہ میں ہوتا ہے اور یہ شخص اس کو اتارنا چاہتا ہے، اتنے میں کسی نے کہا السلام علیکم اور طبعی بات ہے کہ جواب کا تقاضا سلام سننے کے ساتھ ہی فوراً ہوتا ہے تو اگر ایسی حالت میں جواب دیا تو بعض اوقات لقمہ منہ میں اٹک جاتا ہے۔ بس خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص مشغول ہو اس کو سلام نہ کرنا چاہئے۔ چپکے جا کر بیٹھ جائے۔ بس جو مصلحتِ صوفیاء کا حاصل تھا وہی فقہاء کا حاصل ہے۔ فقہاء نے تجربہ سے کام لیا ہے۔ اگر کوئی صوفیاء کے قول پر عمل نہ کرے تو خیر فقہاء کے قول پر عمل کرے۔

بعض لوگ شیخ کے پاس جا کر دوسروں کے سلام ان کو پہنچایا کرتے ہیں۔ دوسروں کا سلام شیخ کو پہنچانا علاوہ مصلحتِ اخلاص مشغلہ کے ایک اور وجہ سے بھی خلافِ مصلحت ہے۔ وہ یہ کہ طبیب کے پاس جا کر پڑوسیوں کے امراض پیش کرنا مناسب ہوتا ہے یا اپنے امراض سو وہاں تو جو وقت ملے اپنی اصلاح میں صرف کرنا چاہئے نہ کہ دوسروں کے پیاموں کے

پہنچانے میں اور مراد وہ صورت ہے جب غالب شغل یہی ہو ورنہ احیاء کسی کا سلام پہنچا دینا کچھ حرج نہیں ہے۔ (صفحہ ۳۱۳)

نفسانی اور شیطانی وسوسہ میں فرق

فرمایا کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ فلاں بات نفس کی حرکت ہے اور فلاں بات شیطان کی حرکت ہے۔ اس میں امتیاز کا کیا طریقہ ہے تو بعض اکابر نے لکھا ہے کہ شیطان کا بڑا مقصود تو صرف گناہ میں مبتلا کرنا ہے اور نفس کا زیادہ مقصود لذت کا حاصل کرنا ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ گناہ کا جو وسوسہ ہو اس کو دفع کر کے دیکھو۔ اگر باوجود دفع کرنے کے بار بار اسی گناہ کا وسوسہ ہوتا ہے تب تو نفس کی طرف سے ہے کہ وہ اس میں لذت سمجھتا ہے اس لئے بار بار وہ اسی کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور اگر ایک وسوسہ کے دفع کرنے سے خیال دوسرے گناہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شیطان کا مقصود تو گناہ میں مبتلا کرنا ہے کہ یہ نہ سہی اور سہی، وہ نہ سہی اور سہی۔ اس کی غرض تو مارنا ہے خواہ تھپڑ سے مارے یا گھونسنے سے، یا لاٹھی سے یا بندوق سے اور نفس کا مقصود لذت حاصل کرنا ہے اور وہ منحصر ہے اس وقت ایک خاص گناہ میں، اس لئے وہ دوسری طرف منتقل نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۳۱۵)

نفس کا کید

فرمایا کہ لوگوں کو اس کا اہتمام تو زیادہ ہے کہ نوافل بہت سے پڑھیں، وظائف بہت سے گھوٹیں مگر اس کا اہتمام نہیں کہ معصیت نہ ہو۔ حالت یہ ہے کہ نہ صغیرہ سے پرہیز ہے نہ کبیرہ سے، نہ ظاہر درست ہے نہ باطن حالانکہ حدیث میں ورع کی بڑی تاکید ہے۔ ورع یہ ہے کہ معاصی سے بچے۔ آج کل معاصی سے ترک کا اہتمام بالکل ہی نہیں۔ کبر ہوگا تو اس کی پرواہ نہیں، غیبت ہوگی اس کی پرواہ نہیں، چندہ کی تحریک میں جبر ہوگا، اس کی پرواہ نہیں۔ علیٰ ہذا فقط اس کو دین سمجھتے ہیں کہ بس نفلیں پڑھ لیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ معاصی سے بچو، یہ ہے بڑی چیز اور اس کی ایک وجہ ہے یعنی نفس جو ورع کی طرف نہیں آتا اور نوافل وغیرہ

کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کی ایک وجہ ہے۔ وہ یہ کہ عبادات کی تو ایک صورت ہے اور نفس کو جاہ مرغوب ہے اور شہرت کو چاہتا ہے اور عبادات میں یہ بات خوب حاصل ہوتی ہے مثلاً کوئی چار رکعت پڑھے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ رات کو جاگتا ہے، بڑا متقی ہے۔ نفس کو اس سے حظ حاصل ہوتا ہے اور ورع کی کوئی صورت ہے نہیں، وہ تو ترک ہے اور ترک کی کوئی شکل نہیں اس لئے اس کی خبر کسی کو نہیں ہوتی۔ پس جو مقصود تھا نفس کا شہرت اور جاہ، وہ ورع میں حاصل نہیں ہوتا ہے اس لئے وہ اس طرف آتا ہی نہیں۔ (صفحہ ۳۲۹)

خلوت کی خوبی

فرمایا کہ یوں معلوم ہوتا ہے تجربہ سے کہ سب سے زیادہ نافع چیز خلوت ہے۔ بس جہاں تک ہوتعلقات کم کرے۔ آفات جلوت میں زیادہ ہوتی ہیں۔ خلوت میں تو آدمی کام ہی کرے گا۔ یہ بھی نہیں تو گناہ سے تو بچے گا۔ خلوت ہے تو ایسی چیز مگر لوگوں کی جان نکلتی ہے خلوت میں۔ اگر خلوت بھی اختیار کریں گے تو ایسی جگہ جہاں آتا جاتا معلوم ہو۔ اپنی صورت نہیں دکھاتے مگر اوروں کی ہی دیکھتے ہیں۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ خلوت میں یہ خرابی ہوگی کہ حدیث النفس ہوگا، مختلف قسم کے خیالات آئیں گے۔ اس پر فرمایا کہ جب ذکر کی طرف متوجہ ہوگا تو حدیث النفس کیوں ہوگا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ النفس لا تتوجه الی شیئین فی آن واحد۔ اور اگر حدیث النفس ہی ہو تو جلوت کی خرابی اس سے بڑھی ہوئی ہے اور جلوت میں گو حدیث النفس نہ ہو مگر اس کی خرابی اس سے بڑھی چڑھی ہوئی ہوگی۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کے سوئی چھ گئی، اس کی تکلیف تھی۔ دوسرے نے اسی جگہ چھری ماری، بس سوئی کی تکلیف تو جاتی رہی مگر اس سے بڑھ کر تکلیف ہوگئی۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ بعض نادان معصیت کا علاج معصیت سے کرتے ہیں۔ اسی طرح خلوت میں جو حدیث النفس تھا اس کا علاج اگر جلوت سے کرنے لگے تو اس میں حدیث النفس سے بڑھ کر خرابی ہے۔ خلوت میں تو نرا حدیث النفس ہوگا اور جلوت میں خبیث النفس ہوگا۔ (صفحہ ۳۳۵)

اہل خانہ کے ساتھ مشغولی مضر سلوک نہیں

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر گھر میں بال بچوں کے سامنے بیٹھا ہوا ذکر میں اور کبھی کبھی باتوں میں مشغول رہے تو یہ جلوت تو مضر نہیں؟ اس پر ارشاد فرمایا کہ ان کے ساتھ باتوں میں اور دوستوں کے ساتھ باتوں میں بڑا فرق ہے۔ بہت سے گناہ دوستوں کی رعایت سے ہو جاتے ہیں۔ اور بچے کیا کہتے ہیں کہ بس یہی ابا آم دے دو، فلاں چیز دے دو تو اس سے کیا نقصان، بخلاف دوستوں کے جو مختلف برائیوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ فرق ہے بچوں میں اور دوستوں میں۔ دوسرے بچوں میں تکلف نہیں کرنا پڑتا اور دوستوں میں یہ بھی ہوتا ہے۔

میرے نزدیک گھر میں بیٹھے رہنا، بی بی بچوں سے بات کرنا یہ بھی ایک درجہ کی خلوت ہی ہے۔ جو فضول مجالست ہوتی ہیں، یہ نہایت ہی مضر ہیں۔ آج کل لوگوں نے اس کو مستقل مشغلہ بنایا ہے کہ اس سے مل آئے، اُس سے مل آئے۔ اور مقصود تو اعتدال کی تعلیم ہے کہ معتدل درجہ کا کلام کرے نہ یہ کہ بالکل مہر سکوت لگائے۔ (صفحہ ۳۳۵)

نعمت برتنے سے منعم کی محبت بڑھتی ہے

فرمایا کہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ انڈا کھاؤ، مرغی کھاؤ، مرغی کھانے کھاؤ اور کام کرو۔ شرارت کے قصد سے مت کھاؤ۔ خدا کی نعمت کو برتو، اگر سامان دے استعمال کرو۔ خدائے تعالیٰ کی نعمت برتنے سے منعم کی محبت بڑھتی ہے۔ ہمیں راحت پہنچتی ہے تو محبت ہوتی ہے۔ اگر راحت برت کر محبت ہو اور اس کے بعد کلفت بھی ہو تو اس میں بھی راحت ہوتی ہے۔ خوب کھاؤ پیو جتنا خدا تعالیٰ دے مگر کھانے پینے کے بندے نہ بنو۔ اس فکر میں مت رہو کہ پشاور سے چاول آنے چاہئیں، فلاں جگہ سے یہ چیز آئی چاہئے لیکن اگر خدائے تعالیٰ دے تو کیوں نہ استعمال کرے، کیوں احتراز کرے۔ (صفحہ ۳۴۴)

معاصی کی نحوست

معصیت سے عبادت میں برکت جاتی رہتی ہے۔ اس میں نورانیت نہیں رہتی ہے

جیسے کوئی دوا کھائے اور بد پرہیزی بھی کرے۔ دوا کی خاصیت تو رہے گی مگر قوت گھٹ جائے گی۔ اسی طرح معصیت کی وجہ سے طاعت کی قوت گھٹ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگوں کو مدت ہوئی نماز روزہ کرتے ہوئے مگر اب تک ہم میں نورانیت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ بڑی چیز گناہ کا چھوڑنا ہے۔ لوگوں کو اکثر وظیفہ و نوافل کا اہتمام ہے مگر معاصی کے ترک کا اہتمام نہیں ہے اور یہی سب سے بڑی چیز ہے۔ (صفحہ ۳۸۸)

(ملفوظات حکیم الامت، جلد ۲۰)

توسل کی حقیقت

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ توسل کی کیا حقیقت ہے؟ اس پر ارشاد فرمایا کہ منقول تو دیکھا نہیں مگر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ کسی شخص کا جو جاہ ہوتا ہے اللہ کے نزدیک اس جاہ کی بقدر اس پر رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ توسل کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اے اللہ جتنی رحمت اس پر متوجہ ہے اور جتنا قرب اس کا آپ کے نزدیک ہے اس کی برکت سے مجھ کو فلاں چیز عطا فرما کیونکہ ہمیں اس شخص سے تعلق ہے۔ اسی طرح اعمالِ صالحہ کا توسل آیا ہے حدیث میں، اس کے معنی بھی یہ ہیں کہ اس عمل کی جو قدر ہے حق تعالیٰ کے نزدیک اور ہم نے وہ عمل کیا ہے اے اللہ تو برکت اس عمل کے ہم پر رحمت ہو۔ پس معنی یہ ہیں کہ وہ عمل رحمت کا سبب ہے اور واقعی میں سبب ہے بھی اور یہ توسل عمل کے ساتھ حدیث سے بھی ثابت ہے۔ (صفحہ ۲۴)

بغیر اسلام کے تہذیبِ آہی نہیں سکتی

فرمایا کہ بغیر اسلام کے تہذیبِ حقیقی آہی نہیں سکتی۔ وجہ یہ ہے کہ تہذیبِ اخلاق چونکہ فعلِ اختیاری ہے اس لئے ضرور اس کی کوئی غرض اور غایت ہوگی اور اغراض دو قسم کی ہیں۔ اغراضِ مبتدل یعنی وہ غرض جو کبھی کسی فعل سے حاصل ہو جاتی ہے اور کبھی کسی فعل سے۔ اور اغراضِ غیر مبتدل یعنی جس کا طریقہ ایک فعلِ متعین ہے۔ سود و سری قوموں کی اغراض ان اخلاق سے دنیوی ہیں جو مبتدل ہیں اس لئے جب اغراض بدلیں گے تو افعال بھی بدل جائیں گے اور اہل اسلام کا مقصود اخلاق سے غرضِ دینی ہے اس لئے نہ غرض بدلے گی نہ فعل بدلے گا مثلاً غرضِ رضائے حق تعالیٰ ہوگی اس کے لئے اس کے وہ افعال نہ بدلیں گے یعنی جس فعل سے رضا حاصل نہ ہوگی مسلم وہ فعل ہرگز نہ کرے گا۔ گو اس میں دنیوی نفع ہی کیوں نہ ہو مثلاً جھوٹ نہ بولے گا، کسی اپنے سے ادنیٰ کو تکلیف نہ دے گا۔ رہیں دوسری قومیں سوان کی

وہ غرض جس طریقہ سے بھی حاصل ہوگی اسی کو اختیار کریں گے خواہ اخلاق سے یا ترکِ اخلاق سے، مثلاً اگر سچ بولنے سے ان کی غرض دنیوی تھی تو اگر سچ میں وہ غرض حاصل ہوگی تو سچ بولیں گے اور جہاں جھوٹ بول کر غرض حاصل ہوگی وہاں جھوٹ بولیں گے۔ یا تواضع سے ان کی غرض جاہ تھی تو جہاں اپنے سے چھوٹے کو دبانے سے یہ غرض حاصل ہوگی وہاں دبائیں گے اور جہاں نرمی و تواضع سے یہ غرض حاصل ہوگی وہاں تواضع کریں گے۔ اس لئے حقیقی مہذب مسلم ہی ہو سکتا ہے۔ غیر قوم میں حقیقی تہذیب آہی نہیں سکتی۔ (صفحہ ۳۴)

بیعت میں جلدی نہ کرنا

ایک شخص نے بیعت کے لئے اصرار کیا۔ اس پر فرمایا کہ جب تک جانہیں کا دل نہ مل جائے یہ تعلق مفید نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ شیخ کو یا مرید کو جلدی کرنے میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ پچھتانا پڑتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ کہاں پھنس گئے۔ بیعت کا تعلق کرنا جانہیں کو تمام عمر کے لئے قید میں آجانا ہے۔ ہرگز بلا اطمینانِ طرفین کے اس قید میں نہ پڑنا چاہئے اور یوں میں تمام مسلمانوں کا دعا گو اور خادم ہوں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تعلیم اور نفع بیعت پر موقوف ہے یا اس میں درلغ ہوگا بلا بیعت کے۔ میں ایسے شخص کو راہزن اور ڈاکو سمجھتا ہوں جو بلا بیعت کے تعلیم میں طالب سے درلغ کرے اور سچ عرض کرتا ہوں کہ میں کسی طالب سے درلغ نہیں کرتا۔ رہا بیعت کرنا سو وہ ایسا ہے جیسے کسی کو متنتی بنالینا۔ خدمت تو آدمی پڑوسیوں تک کی اور پڑوسیوں کے بچوں اور نوکروں تک کی اور محض اجنبیوں کی بھی کرتا ہے لیکن بیٹا کسی کو نہیں بناتا۔ (صفحہ ۵۷)

حالات اور آدابِ شیخ میں افراط و تفریط

فرمایا کہ حالات کے بارے میں لوگوں میں افراط و تفریط ہے۔ بعض لوگ تو حالات کو مقصود اور کمال سمجھتے ہیں اور بعض لوگ بالکل منکر ہیں۔ ایسے ہی ادبِ شیخ میں افراط و تفریط ہے۔ آج کل لوگ تعظیم و تکریم کرتے ہیں شیخ کی اور جو حق ہے اس کا یعنی استفادہ نہیں کرتے۔

ہر چیز کا حق وہی ہوتا ہے جس کے لئے وہ موضوع ہو جیسے کوئی مسجد بنادے اور اس کو سجا بنا کر رکھے مگر نماز اس میں نہ پڑھے تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مسجد کا حق ادا کرتا ہے۔ (صفحہ ۹۴)

حسنِ ظن میں توسع اور اقتداء میں احتیاط چاہئے

فرمایا کہ ایک تو ہے عقیدت بمعنی حسنِ ظن، اس میں میری طبیعت میں بڑی وسعت ہے اور ایک ہے اتباع یعنی کسی کو متبوع اور مقتدا بنالینا، اس میں میرے مزاج میں بڑی تنگی ہے اور یہی ہونا بھی چاہئے۔ اس میں جو کوئی توسع کرے سخت خطرناک ہے۔ ایسے ایسے راہزن آج کل موجود ہیں کہ خدا بچائے۔ اس کے لئے بڑی چھان بین کی ضرورت ہے۔ جب تک پورا اطمینان نہ ہو جائے کبھی کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے، چاہے کوئی کیسا ہی مشہور و معروف ہو۔ بیعت کے لئے پوری جمیعت قلب چاہئے۔ اور اگر کسی ایسی جگہ جا کر پھنس جائے جس سے اطمینان نہ ہو تو چاہئے کہ اس سے استفادہ نہ کرے اور تعلیم و تلقین حاصل نہ کرے۔ خواہ وہ ناراض ہی کیوں نہ رہے۔ کیونکہ یہ ناراض ہونا ناحق ہوگا، اس سے کچھ اندیشہ نہیں۔ ہاں مخالفت نہ کرے اور اپنی طرف سے اس کی گستاخی اور دل آزاری نہ کرے۔ ایسے شخص سے استفادہ کرنا فضول ہوتا ہے کیونکہ استفادہ کے لئے شرط ہے اعتماد اور جس پر اعتماد نہیں اس کی تعلیم دل میں موثر کیا ہو سکتی ہے۔ (صفحہ ۱۱۵)

شیخ کو علم ہو جائے کہ مرید کو مناسبت نہیں تو اس کو چلتا کر دینا چاہئے

فرمایا کہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر قرائن سے علم ہو جائے شیخ کو کہ اس شخص کو مجھ سے مناسبت نہیں تو ضرور چلتا کر دینا چاہئے۔ جیسے طبیب کو یا استاد کو یہ کرنا پڑتا ہے کہ جب دیکھیں کہ مریض کا عقیدہ علاج پر نہیں جتنا یا شاگرد استاد کو نظر میں نہیں لاتا تو اس کو الگ کر دیتے ہیں۔ اگر شیخ واقعی شیخ ہے تب تو یہی کرے گا اور اگر کمانے کھانے والا ہے تو اس کو نقصان کا خیال ہوگا سو وہ کاہے کو دوسری جگہ جانے دے گا۔ یا کوئی شیخ حد سے زیادہ شفیق ہو جیسے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہ وہاں بڑی وسعت تھی، جتنی خدمت جس

کی ہو سکی دریغ نہیں کیا۔ ہمارا تناظر ف کہاں۔ میرے یہاں لوگ آتے ہیں۔ میں ہمیشہ ان کے فائدہ کا خیال رکھتا ہوں۔ میں ان کو خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں، اپنا بندہ نہیں بناتا۔ جب کسی کو نفع نہ ہو یا اس کی سیری نہ ہوئی ہو تو بلا بیعت کے واپس کر دیتا ہوں یا بیعت کے بعد بھی یہ معلوم ہو تو کہہ دیتا ہوں کہ اور جگہ جاؤ۔ (صفحہ ۱۱۶)

ہمعصری کمالات پر پردہ ڈال دیتی ہے

فرمایا کہ ہمعصری ایسی چیز ہے کہ کمالات پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ کیسا ہی کوئی صاحب کمال ہو مگر ہمعصروں کی نظر اس پر وقعت کے ساتھ نہیں پڑتی۔ اور فرمایا کہ ہمارے ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے

کہ موت عجیب چیز ہے کہ مرتے ہی آدمی رحمۃ اللہ علیہ ہو جاتا ہے اور پچاس برس کے بعد قدس سرہ ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۲۵)

نماز کے بارے میں دو انگریزوں کے اقوال

فرمایا کہ ندوہ سے ایک پرچہ نکلتا تھا۔ اس میں ایک انگریز کے رسالہ کا ترجمہ ہوتا تھا۔ وہ رسالہ فضائل اسلام میں اس انگریز نے لکھا ہے اور اس کی ابتدا ایک واقعہ سے ہوئی۔ وہ یہ کہ وہ انگریز عرب گیا تھا۔ وہاں اس نے بدوؤں کو نوکر رکھا جو اس کے ساتھ بطور اردلی چلا کرتے تھے۔ آگے آگے یہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا اور پیچھے وہ بدو سوار ہوتے تھے۔ ایک دفعہ سب جا رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا۔ ان بدوؤں نے بلا اس کی اطلاع کے ایک دم گھوڑے روک لئے اور اتر کر نماز پڑھنے لگے۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو گھوڑے کھڑے ہیں اور سوار صف باندھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں جس وقت ان بدوؤں کے آگے چلا کرتا تھا تو معلوم یہ ہوتا تھا کہ بادشاہ فوج کے ساتھ جا رہا ہے مگر اس وقت ان کی صف سے الگ کھڑا ہوا ایسا ذلیل معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ایک کتا کھڑا ہے اور بے اختیار دل چاہتا تھا کہ میں بھی ان کی صف میں شامل ہو جاؤں۔ اسی دن اسلام کی محبت دل میں آئی اور بعد ازاں

فضائلِ اسلام میں وہ کتاب لکھی۔

نیز فرمایا کہ کہ ایک اور انگریز کا قصہ ہے کہ اس نے علی گڑھ میں نماز ہوتے دیکھی تو کہا کہ یہ ہے اصولِ مساوات کہ ادنیٰ اور اعلیٰ میں کچھ تفریق نہیں۔ سب ایک حالت میں ہیں اور ایک امام کے حکم میں ہیں۔ اس سے مذہبِ اسلام کا صدق ثابت ہوتا ہے۔ (صفحہ ۱۵۰)

حکام کا ادب ضروری ہے

معاملہ مع الحکام کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ حکام کا ادب میں ضروری سمجھتا ہوں۔ ترکِ ادب کام کی بات نہیں بلکہ اس میں شرارتِ نفس یعنی شنی ہے کہ ہم ایسے ہیں کہ حاکم سے بھی نہیں دبتے۔ نہ دینا کیا معنی جب اس کو خدا تعالیٰ ہی نے حاکم بنایا ہے۔ یوں نہ دبو گے تو دبائے جاؤ گے اور رعایا ہو کر نہ دبنے سے کیا کوئی عقل مند یہ کہہ دے گا کہ رعایا ہونے سے نکل گئے۔ یہ طرزِ عمل خصوصاً علماء کے لئے مضر ہے کہ یہ ان کی وضع کے بالکل خلاف ہے۔ علماء کو تو گوشہ نشین ہونا چاہئے لیکن اگر ملنا ہو یا کوئی کام پڑ جائے تو ادب کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور بے ادبی اور منہ زوری کو شرارتِ نفس سمجھتا ہوں۔

نیز اسی ذیل میں فرمایا کہ ترکِ تعظیمِ حکام میں دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان ہے۔ دنیا کا تو ظاہر ہے اور آخرت کا یہ کہ حکام سے بگاڑ کر آدمی بس صرف اس کام کا رہ جاتا ہے کہ ہر وقت ان سے بچنے کی تدبیر کرتا رہے۔ قانون دیکھا کرے اور تیری میری خوشامدیں کرتا پھرے کیونکہ حاکم سے نبرد آزما ہونا بڑا مشکل ہے۔ حاکم کو قانون کے اندر بھی اتنی گنجائش ملتی ہیں کہ ان کی گرفت سے بچنا مشکل ہے۔ جو لوگ بڑے دلیر کہلاتے ہیں اور جنہوں نے حکام سے مقابلہ کئے، قلب ان کا بھی فارغ نہیں رہتا۔ گو وہ اپنی تشویشات کو ظاہر نہ کریں مگر رہتے ہیں بڑی فکر میں۔ ایسی حالت میں دین بھی کیا درست رہتا ہے۔ آدمی ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے قلب کو مشغولی بغیر حق ہو۔ ہر وقت قلب کو مہیا رکھے توجہ الٰہی الحق کے لئے۔ (صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰)

اچھا کھائے تو اچھا کام بھی کرے

فرمایا کہ اچھا کھانے میں کچھ حرج نہیں لیکن پھر کام بھی اچھا کرے۔ ایک شخص مجاہدہ اس طرح کرتے تھے کہ نفس نے پلاؤ کی خواہش کی۔ انہوں نے کہا کہ اچھا پلاؤ ہی ملے گا۔ اور پلاؤ پکایا اور نفس سے کہا کہ دس رکعت نفل پڑھ تو یہ ملے گا۔ جب دس پڑھ لیں تو کہا کہ آٹھ اور پڑھو تب ملے گا۔ جب آٹھ اور پڑھ لی تو پلاؤ کھلا دیا۔ اور وعدہ پورا اس واسطے کرتے کہ اگر نہ کرتے تو پھر وہ آئندہ کام کر کے نہ دیتا۔ (صفحہ ۱۶۵)

توفیق دوام علامت قبول ہے

فرمایا کہ آدمی تھوڑا سا لگاؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیدا کر لے، پھر دیکھے کیا رحمتیں ہوتی ہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی عمل کی ہمیشہ توفیق ہونا اس کی قبولیت کی علامت ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ آنے والے کو دوبارہ اجازت جب دیتے ہیں جبکہ اس سے ناخوش نہ ہوں۔ بعض وقت اعمالِ صالحہ میں ایسی کشش ہوتی ہے کہ آدمی اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ (صفحہ ۱۶۶)

ذاکر کا خاتمہ بہت صاف ستھرا ہوتا ہے

فرمایا کہ ذکر اللہ میں جی لگے نہ لگے نبھائے جائے۔ ذکر اللہ عجیب چیز ہے۔ اس کی قدر مرنے کے وقت معلوم ہوگی۔ جن کے قلب میں ذکر رچ جاتا ہے ان کا خاتمہ بہت پاک، صاف و ستھرا ہوتا ہے۔ (صفحہ ۱۶۶)

صاحب ملفوظ بنو نہ کہ حافظ ملفوظ

فرمایا کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ بجائے ملفوظات جمع کرنے کے صاحب ملفوظ ہو جاؤ۔ وہ بات پیدا کرو جس سے تمہاری زبان پر وہی ملفوظات جاری ہونے لگیں۔ صاحب ملفوظ بنو، حافظ ملفوظ ہونے سے کیا فائدہ ہے۔ (صفحہ ۱۷۲)

کسی خادم کو مخصوص بنانے کے مفاسد

فرمایا کہ اپنے کسی دوست (مرید) کو مقرب و مخصوص بنانے میں علاوہ اور نقصانات کے خود اس شخص کو بھی دنیاوی اور دینی دونوں قسم کے نقصانات پہنچتے ہیں۔ دنیوی تو یہ کہ وہ محسود ہو جاتا ہے اور دوسرے آدمی اس کی چغلیاں کھانے لگتے ہیں۔ اور چغلی کا اثر جبکہ بار بار ہو چکھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے اور اس کی خصوصیت وغیرہ ندارد ہو جاتی ہے۔ اور دینی یہ کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ (صفحہ ۱۷۴) مخالفین کی کتابیں دیکھنا بلا کافی علم کے سخت مضر ہے

فرمایا کہ میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں کہ مخالفین کی کتابیں نہ دیکھا کیجئے۔ خواہ مخواہ کوئی شبہ دل میں بیٹھ جائے گا جس کا حل آپ سے نہ ہو سکے گا تو کیا نتیجہ ہوگا۔ لوگ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بکے خیال کے آدمی ہیں۔ ہمارے اوپر کیا اثر ہو سکتا ہے مگر اس قصہ میں ان کو غور کرنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو توریت اچھی معلوم ہوئی اور لا کر حضور اکرم ﷺ کے سامنے پڑھنے لگے۔ بتائیے کہ اس میں کیا خرابی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے کامل الایمان جن کی شان میں وارد ہے کہ ان کے اوپر شیطان کا اثر ہونا تو کیا معنی جس مجلس میں وہ موجود ہوں وہاں بھی شیطان نہیں ٹھہرتا۔ اور توریت جیسی آسمانی کتاب تھی اور حضور اکرم ﷺ کے سامنے پڑھی گئی کہ اگر کوئی مضمون کی خرابی بھی ہو جائے تو اس کی حضور ﷺ اصلاح فرما دیتے مگر حضور ﷺ کو سخت ناگوار ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آگاہ کیا کہ دیکھتے نہیں حضور ﷺ کے چہرہ مبارک پر کیا اثر ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کانپ گئے اور بہت توبہ استغفار کی اور معافی مانگی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس ایک ملت سہل اور پکی اور صاف لایا ہوں اور اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو سوائے اس کے کہ میرا اتباع کرتے کچھ نہ ہوتا۔ یعنی پھر کیا ضرور ہے کہ اس کتاب کو دیکھو جس میں تحریف ہو چکی ہے۔ توریت میں آمیزش تھی تحریف کی، جب اس کے دیکھنے سے منع کیا گیا تو جو کتابیں صرف الحاد اور زندقہ کی ہوں ان کا حکم ظاہر ہے

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منع کیا گیا تو ہم کیا ہیں اور نہ معلوم کیوں دیکھتے ہیں۔ لوگ اپنے یہاں کیا نہیں ہیں؟ اپنے یہاں تو اتنے علوم ہیں کہ تمام عمر بھی ان کے دیکھنے سے فرصت نہ ملے۔ اپنی کتابوں کو دیکھئے اور اپنی اصلاح کی فکر کیجئے، اسی سے فرصت ملنا مشکل ہے۔ (صفحہ

(۱۸۳)

سلوک میں چار چیزیں ضروری ہیں مگر ان میں سے دو آج کل متروک ہیں

فرمایا کہ سلوک میں چار چیزیں ضروری ہیں۔ قلتِ طعام اور قلتِ منام اور قلتِ کلام اور قلتِ اختلاط مع الانام۔ مگر ان میں سے دو آج کل متروک ہیں۔ پیٹ بھر کر کھائے اور نیند بھر کر سوئے مگر کام کرے اور وجہ اس متروک ہونے کی ضعف ہے۔ (صفحہ ۱۹۷)

ایک طالبِ ثمراتِ ذکر کی حکایت

فرمایا کہ ایک شخص ذکر کیا کرتے تھے مگر ثمرات کچھ ظاہر نہ ہوئے تو بڑے رنجیدہ ہوئے۔ مجھ سے شکایت کی۔ میں نے کہا کام کئے جاؤ، ذکر مقصود بالذات ہے نہ کہ بالعرض۔ ایک رئیس صاحب تھے، ان سے کچھ پرانے تعلقات تھے۔ کسی گزشتہ کام کی تکمیل یا اس کے کسی جزو کی تحقیق کیلئے وہ رئیس ان صاحب کو بلاتے تھے۔ مجھ سے مشورہ کیا۔ میں نے کہا ضرور جاؤ، وہ محسن ہیں۔ یہ تو صرف الفاظ تھے اور نیت میری کچھ اور ہی تھی۔

چنانچہ وہاں گئے تو ذکر کی مشغولی چھوٹ گئی۔ اب چاہئے تھا کہ جس چیز کو بیکار سمجھتے تھے، اس کے چھوٹ جانے سے ان کو چین آتا مگر دو ہفتہ گزرے تھے کہ ایک لمبا خط آیا پریشانی کا کہ میں سخت پریشان ہوں۔ سفر میں سب معمول چھوٹ گیا۔ میں نے جب کہا کہ ذکر بلا ثمرات آپ کے نزدیک کچھ نہ تھا تو اس کے چھوٹ جانے سے پریشانی کیوں ہے۔ بس مطمئن ہو گئے اور مجرد ذکر کی ہی قدر سمجھ گئے۔ ادنیٰ درجہ کا حضور بھی حاصل ہو تو بڑی چیز ہے اور شکایت اور ناشکری کا منشاء کبر ہے کہ دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ میں تو اس سے زیادہ

کا مستحق تھا، اتنا کم مجھے کیوں ملا۔ حالانکہ سمجھنا یہ چاہئے کہ میں اس کا بھی مستحق نہ تھا۔ غلو نے امت محمدیہ کو تباہ کر دیا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے شکایت کی کہ ذکر کرتے ہیں مگر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو فرمایا کہ کیا یہ فائدہ نہیں کہ ذکر کرتے ہو۔

یا ہم اور یا نبی! ہم جستجوئے می

کنم

حاصل آید یا نیاید

آرزوئے می کنم

کام کئے جائیے، اس کی برکت سے ترقی ہوتی ہے جیسے کوئی خوشخطی سیکھنا چاہتا ہے تو اس کو لکھنا چاہئے۔ پہلے کیسا بدخط ہوتا ہے مگر لکھنے سے کبھی نہ کبھی خوشنویس ہو جاتا ہے۔ اگر لکھے گا نہیں تو خوشنویسی کیسے آوے گی۔ خوشنویسی آنے کی تدبیر یہی ہے کہ بدخطی شروع کی جائے۔ یہی بدخطی ایک دن خوش خطی ہو جائے گی۔ (صفحہ ۲۰۹)

علم دین کو ذریعہ معاش بنانا ٹھیک نہیں

مشہور شاعر سید اکبر حسین الہ آبادی صاحب نے ایک ملاقات میں دریافت کیا کہ آج کل زمانہ کی رفتار یہ ہے کہ جو کوئی اسلامی مدرسہ میں جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ عربی پڑھ کر کیا کرو گے یعنی زندگی کیسے بسر کرو گے۔ جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ یہ خرابی اس کی ہے کہ لوگ عربی کو ذریعہ معاش بناتے ہیں۔ اس علم کو تو جو کوئی پڑھے تو مقصود اصلاح نفس ہی ہونا چاہئے۔ پھر یہ سوال پیدا نہ ہوگا۔ رہی معاش کی بات سو اس کے لئے کچھ اور ہی ہونا چاہئے۔ تجارت، زراعت، حرفت وغیرہ اور عربی کو ذریعہ معاش بنانے کے قصد سے پڑھنا ٹھیک نہیں۔ (صفحہ ۲۱۴)

امورِ خانگی پر بھی نظر رکھنا چاہئے

فرمایا کہ ایک دفعہ ہمارے گھر سے گے ہوں چکی پر پسے کو گئے۔ وہاں یہ ہوا کہ چکی

والوں نے گیہوں اور پیسے رکھ لئے اور آٹا پسپا پایا دے دیا۔ میں نے پوچھا کہ آٹا بڑی جلدی آ گیا۔ معلوم ہوا کہ آٹا تیار رکھا تھا، وہ دے دیا اور گیہوں رکھ لئے۔ میں نے کہا اس کو لے جاؤ، واپس کرو اور وہ گیہوں پسوا کر لاؤ کیونکہ آٹے کا بدلنا گیہوں سے اس طرح جائز نہیں کیونکہ یہ معاملہ ربوا سے خالی نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا کہ یہ ضرورت ہے ہر کام میں دخل دینے کی۔ اب لوگ قطع تعلق کے یہ معنی سمجھ ہوئے ہیں کہ کسی بھی بھلی بری بات سے مطلب نہ رکھے چاہے گناہ ہوتا رہے۔ بعض مشائخ کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ ایسے تارک ہیں کہ روپیہ کو ہاتھ لگانا برا سمجھتے ہیں اور کسی سے کچھ کام نہیں رکھتے۔ نہ اچھے سے مطلب نہ برے سے۔ یہ جہالت کی بات ہے۔ (صفحہ ۲۳۴)

مسلمانوں میں تضييع وقت شعار ہو گیا ہے

فرمایا کہ ہر شخص اپنے وقت کا حساب کرے تو ثابت ہو جائے کہ نصف سے زائد وقت خراب ہوتا ہے۔ وقت کو خراب نہ کیا جائے تو بہت سے کام ہو جائیں۔ مگر پابندی وقت ہم لوگوں نے ایسی چھوڑی ہے کہ اب اس کا کرنا نئی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ بعض بات شعارِ قومی ہو جاتی ہے۔ پھر سب اس کے خلاف کو عیب سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے تضييع وقت شعار ہو گیا ہے۔ اب کوئی انضباط وقت کرے تو اس کو بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔ (صفحہ ۲۴۰)

زیارتِ قبور کے فوائد

دریافت کیا گیا کہ مزاروں پر جانے سے نفع تو ہوتا ہوگا۔ فرمایا کہ عوام کو تو صرف یہ فائدہ ہوتا ہے کہ یہ دعا کرتے ہیں۔ مردوں کے لئے ثواب ہوتا ہے اور مردے ان کے لئے دعا کرتے ہیں۔ نیز موت یاد ہوتی ہے اور باطنی نفع اہل باطن کو ہوتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ اہل نسبت کو تو نفع بہت ہوتا ہوگا۔ فرمایا کہ صاحبِ نسبت کو بھی نفع قلیل ہوتا ہے یعنی صرف تقویتِ نسبت جو کہ ذکر اللہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ باقی نفعِ تعلیم و اصلاح تو علم ہوتا ہے بتانے سے اور اصلاح ہوتی ہے صحبت سے اور حالات کے دیکھنے سے سو یہ زندہ ہی سے ہو سکتا ہے نہ کہ مردہ

سے۔ (صفحہ ۲۵۸)

ضبط ملفوظات کے فوائد

فرمایا کہ میں نہایت مسرور ہوں کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم میرے ملفوظات کے ذریعہ سے محفوظ اور قلم بند ہوتے جاتے ہیں۔ یہ علوم وہ ہیں کہ کتابوں میں نہیں مل سکتے۔ ان کی قدر کچھ دنوں کے بعد آئے گی۔ ان کی نظیر کتب تصوف میں کم مل سکے گی اور یہ ایسے وقت میں کام دینے والے ہیں جبکہ بہت سے رہبر بھی کام نہ دے سکیں۔ یہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت کا اثر ہے کہ لوگ ان کو شوق سے اور ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ کسی کو کوئی نوع ان میں سے پسند ہے اور کسی کو کوئی نوع۔ (صفحہ ۲۵۹)

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علم و تفقہ

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک شیخ تھے۔ عالم طاہری پورے نہ تھے مگر تحقیق کی شان یہ تھی کہ ایک دفعہ بھوپال کے ایک غیر مقلد حضرت سے بیعت ہوئے جس کا قصہ یہ ہوا تھا کہ اول ایک صاحب جو بھوپال سے حج کرنے آئے تھے حضرت سے بیعت ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک دوسرے شخص بھوپال کے تھے جو سخت غیر مقلد تھے اور ان پہلے صاحب کو بھی وہ غیر مقلد سمجھتے تھے۔ ان بھوپالی غیر مقلد صاحب نے اس سے سمجھا کہ حضرت غیر مقلد کو بھی بیعت کر لیتے ہیں۔

انہوں ان صاحب کی معرفت حضرت حاجی صاحبؒ سے دریافت کرایا کہ میں بھی بیعت ہونا چاہتا ہوں مگر میں غیر مقلد ہی رہوں گا۔ حضرت نے اس شرط کو منظور فرمالیا۔ پھر وہ خود حاضر ہوئے اور تصریحاً پوچھا۔ فرمایا ہاں کچھ حرج نہیں پس بیعت کر لیا۔ لیکن بیعت ہونا تھا کہ خدا جانے کیا اثر ہوا کہ اس کے بعد اول ہی وقت نماز میں نہ آمین کہی اور نہ رفع یدین کیا۔ حضرت کو خبر ہوئی تو حضرت چونک اٹھے اور بلا کر ان سے پوچھا کہ اگر آپ کی تحقیق اور رائے بدل گئی تب تو خیر اور اگر میری خاطر سے ایسا کیا تو میں ترک سنت کا وبال اپنی گردن پر

نہیں لیتا۔ دیکھئے تحقیق کی شان یہ ہے اور سنت سے ہمارے حضرات کو کس قدر تعلق ہے اور خصوصاً حضرت حاجی صاحبؒ کو سنت کے ساتھ غایت درجہ کا عشق تھا۔ پھر ایسے لوگوں کو متعصب کہا جائے تو کس قدر ظلم ہے۔ ہاں متعصب ہیں متعصب نہیں۔ (صفحہ ۲۹۲)

صحبت کے لئے کس کو تلاش کرنا چاہئے

فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صحبت کے لئے اس شخص کو اختیار کرو جو محدث بھی ہو، فقیہ بھی ہو اور صوفی بھی ہو۔ اعتدال اسی سے ہوتا ہے۔ یہ قول ان کا قول جمیل میں ہے۔ (صفحہ ۲۹۷)

مکر شیطان کو پہچاننے کے لئے بڑی بصیرت کی ضرورت ہے

فرمایا کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ شیطان ہر شخص کی موجودہ حالت کو بے وقت بتاتا ہے اور اس سے اپنا کام خوب بناتا ہے۔ اہل توکل سے تو کہتا ہے کہ اس حالت میں یہ خرابی ہے کہ اپنا بوجھ دوسروں پر ہے، یہ نامردی ہے۔ ان سے توکل چھوڑ کر اسباب میں گھسا دیتا ہے اور اہل تعلقات سے کہتا ہے تمہاری کیا حالت ہے، دن بھر تو تو میں میں میں رہتے ہو۔ کوئی وقت بھی یاد خدا کا نہیں۔ فلاں شخص کیسا تارکِ اسباب ہے۔ تم کیا یہ نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ ان سے تعلقات کو چھوڑ کر ہی چھوڑتا ہے اور ان میں اتنی ہمت تو ہوتی نہیں کہ ترکِ اسباب کے بعد مطمئن رہیں۔ نتیجہ یہ ہو جاتا ہے کہ پریشان ہو جاتے ہیں اور بعد چندے اس سے پشیمانی ہوتی ہے اور یہ ادھر کے رہتے ہیں نہ ادھر کے۔ لطف یہ ہے کہ اگر کوئی ترکِ اسباب کی ہمت کرے تو اس حالت پر بھی قیام نہیں رہنے دیتا۔ اس کو بھی پھر بے وقعت ثابت کرتا ہے۔ یہ شیطان کا ایسا مکر ہے کہ ہر جگہ چل ہی جاتا ہے۔

اس کے مکر کو پہچاننا آسان کام نہیں۔ بہت ہی باریک نظر کی ضرورت ہے۔ چاہئے کہ اپنی طرف سے حالت کے بدلنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اول کسی مبصر سے ضرور رائے لے۔ اسی واسطے شیطان بزرگوں سے بہت گھبراتا ہے کیونکہ وہ اس کے مدت کے مکر کو ذرا سی

دیر میں توڑ دیتے ہیں۔ اس پر عرض کیا گیا کہ بلا ترک تعلقات اصلاح کیسے ہو۔ فرمایا کہ ترک بے شک ضروری ہے مگر ترک کی حقیقت قلیل تعلقات کو چھوڑ دینا ہے نہ کہ مطلقاً تارک بن جانا۔ (صفحہ ۳۰۲)

تہذیبِ حال کی حقیقت تصنع ہے

فرمایا کہ تہذیبِ حال کی حقیقت سوائے تصنع کے اور دکھلاوے کے کچھ بھی نہیں اور جس میں مفاسد ہی مفاسد ہیں۔ اگر دنیا دار بھی نمائش چھوڑ کر سادگی کا طریقہ اختیار کر لیں تو قطع نظر گناہوں سے بچنے کے دنیا میں بھی توبہ نہ ہوں۔ دیکھئے کتنی ریاستیں ان تکلفات میں تباہ ہو گئیں اور لطف یہ ہے کہ خود سب کے سب ان رسوم کے شاک ہیں مگر چھوڑتے نہیں۔ آدمی کو چاہئے اتنے پاؤں پھیلائے کہ جتنی گنجائش ہو۔ اور ان تکلفات میں اس کا خیال ہو ہی نہیں سکتا۔ سب کو چاہئے کہ ایک دم ان رسوم کو الگ کر دیں۔ سادہ زندگی عجیب راحت بخش چیز ہے۔ (صفحہ ۳۱۲)

بچوں کو علمِ دین سے غافل نہ رکھنا چاہئے

فرمایا کہ لوگ بچوں کو ابتدا سے فکرِ معاش میں اس طرح ڈالتے ہیں کہ بالکل اس میں منہمک کر دیتے ہیں۔ اگر کتابی تعلیم دین کی نہیں ہو سکتی تو زبانی تعلیم تو ممکن ہے مگر یہ بھی نہیں کرتے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ بچوں کو نماز سکھلائی جائے، دین کے ارکان ان کو سنائے جائیں۔ اس میں تو ان کو کچھ محنت نہیں پڑے گی اور کچھ وقت بھی زیادہ خرچ نہ ہوگا۔ اگر بڑوں کو خیال ہو تو دین کے تمام ضروری اصول و فروع ان کو سکھا دیں مگر یہ سب کچھ جب ہی ہو جبکہ دین کی پرواہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ دین کی کسی کو پرواہ ہی نہیں۔ چھوٹوں کو یہ عذر ہے کہ بڑوں نے ہم کو اس طرف نہ لگایا اور بڑوں نے یوں دل کو سمجھا لیا ہے کہ علمِ معاش سے فرصت نہیں ہے۔ کیوں صاحبو؛ قانون کی ضروری باتیں بچوں کے کان میں کیسے پڑ جاتی ہیں۔ کسی بچہ کو ہم نے یہ نہ دیکھا کہ علمِ معاش میں منہمک ہو کر اسے یہ باتیں معلوم نہ ہوں اور یہ لاعلمی

قانوناً جرم بھی ہے، اس سے جیل خانہ پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔ میں انہیں مربی سے پوچھتا ہوں کہ اسی بچہ نے جب نماز نہیں پڑھی تو آپ نے کیوں نہیں ٹوکا۔ کیا اس کا ان کے پاس کوئی جواب ہے۔ بس اصل یہ ہے کہ دین کی پرواہ نہیں، اس کا نتیجہ آنکھ بند ہونے پر معلوم ہوگا۔ دین کو ایسا چھوڑا ہے کہ اس کا

نام ہی آنا غضب ہے۔ اس کا نام آیا اور سو حیلے کھڑے ہوئے۔ (صفحہ ۳۳۶)

نماز نہ پڑھنے پر سزا مقرر کرنا

فرمایا کہ جس شخص کی نماز فوت ہوتی ہو اس کو چاہئے کہ خود اپنے اوپر یہ سزا مقرر کر لے کہ جس دن نماز قضا ہو جائے کھانا نہ کھائے۔ ایک وقت یا چند وقت ایسا کرے، آپ ہوش درست ہو جائیں گے اور نفس قابو میں آجائے گا۔ اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ایک وقت نہ کھانے سے یا چند وقت نہ کھانے سے مرے گا نہیں۔ یہ بات طباً ثابت ہے کہ آدمی کئی کئی دن تک فاقہ کرنے سے مر نہیں سکتا۔ غرض ہمت کر کے کام کرو اور بے ہمت تو لقمہ بھی منہ میں نہیں جاتا۔ (صفحہ ۳۴۲)